

شَرْحُ

الفَقْرُ الْأَكْبَرُ

لِلإِمَامِ الْأَعْظَمِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ

مُتَقَلِّمٌ بِاسْمِ اللَّهِ  
مَوْلَانَا مُحَمَّدُ الْبَاقِ الْكَلْبُورِيُّ

مَرْكَزُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ سِرْكَوْدَهَا

# شَرْحُ الْفِقْرِ الْأَكْبَرِ

لِلْإِمَامِ الْأَعْظَمِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ

مُتَقَرَّبٌ إِلَى  
مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ الْبَيْهَقِيِّ  
رَحِمَهُ اللَّهُ

مَرْكَزُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ سِرْكَوْدَهَا



نام کتاب ..... شرح الفقہ الاکبر

تالیف: ..... محمد الیاس رحمہ اللہ

تاریخ اشاعت ..... 2021ء

بار اشاعت ..... اول

تعداد اشاعت ..... 2100

ناشر ..... دار الایمان

ملنے کا پتہ

دار الایمان

87 جنوبی لاہور روڈ سرگودھا

0321 6353540

www.ahnafmedia.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## فہرست

- 15 ..... تقدیم
- 18 ..... امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات
- 18 ..... نام، کنیت اور سلسلہ نسب:
- 18 ..... خاندانی پس منظر:
- 21 ..... آپ کے مولد و مسکن کو فہ کا علمی مقام:
- 23 ..... امام صاحب کے ابتدائی حالات:
- 24 ..... تحصیل علم کی ابتداء:
- 25 ..... تحصیل علم کلام:
- 27 ..... فقہ کی طرف توجہ:
- 28 ..... شرف تابعیت:
- 31 ..... امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بشارت نبوی:
- 32 ..... امام اعظم اور علم حدیث:
- 34 ..... امام اعظم کی ثقاہت:
- 35 ..... امام اعظم اہل علم کی نظر میں:
- 37 ..... اساتذہ و مشائخ عظام:
- 38 ..... سلسلہ درس و تدریس:
- 39 ..... تلامذہ امام ابی حنیفہ رحمہ اللہ:

40	تدوین فقہ اسلامی:
42	حلیہ و اوصاف جلیلہ:
43	عہدہ قضاء کی پیش کش اور امام اعظم کا انکار:
46	وفات حسرت آیات:
46	تالیفات و تصنیفات:
48	راوی کتاب؛ امام حماد رحمہ اللہ کے حالات
48	نام، کنیت اور سلسلہ نسب:
48	مولد و مسکن:
48	اوصاف و اخلاق:
49	اشاعت دین میں خدمات:
50	اولاد:
50	وفات حسرت آیات:
51	کچھ فقہ الاکبر کے بارے میں
51	1: الفقہ الاکبر بروایت امام حماد:
51	2: الفقہ الاکبر بروایت ابو مطیع البلیخی:
53	الفقہ الاکبر بروایت حماد بن ابی حنیفہ
61	چند اشکالات کے جوابات
69	متن الفقہ الاکبر
97	اصول ایمان کا بیان

97	توحید کا لغوی معنی:
97	توحید کا اصطلاحی و شرعی معنی:
98	توحید کی اقسام:
105	اللہ تعالیٰ پر ایمان:
105	[۱]: ذات باری تعالیٰ
110	[۲]: صفات باری تعالیٰ:
111	[۳]: اسماء باری تعالیٰ:
111	فرشتوں پر ایمان:
113	فرشتوں کی ذمہ داریاں
115	فرشتوں کی تعداد
117	مقرب فرشتے
122	انسانوں اور فرشتوں میں باہمی فضیلت
125	آسمانی کتب پر ایمان:
127	رسولوں پر ایمان:
128	نبی کی تعریف
131	نبی و رسول میں فرق
131	تعداد انبیاء و رسل علیہم السلام
131	نبی کی ذات بشر، صفت نور
133	خدائی اختیارات و صفات نبی کے لیے ثابت نہیں
136	نبی اور نبی الانبیاء علیہم السلام
137	امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم
139	افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم
142	نبی العالمین صلی اللہ علیہ وسلم

144	خاتم الانبیاء علیہم السلام
147	آخرت پر ایمان:
148	قبر کا معنی:
150	برزخ کا معنی:
151	برزخ کے احوال:
153	بعث بعد الموت پر ایمان:
157	قبر کی حیات:
166	تقدیر پر ایمان:
166	تقدیر کا معنی:
166	تقدیرِ خیر اور تقدیرِ شر
167	تقدیرِ مبرم اور تقدیرِ معلق
167	حساب کتاب پر ایمان:
168	وزن اعمال پر ایمان:
170	جنت و جہنم پر ایمان:
177	جہنم کے عذاب:
179	جہنم کے سات طبقات:
183	جنت کی تخلیق:
184	جہنم کی تخلیق:
185	جنت کا ہمیشہ رہنا:
187	جہنم کا ہمیشہ رہنا:
192	توحید باری تعالیٰ کا مفہوم
194	اللہ تعالیٰ کا مخلوق کی مشابہت سے پاک ہونا

197	اسماء و صفات ذاتیہ و فعلیہ .....
197	اسماءِ باری تعالیٰ: .....
205	صفاتِ باری تعالیٰ: .....
205	صفاتِ ذاتیہ .....
212	صفاتِ فعلیہ: .....
218	اللہ تعالیٰ کی صفات کا ازلی ہونا .....
219	صفاتِ باری تعالیٰ کا مخلوق نہ ہونا .....
221	قرآن مجید کی تعریف .....
222	قراء سبعہ کا تعارف: .....
228	حافظہ کا مرکز دل یا دماغ: .....
230	انزال اور تنزیل: .....
231	ترتیبِ نزولی اور وضعی: .....
237	قرآن مخلوق نہیں .....
243	قرآن مجید میں غیر اللہ کا کلام .....
246	اللہ کا کلام اور غیر اللہ کا کلام .....
248	صفاتِ باری تعالیٰ کا یکتا و بے مثال ہونا .....
250	اللہ تعالیٰ کا جسم سے پاک ہونا .....
258	صفاتِ متشابہات کے بارے میں موقف .....



259	موقف نمبر 1: اہل السنۃ والجماعۃ متقدمین
260	موقف نمبر 2: اہل السنۃ والجماعۃ متاخرین
263	موقف نمبر 3: معتزلہ
266	موقف نمبر 4: غیر مقلدین
277	تقدیر الہی کا بیان
280	مشیت:
281	علم:
281	قضاء:
281	قدر (تقدیر):
284	قضاء، قدر اور مشیت الہیہ کا ازلی ہونا
286	فطرتِ انسانی
289	وعدۃ الست
295	تغییر اور تبدیلی:
297	ایمان اور فطرتِ انسانی
299	افعالِ عباد کا بیان
299	اللہ تعالیٰ اعمال کا خالق ہے:
299	انسان اعمال کا کاسب ہے:
301	[۱]: فرقہ جبریہ
301	[۲]: فرقہ قدریہ

- 302 ..... [۳]: اہل السنۃ والجماعۃ
- 304 ..... طاعات پسندیدہ اور معاصی ناپسند
- 306 ..... عصمتِ انبیاء علیہم السلام کا بیان
- 311 ..... نبی اور امتی کے اجتہاد میں فرق
- 321 ..... رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم
- 324 ..... خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی افضلیت کا بیان
- 330 ..... صحابی کی تعریف:
- 331 ..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خدائی انتخاب ہیں:
- 332 ..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مومن ہیں:
- 332 ..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں:
- 333 ..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محفوظ ہیں:
- 335 ..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ حق ہیں:
- 335 ..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تنقید سے بالاتر ہیں:
- 336 ..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنتی ہیں:
- 337 ..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امت کا افضل ترین طبقہ ہیں:
- 338 ..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع معصوم ہے:
- 338 ..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سب و شتم حرام ہے:
- 339 ..... حب صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم:
- 340 ..... مقام صحابہ رضی اللہ عنہم:
- 340 ..... عشرہ مبشرہ:
- 341 ..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اخروی عذاب سے محفوظ ہیں:

- 342 ..... اعدائے صحابہ سے براءت:
- 343 ..... خلافت راشدہ و خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم:
- 344 ..... خلافت حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما:
- 345 ..... خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ:
- 350 ..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات:
- 352 ..... حق حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ:
- 353 ..... فسق یزید:
- 355 ..... مرتکب کبیرہ کو کافر نہ کہا جائے جب تک وہ گناہ کو حلال نہ سمجھے
- 355 ..... مرتکب کبیرہ کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف:
- 356 ..... دلائل اہل السنۃ والجماعۃ:
- 358 ..... مرتکب کبیرہ کے بارے میں فرقہ معتزلہ کا موقف:
- 359 ..... فرقہ معتزلہ کے دلائل اور ان کے جوابات:
- 364 ..... چند گناہ کبیرہ:
- 364 ..... چند گناہ صغیرہ:
- 365 ..... توبہ کی شرائط:
- 366 ..... موزوں پر مسح کا بیان
- 370 ..... نماز تراویح کا بیان
- 370 ..... ایک غلط فہمی کا ازالہ:
- 371 ..... دلائل اہل السنۃ والجماعۃ:
- 374 ..... تراویح کے بیس رکعت ہونے پر اجماع امت
- 376 ..... نماز کس کے پیچھے پڑھی جائے

- 376 ..... فاجر کی تعریف:
- 381 ..... اہل السنۃ والجماعۃ کے بعض عقائد کا بیان
- 383 ..... فرقہ مرجئہ سے براءت کا اعلان
- 383 ..... اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف:
- 384 ..... اہل السنۃ والجماعۃ کے دلائل:
- 387 ..... فرقہ مرجئہ کا موقف:
- 388 ..... فرقہ مرجئہ کے دلائل:
- 390 ..... ان دلائل کے جوابات:
- 392 ..... قبولیت اعمال کی شرائط:
- 393 ..... ریاکاری اور خود پسندی کا نقصان
- 395 ..... معجزات، کرامات، استدرجات
- 395 ..... معجزہ
- 396 ..... انبیاء علیہم السلام کے چند معجزات
- 398 ..... کرامت
- 398 ..... اولیاء اللہ کی چند کرامات
- 400 ..... ولی سے نہ مانگنا
- 400 ..... استدراج
- 401 ..... چند استدرجات
- 406 ..... خالقیت و رازقیت باری تعالیٰ
- 406 ..... دیدار باری تعالیٰ کا برحق ہونا

- 406 ..... دلائل اہل السنۃ والجماعۃ:
- 410 ..... علمائے امت کا موقف:
- 421 ..... ایمان کی تعریف
- 422 ..... اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف:
- 430 ..... مثل بالکیف اور مثل بالکم:
- 432 ..... اسلام اور ایمان میں مناسبت
- 432 ..... اسلام اور ایمان میں لغوی فرق:
- 435 ..... لفظ ”دین“ کا اطلاق
- 435 ..... لفظ دین کی جامعیت:
- 436 ..... دین کی فوقیت اور ترجیح کی چار شرائط:
- 440 ..... معرفت و عبادتِ باری تعالیٰ
- 441 ..... صفاتِ ثبوتیہ:
- 441 ..... بعض صفاتِ سلبیہ:
- 445 ..... مؤمنین کے ایمان میں یکسانیت کا بیان
- 446 ..... فضل و عدلِ باری تعالیٰ
- 447 ..... شفاعتِ انبیاء علیہم السلام کا بیان
- 451 ..... ترازو کے ذریعے اعمال کا وزن ہونا
- 453 ..... حوض کوثر

- 456 ..... قصاص برحق ہے
- 458 ..... جنت اور جہنم کا فناء ہونا
- 460 ..... حورِ عین کا فناء ہونا
- 467 ..... عذاب و ثوابِ الہی کا ختم نہ ہونا
- 468 ..... ہدایت و گمراہی کا فیصلہ
- 469 ..... شیطان اور سلبِ ایمان
- 470 ..... سوالاتِ منکر نکیر اور اعادہٴ روح
- 482 ..... ثواب و عذابِ قبر
- 482 ..... قبر کا معنی
- 483 ..... برزخ کا معنی:
- 484 ..... ثواب و عذابِ قبر پر دلائل:
- 497 ..... عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام
- 498 ..... عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں صفاتِ باری تعالیٰ
- 504 ..... اللہ تعالیٰ کے مخلوق سے قریب اور دور ہونے کا معنی
- 516 ..... قرآن کریم کی تعریف اور آیاتِ قرآن کی فضیلت
- 518 ..... ایمان والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
- 522 ..... ایمان والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتب

- 523 ..... جناب ابوطالب کی وفات
- 527 ..... اولادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
- 530 ..... علم توحید کے مسائل سمجھنے میں دشواری کا حل
- 531 ..... معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان
- 532 ..... سفر معراج کے حصے:
- 535 ..... معراج کے منکر کا حکم:
- 538 ..... علامات قیامت کا بیان
- 538 ..... علامات صغریٰ:
- 541 ..... علامات کبریٰ:
- 541 ..... 1: حضرت مہدی علیہ الرضوان کی آمد
- 544 ..... 2: دجال کا نکلنا
- 548 ..... 3: عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا
- 550 ..... 4: یاجوج ماجوج کا نکلنا
- 554 ..... 5: سورج کا مغرب سے نکلنا
- 555 ..... 6: دابۃ الارض کا نکلنا
- 557 ..... 7: ٹھنڈی ہوا کا چلنا
- 557 ..... 8: حبشیوں کا غلبہ اور خانہ کعبہ کو گرانا
- 558 ..... 9: آگ کا نکلنا
- 559 ..... اختتام کتاب
- 560 ..... دعائے اختتام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## تقدیم

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ أَفْأَبَعْدُ!

شریعت کے پانچ اجزاء ہیں:

اعتقادات، عبادات، معاملات، اخلاقیات اور معاشرت

دین اسلام میں ”اعتقادات“ بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ انہی کی درستی پر دیگر اعمال کی قبولیت موقوف ہے۔ اگر اعتقادات درست ہوں تو اعمال بھی بارگاہِ الہی میں شرف قبولیت پالیتے ہیں اور اگر یہ اساس ہی فاسد ہو تو باقی اعمال کی قبولیت ناممکن ہے۔ اس لیے کامیابی اور کامرانی کے حصول کے لیے اعتقادات کا درست رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

عقائد کی مسلمہ اہمیت کے پیشِ نظر ہم نے اکابرین و اسلاف امت کے مرتب کردہ متونِ عقائد پر کام کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔ اس سے قبل ہم نے امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی (ت 321ھ) کی ”العقیدۃ الطحاویۃ“ اور محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری (ت 1346ھ) کی ”المہند علی المفند“ ترجمہ و تشریح کے ساتھ پیش کی ہے۔ علمی اور عوامی حلقوں میں ان کتب کو بے پناہ پذیرائی حاصل ہوئی ہے جس پر ہم اللہ تعالیٰ کے بے حد شکر گزار ہیں۔

اسی سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے ہم نے امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی رحمۃ اللہ علیہ (ت 150ھ) کی کتاب الفقہ الاکبر بروایۃ الامام حماد بن الامام الاعظم ابی حنیفہ رحمہما اللہ کا انتخاب کیا ہے جو دیگر متونِ عقائد سے زماناً مقدم ہونے کے ساتھ ساتھ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد پر جامع اور مختصر متن ہے۔



بندہ نے پہلے اس جامع متن کو متعدد بار اندرون و بیرون ملک کے کئی احباب کو درساً پڑھایا ہے جس کی مختصر روئید ادیہ ہے:

- 1: اپریل 2019ء دورہ تحقیق المسائل مرکز اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا
- 2: اگست 2019ء دورہ تحقیق المسائل کراچی
- 3: دسمبر 2020ء آن لائن، علمائے افغانستان (مجلس الفقہ الاسلامی افغانستان)

- 4: جنوری 2021ء آن لائن، علمائے ترکی
- 5: فروری 2021ء آن لائن، علمائے انگلینڈ
- 6: فروری 2021ء آن لائن، علمائے امریکہ
- 7: فروری 2021ء آن لائن، علمائے انڈیا

متعدد بار درس دینے کے بعد ہم نے الفقہ الاکبر کی شرح تحریر کی ہے۔ شرح لکھتے وقت ان امور کا اہتمام کیا ہے:

☀ شروع میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کو مختصراً بیان کیا ہے ورنہ آپ کی شخصیت تو ایک عظیم الشان کتاب کی متقاضی ہے۔

☀ راوی کتاب امام حماد بن ابی حنیفہ رحمہما اللہ کے حالات زندگی کو بھی اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

☀ الفقہ الاکبر کے اس نسخہ (جس کی ہم نے شرح لکھی ہے) کی صحتِ استناد پر گفتگو کی ہے اور اکابر و اسلاف وغیرہ سے اس کا ثبوت پیش کیا ہے کہ یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہی کی کتاب ہے۔ چنانچہ تیرہ (13) حضرات کے حوالہ جات پیش کیے ہیں جنہوں نے ”الفقہ الاکبر“ کو امام اعظم رحمۃ اللہ کی کتاب قرار دیا ہے۔ نیز اس ضمن میں بعض مخالفین اور بعض موافقین کی جانب سے ”الفقہ الاکبر“ کے امام صاحب کی

کتاب ہونے پر جو چند ایک اشکالات کیے گئے تھے ان کا بھی جواب دیا ہے۔

⚙️ متن کا سلیس اور عام فہم اردو ترجمہ کیا ہے۔

⚙️ ہر عقیدہ کی تشریح کو توضیح کی ہے۔

⚙️ ان عقائد کو مدلل کرنے کے لیے قرآن و حدیث سے دلائل کو ذکر کیا ہے۔

⚙️ بیشتر مقامات پر اکابرین و اسلاف امت کی تشریحات کو بھی ذکر کیا ہے۔

⚙️ بعض مقامات پر اہم اشکالات کا جواب بھی دیا ہے۔

⚙️ بعض تعارضات کو بھی حل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال رہی تو ان شاء اللہ اس سلسلے کو آگے بڑھایا جائے گا تاکہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مستند و معتبر متون امت کے سامنے آسکیں اور امت ان سے مستفید ہو سکے۔

قارئین سے گزارش ہے کہ اگر کوئی غلطی دیکھیں تو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی جاسکے۔

محتاج دعا

محمد ریاض سکھن

استنبول، ترکی

جمعۃ المبارک؛ 7- ربیع الثانی 1442ھ 12- نومبر 2021ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

نام، کنیت اور سلسلہ نسب:

آپ کا نام ”نعمان“ اور کنیت ”ابو حنیفہ“ ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے:  
نعمان بن ثابت بن نعمان بن البرزبان۔

(تاریخ بغداد: ج 11 ص 233، الخیرات الحسان لابن حجر المکی: ص 22)

امام صاحب کے دادا ”زوطی“ اور پڑدادا ”ماہ“ کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں لیکن مذکورہ سلسلہ نسب میں امام صاحب کے دادا اور پڑدادا کے مذکورہ اسماء (نعمان اور مرزبان) آپ کے پوتے امام اسماعیل بن حماد رحمۃ اللہ علیہما کے بیان کردہ ہیں۔ معلوم یوں ہوتا ہے کہ امام صاحب کے دادا کا اصل نام ”زوطی“ تھا، جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو ان کا نام بدل کر ”نعمان“ رکھ دیا گیا۔ اسی طرح ”ماہ“ اور ”مرزبان“ بھی بظاہر ہم معنی الفاظ معلوم ہوتے ہیں، ممکن ہے کہ یہ ایک ہی اسم ہو اور آپ کے پڑدادا کا لقب ہو، نام ان کا کچھ اور ہو جیسا کہ بعض مورخین نے یہی خیال ظاہر بھی کیا ہے۔ آپ کی کنیت ”ابو حنیفہ“ اور نام ”نعمان“ کے لطائف آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

خاندانی پس منظر:

آپ کے خاندان کا تعلق کس علاقے سے تھا؟ اس کے متعلق مورخین مختلف الآراء ہیں۔ بعض نے بابل، بعض نے ترمذ اور بعض نے کابل وغیرہ جیسے شہروں کے نام لیے ہیں۔ تاہم مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ آپ فارسی النسل ہیں اور ایک

آزاد خاندانی پس منظر رکھتے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ کا خاندان کبھی کسی زمانہ میں غلامی سے دوچار نہیں ہوا۔ امام صاحب کے پوتے اسماعیل بن حماد رحمہما اللہ کا بیان ہے:

أَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ حَمَّادِ بْنِ النُّعْمَانِ بْنِ ثَابِتِ بْنِ النُّعْمَانِ بْنِ الْمَرْزُبَانِ مِنْ أَهْلِ  
فَارِسِ الْأَحْزَارِ وَاللَّهُ! مَا وَقَعَ عَلَيْنَا رِقٌّ قَطُّ.

تاریخ بغداد: ج 11 ص 233

ترجمہ: میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں۔ ہمارا تعلق فارس کے آزاد لوگوں سے ہے۔ واللہ! ہم لوگ کبھی غلامی کا شکار نہیں ہوئے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان مشرف بہ اسلام ہوا تو شہر کوفہ میں آکر قیام پذیر ہوا۔ قبول اسلام کے بعد آپ کے خاندان کو بعض رشتہ داروں کی جانب سے پریشانی کا سامنا کرنا پڑا جس سے تنگ آکر انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا۔ نعمان (سابقہ نام زوطی) نقد اثاثہ لے کر مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ یہ دور خلیفہ رابع حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا دور تھا اور آپ رضی اللہ عنہ نے شہر کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا ہوا تھا۔ نعمان (زوطی) اپنے سفر ہجرت کے دوران کوفہ شہر پہنچے تو پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ آپ نے مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور کوفہ ہی میں مستقل سکونت اختیار کر کے کپڑے کی تجارت شروع کر دی۔

تاریخی روایات کے مطابق امام صاحب کے دادا نعمان بن مرزبان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فالودہ کا ہدیہ لے کر حاضر ہوئے تھے۔ امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد الخطیب البغدادی (ت 463ھ) رقمطراز ہیں:

وَالنُّعْمَانُ بْنُ الْمَرْزُبَانِ أَبُو ثَابِتٍ هُوَ الَّذِي أَهْدَى لِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ الْفَالُودَجَ فِي يَوْمِ النَّبَرِ فَقَالَ: تَوَرَّزْنَا كُلَّ يَوْمٍ.

تاریخ بغداد: ج 11 ص 233

ترجمہ: ثابت کے والد نعمان بن مرزبان ہی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں نوروز کے دن فالودہ ہدیہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ہمارا تو ہر دن نوروز ہے۔“

اور خود آپ کے والد ”ثابت“ بچپن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے برکت کی دعا کی۔ امام صاحب کے پوتے اسماعیل کا بیان ہے:

وُلِدَ جَدِّي فِي سَنَةِ ثَمَانِينَ وَذَهَبَ ثَابِتٌ إِلَى أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَهُوَ صَغِيرٌ فَقَدَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ فِيهِ وَفِي ذُرِّيَّتِهِ وَنَحْنُ نَزُجُّ مِنَ اللَّهِ أَنْ يَكُونَ قَدْ اسْتَجَابَ اللَّهُ ذَلِكَ لِأَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَفِينَا.

تاریخ بغداد: ج 11 ص 233، اخبار ابی حنیفہ للصیری: ص 2

ترجمہ: میرے دادا (امام ابو حنیفہ) سن 80 ہجری میں پیدا ہوئے۔ (میرے دادا کے والد) ثابت بچپن میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے برکت کی دعا کی۔ ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعا ہمارے حق میں قبول فرمائی ہے۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے گہرا تعلق رہا ہے۔ غالباً یہی تعلق ثابت اور ان کی اولاد کے لیے خصوصیت سے دعا کرنے کا سبب بنا۔

تاریخ ولادت:

امام صاحب کی ولادت سن 80 ہجری میں شہر کوفہ میں ہوئی۔

تاریخ بغداد: ج 11 ص 236، سیر اعلام النبلاء: ج 5 ص 531

## آپ کے مولد و مسکن کوفہ کا علمی مقام:

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جس دور میں آنکھ کھولی وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا درخشاں دور تھا۔ شہر ”کوفہ“ آپ کی جائے ولادت بنا جو مرکز علم و فن تھا۔ اس شہر کی بنیاد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم سے محرم الحرام سن 17 ہجری میں رکھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کی بڑی تعداد، مختلف اقوام اور اہل فن و حرمت سے اس شہر کو بسایا گیا۔ تابعی کبیر فقیہ العراق امام ابراہیم بن یزید بن قیس بن اسود النخعی (ت 96ھ) فرماتے ہیں:

هَبَطَ الْكُوفَةُ ثَلَاثُمِائَةٍ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ وَسَبْعُونَ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ.

الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ج 6 ص 4

ترجمہ: بیعت رضوان میں شریک تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ستر بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کوفہ میں سکونت پذیر ہوئے۔

امام احمد بن عبد اللہ بن صالح الجلی الکوفی (ت 261ھ) فرماتے ہیں:

نَزَلَ الْكُوفَةُ أَلْفٌ وَخَمْسُ مِائَةٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

تاریخ الثقات للعلی ص 517 باب فیمن نزل الکوفہ وغیرہا من الصحابة

ترجمہ: کوفہ میں پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آکر فروکش ہوئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس قدر کثیر تعداد میں آمد سے شہر کوفہ قرآن و سنت کے زمزموں سے گونج اٹھا۔ مزید براں خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس شہر کو دار الخلافہ بنانے اور دیگر کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد جید سلاطین علم حضرات تابعین کرام رحمہم اللہ کی آمد نے اس شہر کی اہمیت کو چار چاند لگا دیے۔ علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (ت 748ھ) لکھتے

ہیں:

الْكُوفَةُ نَزَلَهَا جَمَاعَةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ، كَابْنُ مَسْعُودٍ، وَعِمَارُ بْنُ يَاسِرٍ، وَعَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَخَلْقٌ مِنَ الصَّحَابَةِ ثُمَّ كَانَ يَهَامِنُ التَّابِعِينَ كَعَلْقَمَةَ، وَمَسْرُوقٍ، وَعَبِيدَةَ، وَالْأَسْوَدَ ثُمَّ الشَّعْبِيُّ، وَالنَّخَعِيُّ، وَالْحَكَمُ بْنُ عَتِيبَةَ، وَحَمَادٌ، وَأَبِي إِسْحَاقَ، وَمَنْصُورٌ، وَالْأَعْمَشُ، وَأَصْحَابُهُمْ.

الامصار ذوات الآثار للذهبي: ص 3

ترجمہ: شہر کوفہ میں حضرت ابن مسعود، حضرت عمار بن یاسر اور حضرت علی جیسے جلیل القدر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد آ کر قیام پذیر ہوئی۔ پھر تابعین میں علقمہ، مسروق، عبیدہ، اسود، شعبی، نخعی، حکم بن عتیبہ، حماد، ابواسحاق، منصور اور اعمش جیسے افراد بھی اس شہر کی زینت بنے۔

قراء سبعہ میں سے تین قراء کرام؛ قاری عاصم، قاری حمزہ اور قاری کسائی رحمہم اللہ شہر کوفہ میں قیام پذیر تھے۔

فقہ اہل العراق وحدیثہم للکوثری: ص 21

علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی (ت 676ھ) کوفہ کا تعارف

ان الفاظ میں کرواتے ہیں:

دَارُ الْفَضْلِ وَحَقْلُ الْفَضْلَاءِ.

شرح مسلم للنووی: ج 1 ص 185

ترجمہ: یہ شہر (کوفہ) فضیلت کا گھر اور فضلاء کا محل ہے۔

صحیح البخاری کے روایت میں تین سو سے زیادہ راوی کوفہ کے رہنے والے تھے۔ خود امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) شہر کوفہ کی اہمیت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

دَخَلْتُ إِلَى الشَّامِ وَمِصْرَ وَالْجَزِيرَةَ مَرَّتَيْنِ وَإِلَى الْبَصْرَةِ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ وَأَقَمْتُ

بِالْحِجَازِ سِتَّةَ أَغْوَامٍ وَلَا أُحْصِي كَمْ دَخَلْتُ إِلَى الْكُوفَةِ.

ہدی الساری لابن حجر: ص 670

ترجمہ: میں (طلبِ حدیث کے سلسلہ میں) شام، مصر اور جزیرہ دو مرتبہ گیا، چار مرتبہ بصرہ گیا، چھ سال تک حجاز میں مقیم رہا لیکن میں شمار نہیں کر سکتا کہ کوفہ کتنی بار گیا! کوفہ کے اس مختصر سے تعارف سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جائے ولادت اور مسکن وہ شہر بنا جو علوم اسلامیہ کا مرکز اور منبع رہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور سے لے کر شہر بغداد کے تعمیر ہونے تک وسعتِ علم اور کثرتِ حدیث میں بلادِ اسلامیہ میں امتیازی حیثیت کا حامل رہا۔

امام صاحب کے ابتدائی حالات:

آپ کے والد ماجد کا پیشہ ریشمی کپڑے کی تیاری اور تجارت کا تھا اس لیے آپ نے بھی یہی پیشہ اختیار کیا۔ آپ نے ریشم کا کارخانہ قائم کیا ہوا تھا جس کی آمدن کو اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر فقراء و مساکین پر بھی صرف فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں فرمایا۔ علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (ت 748ھ) آپ کے حالات میں لکھتے ہیں:

جَمَعَ الْفُقَهَاءَ وَالْعِبَادَةَ وَالْوُرَعَ وَالسَّخَاءَ وَكَانَ لَا يَقْبَلُ جَوَائِزَ الدَّوْلَةِ بَلْ يُنْفِقُ وَيُؤْتِي مَنْ كَسِبَهُ. لَهُ دَارٌ كَبِيرَةٌ لِعِبْلِ الْحَرْ، وَعِنْدَهُ صُنَاعٌ وَأَجْرَاءُ.

العبرنی خبر من غیر للذہبی: ج 1 ص 164

ترجمہ: امام صاحب کی شخصیت فقہ، عبادت، پرہیزگاری اور سخاوت جیسی صفات کی جامع تھی۔ اصحابِ سلطنت کے عطایا کو قبول نہیں فرماتے تھے بلکہ آپ اپنی کمائی سے دوسروں پر خرچ کرتے اور انہیں (خود پر) ترجیح دیتے تھے۔ ریشم بنانے کے لیے ایک



بڑا کارخانہ قائم کیا تھا جس میں کاریگر اور مزدور طبقہ کام کرتا تھا۔

## تحصیل علم کی ابتداء:

ابتداء میں امام صاحب چونکہ تجارت کے پیشے سے وابستہ تھے اس لیے بازاروں اور تاجروں کے پاس آمد و رفت رہتی تھی۔ امام ابو عمر عامر بن شراحیل الشبلی (ت 103ھ / 106ھ) کا گھر بازار کے قریب ہی تھا۔ مثل مشہور ”أَلَوْلَا يُعْرِفُ فِي الْمَهْدِ“ (کہ بچہ پنگھوڑے میں ہی پہچانا جاتا ہے) کے پیش نظر امام صاحب کے چہرہ پر علم و عمل کے آثار اور ذہانت و فطانت کے احوال نمایاں رہتے تھے۔ ایک دن آپ اپنے کسی تجارتی کام کے سلسلہ میں بازار سے گزر رہے تھے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ امام صاحب کو جاتے ہوئے دیکھ کر سمجھے کہ کوئی طالب علم جا رہا ہے۔ انہیں اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ آپ کس کے ہاں آتے جاتے ہیں؟ امام صاحب نے کسی تاجر کا نام لیا تو امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

لَمْ أَعْنِ الْإِخْتِلَافَ إِلَى السُّوقِ، عَنَيْتُ الْإِخْتِلَافَ إِلَى الْعُلَمَاءِ فَقُلْتُ: أَنَا قَلِيلٌ  
الْإِخْتِلَافِ إِلَيْهِمْ فَقَالَ: لَا تَفْعَلْ! وَعَلَيْكَ بِالنَّظَرِ فِي الْعِلْمِ وَمُجَالَسَةِ الْعُلَمَاءِ،  
فَإِنِّي أَرَى فِيكَ يَقْظَةً وَحَرَكَةً. قَالَ: فَوَقَعَ فِي قَلْبِي مِنْ قَوْلِهِ فَتَرَكْتُ الْإِخْتِلَافَ  
إِلَى السُّوقِ، وَأَخَذْتُ فِي الْعِلْمِ، فَتَنَفَعَنِي اللَّهُ بِقَوْلِهِ.

عقود الجمان للصالحی: ص 162، 163

ترجمہ: میرا پوچھنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ آپ بازار میں کس کے پاس آتے جاتے ہیں بلکہ میں یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ آپ علماء میں سے کس عالم کے پاس جاتے ہیں؟ امام صاحب نے جواب دیا کہ میں علماء کے پاس بہت کم جاتا ہوں۔ اس پر امام شعبی نے فرمایا: اس طرح غفلت کا شکار نہ ہوں بلکہ حصول علم پر توجہ دیں اور علماء کی صحبت کو لازم پکڑیں کیونکہ مجھے آپ میں بیدار مغزی اور قابلیت نظر آرہی ہے۔ امام صاحب

فرماتے ہیں کہ امام شعبی کی یہ بات میرے دل میں گھر کر گئی، لہذا میں نے بازار جانا چھوڑ دیا اور علم حاصل کرنے میں مشغول ہو گیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے مجھے امام شعبی کی بات سے نفع پہنچایا۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت کا گہرا اثر لیے امام صاحب تحصیل علم کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوئے اور اس میدان میں اس قدر محنت کی کہ اپنے معاصرین پر فائق نظر آئے۔ علامہ حافظ محمد بن یوسف صالحی الشافعی (ت 942ھ) فرماتے ہیں:

فَشَرَعَ حِينَئِذٍ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَفَاقَ فِيهِ أَقْرَانَهُ.

عقود الجمان للصالحی: ص 162

ترجمہ: امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت کے بعد آپ حصول علم میں ایسے مشغول ہوئے کہ اپنے ہم زمان لوگوں پر سبقت لے گئے۔

### تحصیل علم کلام:

آپ نے ابتداء میں علم الکلام والجدال حاصل کیا اور اس میں درجہ تبحر پر فائز ہوئے۔ اس فن کی بدولت آپ نے فرق باطلہ و اہل ہواء کے ساتھ مناظرے و مباحثے کیے اور اہل حق کی حقانیت کا لوہا منواتے رہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا بیان ہے:

كُنْتُ رَجُلًا أُعْطِيتُ جَدَلًا فِي الْكَلَامِ، فَمَضَى دَهْرٌ فِيهِ أَكْثَرُ دَدٍّ، وَبِهِ أَخَاصِمُ وَعَنْهُ أَنْاضِلُ، وَكَانَ أَصْحَابُ الْخُصُومَاتِ وَالْجَدَلِ أَكْثَرُهُمْ بِالْبَصَرَةِ، فَدَخَلْتُ الْبَصْرَةَ نِيفًا وَعَشْرِينَ مَرَّةً، مِنْهَا مَا أُقِيمُ سَنَةً وَأَقَلُّ وَأَكْثَرُ وَكُنْتُ قَدَنَازَ عُنْطَبَقَاتِ الْخَوَارِجِ مِنَ الْأَبَاضِيَّةِ وَالصَّفَرِيَّةِ وَغَيْرِهِمْ، وَطَبَقَاتِ الْحَشَوِيَّةِ.

مناقب الامام اعظم للملکی: ج 1 ص 59، 60

ترجمہ: میں ایک زمانہ تک علم الکلام میں مشغول رہا ہوں اور ایک مدت تک اس قسم

کے لوگوں سے مناظرے کیے ہیں حتیٰ کہ بیس سے زائد دفعہ بصرہ جانے کا اتفاق ہوا جو اس وقت اصحابِ خصوصیات و جدل کا مرکز تھا۔ مجھے وہاں ہر مرتبہ کبھی سال بھر، کبھی کم اور کبھی زیادہ قیام کرنے کا اتفاق ہوا۔ میں وہاں خوارج کے گروہوں مثلاً اباضیہ، صفویہ اور حشویہ کے فرقوں سے مناظرے کرتا تھا۔

اس دور میں بلادِ عجم ذات و صفات باری تعالیٰ کے متعلق بحث و تحقیق کے سلسلہ میں معروف تھے۔ اسلام جب عرب سے نکل کر دیگر عجمی علاقوں میں پھیلا تو تہذیب و تمدن اور افکار و فہم کے تفاوت کے سبب لوگ اعتقادات میں وقتِ نظر سے کام لینے لگے۔ یوں آہستہ آہستہ اعتقادی اسباحث کا دروازہ کھلنا شروع ہو گیا اور فرقہ ہائے باطلہ مثلاً روافض، خوارج، معتزلہ، جہمیہ وغیرہ نے اعتقاداتِ حقہ کو ٹھیس پہنچانا شروع کی۔ اکابرینِ اہل حق ان کے جوابات کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت ان فرقوں کے جوابات دینے کے لیے دینی علوم کے ساتھ ساتھ ذہانت، ذکاوت اور بلندیِ فکر درکار تھی۔ قدرتِ حق نے یہ صلاحیتیں امام صاحب میں ودیعت فرمادی تھیں۔ یوں خداداد صلاحیت کے ساتھ ساتھ اس وقت کے ماحول نے امام صاحب کو علم الکلام کا مرجع بنادیا اور فقہائے کرام میں آپ کا شمار اس فن کے اول متکلم کے طور پر ہونے لگا۔

امام ابو منصور عبد القاہر بن طاہر التیمی البغدادی (ت 429ھ) لکھتے ہیں:

وَأَوَّلُ مُتَكَلِّمِيهِمْ مِنَ الْفُقَهَاءِ وَأَرْبَابِ الْمَذَاهِبِ أَبُو حَنِيفَةَ وَالشَّافِعِيُّ فَإِنَّ أَبَا حَنِيفَةَ لَهُ كِتَابٌ فِي الرَّدِّ عَلَى الْقَدَرِيَّةِ سَمَّاهُ "كِتَابُ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ".

کتاب اصول الدین: ص 308

ترجمہ: فقہاء اور اربابِ مذاہب میں سب سے پہلے متکلم، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی ہیں کیونکہ امام ابو حنیفہ کی قدریہ کے رد میں ایک کتاب ہے جس کا نام انہوں نے "الفقہ

الاکبر“ رکھا۔

## فقہ کی طرف توجہ:

تحصیل علم کے ابتدائی دور میں امام صاحب کی توجہ زیادہ تر علم الکلام کی طرف رہی۔ بعد میں آپ نے علم الکلام چھوڑ کر امام حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی اختیار کر لی اور ان کے حلقہ درس میں شریک ہوئے۔ امام زفر بن ہذیل العنبری (ت 158ھ) نقل کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”شروع میں میری توجہ علم الکلام کی طرف زیادہ رہی اور میں اس میدان میں اس درجہ پر پہنچ گیا تھا کہ لوگ انگلیوں سے میری طرف اشارہ کرنے لگے۔ ہم لوگ امام حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس کے قریب بیٹھتے تھے۔ ایک دن ایک خاتون آئی اور مسئلہ پوچھنے لگی کہ ایک شخص کے نکاح میں ایسی عورت ہے جو باندی ہے۔ اب وہ شخص اسے طلاق سنت دینا چاہتا ہے تو کیسے دے؟ میں نے اسے کہا کہ امام حماد سے جا کر پوچھ لو، پھر جو جواب وہ ارشاد فرمائیں وہ مجھے بھی بتلاتی جانا! اس نے جا کر مسئلہ پوچھا تو امام حماد نے فرمایا: اس عورت کا خاوند اسے ایسے طہر میں ایک طلاق دے دے جس میں اس سے صحبت نہ کی ہو۔ پھر وہ عورت دو حیض عدت گزارے۔ جب وہ دو حیض سے فارغ ہو کر نہالے گی تو اس کے نکاح سے نکل جائے گی اور اگر دوسری جگہ نکاح کرنا چاہے تو کر سکے گی۔ اس عورت نے واپسی پر مجھے بھی یہ مسئلہ بتایا۔ تو میں نے کہا کہ اب مجھے علم الکلام کی ضرورت نہیں۔ یہ کہا، اپنے جوتے اٹھائے اور امام حماد رحمہ اللہ کے درس میں شامل ہو گیا۔ پھر میرا معمول یہ ہو گیا کہ جو مسائل سنتا انہیں یاد کر لیتا اور دوسرے دن دہر لیتا۔ جب امام حماد وہ مسائل سنتے تو مجھے یاد ہوتے اور باقی ساتھیوں کو یاد نہ ہوتے۔ تو امام حماد نے مجھے حلقہ درس میں اپنے

سامنے بیٹھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ یوں امام حماد کے حلقہ درس میں اٹھارہ برس رہا اور ان کی وفات تک ان سے جدا نہیں ہوا۔

مناقب الامام الاعظم للمصنف: ج 1 ص 54، 55

### شرفِ تابعیت:

امام صاحب کی پیدائش جس زمانہ میں ہوئی اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایک جماعت بقید حیات تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہوا کہ آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت اور ان سے روایت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

آپ کے تابعی ہونے پر ائمہ کرام کی چند تصریحات ملاحظہ ہوں:

[1]: مورخ علامہ ابو الفرج محمد بن اسحاق المعروف بابن ندیم (ت 385ھ) لکھتے ہیں:

وَكَانَ مِنَ التَّابِعِينَ لِقِيِّ عِدَّةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ.

الفہرست لابن ندیم: ص 342

ترجمہ: امام ابو حنیفہ تابعین میں سے تھے، آپ نے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی ہے۔

[2]: امام ابو عمر یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر القرطبی المالکی (ت 463ھ) فرماتے ہیں:

ذَكَرَ مُحَمَّدُ بْنُ سَعْدٍ كَاتِبُ الْوَأَقْدِي أَنْ أَبَا حَنِيفَةَ رَأَى أُنْسَ بْنَ مَالِكٍ، وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا.

جامع بیان العلم وفضله: ص 54

ترجمہ: محمد بن سعد جو امام واقدی کے کاتب ہیں، فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت انس اور حضرت عبد اللہ بن الحارث بن جزء رضی اللہ عنہما کو دیکھا ہے۔

[3]: علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (ت 748ھ) لکھتے ہیں:

وَلَدَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَأَرْضَاهُ.... فِي سَنَةِ ثَمَانِينَ فِي خِلَافَةِ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَرْوَانَ بِالْكُوفَةِ وَذَلِكَ فِي حَيَاةِ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَكَانَ مِنَ التَّابِعِينَ لَهُمْ إِنْ شَاءَ اللَّهُ بِإِحْسَانٍ فَإِنَّهُ صَحَّ أَنَّهُ رَأَى أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِذْ قَدِمَهَا أَنَسُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ للذہبی: ص 9، 10

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سن 80 ہجری میں عبد الملک بن مروان کے زمانہ خلافت میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت باحیات تھی۔ امام ابو حنیفہ - ان شاء اللہ - صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (کی زیارت کی وجہ سے ان) کے تابعین میں شامل ہیں کیونکہ یہ بات صحیح (اور ثابت) ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ جب کوفہ تشریف لائے تھے تو امام صاحب نے ان کی زیارت کی تھی۔

[4]: امام ابو زکریا یحییٰ بن ابراہیم بن احمد الازدی (ت 550ھ) لکھتے ہیں:

فَأَبُو حَنِيفَةَ أَذْرَكَ الصَّحَابَةَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ - فَهُوَ مِنَ التَّابِعِينَ.

منازل الانعم الاربعہ: ص 35

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی ہے، اس لیے آپ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔

[5]: علامہ حافظ محمد بن یوسف صالحی الشافعی (ت 942ھ) فرماتے ہیں:

إِعْلَمْ - رَحِمَكَ اللَّهُ تَعَالَى - أَنَّ الْإِمَامَ أَبَا حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ مِنَ التَّابِعِينَ وَصَحَّ كَمَا قَالَ الْخَافِظُ الثَّقَلِيُّ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الدَّهْلِيُّ أَنَّهُ رَأَى أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَهُوَ صَغِيرٌ.

عقود الجمان للصالحی: ص 70

ترجمہ: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، یہ بات جان لیجیے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعین میں سے ہیں اور جیسا کہ حافظ ناقد امام ابو عبد اللہ ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ بات صحیح (اور ثابت) ہے کہ امام صاحب نے بچپن میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے۔

علماء کی تصریحات کے مطابق امام صاحب کے زمانہ میں اکیس صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے۔

اتحاف الاکابر بحوالہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تابعیت ص 18 و 57  
اور علامہ حسن سنہجلی رحمہ اللہ نے اس فہرست کے علاوہ نو صحابہ رضی اللہ عنہم مزید گنوائے ہیں۔

تنسیق النظام ص 10، 9

امام صاحب نے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی ہے ہمیں ان میں سے درج ذیل کے اسمائے گرامی میسر ہوئے ہیں:

- 1: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ
- 2: حضرت عبد اللہ بن الحارث بن جَزْء الزُّبَیْدِی رضی اللہ عنہ
- 3: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی الاسلمی رضی اللہ عنہ
- 4: حضرت عبد اللہ بن اُنَیس رضی اللہ عنہ
- 5: حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ
- 6: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ
- 7: عبد اللہ بن ابی حبیبہ رضی اللہ عنہ
- 8: حضرت عائشہ بنت عجر در رضی اللہ عنہا

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بشارت نبوی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ سورت الجمعۃ کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

وَاٰخِرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ

کہ یہ رسول ان لوگوں کے پاس بھی بھیجے گئے ہیں جو ان مسلمانوں سے ابھی تک نہیں ملے!

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس سے مراد کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہیں دیا یہاں تک کہ میں نے تین بار یہی سوال کیا۔ اس وقت ہماری مجلس میں حضرت سلمان فارسی بھی موجود تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا:

لَوْ كَانَ الْإِيْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهُ رِجَالٌ أَوْ رَجُلٌ مِّنْ هَؤُلَاءِ

صحیح البخاری: رقم الحدیث 4897

اگر ایمان ثریا ستارے تک بھی پہنچ جائے تو فارس کے کچھ لوگ اسے وہاں سے بھی حاصل کر لیں گے یا یوں فرمایا کہ ان میں سے ایک آدمی اسے وہاں سے حاصل کر لے گا۔

بعض روایات میں ”دین“ اور بعض میں ”علم“ کے الفاظ بھی منقول ہیں۔

دیکھیے بالترتیب صحیح مسلم: رقم الحدیث 2546، حلیۃ الاولیاء: ج 6 ص 64

علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی الشافعی (ت 911ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ بَشَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِلَإِمَامٍ أَيْ حَنِيفَةٍ فِي الْحَدِيثِ.

تبذیر الصغیر ص 59، 60



ترجمہ: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بشارت دی ہے اس کا مصداق حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔

امام اعظم اور علم حدیث:

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب تحصیل علم کی ابتدا کی تو علم حدیث کے حصول میں بھی مشغول ہو گئے۔ ”کوفہ“ جو اس وقت علوم اسلامیہ کا مرکز تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد کا مسکن بھی؛ علم حدیث میں اپنی مثال آپ تھا۔ گزشتہ سطور میں گزرا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے سلاطین فن طلب حدیث کے سلسلہ میں بے شمار مرتبہ کوفہ کا سفر کر چکے تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے شہر کے محدثین سے حدیث کو حاصل کیا اور اس کے علاوہ دیگر بلاد اسلامیہ کا بھی سفر کیا اور مشائخ حدیث سے استفادہ کیا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر معروف محدث امام مسعر بن کدام (ت 1543ھ) فرماتے ہیں:

طَلَبْتُ مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ الْحَدِيثَ فَغَلَبْنَا، وَأَخَذْنَا فِي الزُّهْدِ فَبَرَعَ عَلَيْنَا وَطَلَبْنَا مَعَهُ الْفِقْهَ فَجَاءَ مِنْهُ مَا تَرَوْنَ.

مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ للذہبی: ص 38

ترجمہ: میں نے امام ابو حنیفہ کے ساتھ علم حدیث حاصل کرنا شروع کیا تو وہ ہم پر غالب آئے۔ پھر جب ہم زہد و تقویٰ میں مشغول ہوئے تو وہ پھر بھی ہم پر غالب رہے۔ پھر ہم نے ان کے ساتھ فقہ حاصل کرنا شروع کی تو فقہ میں بھی ان کی فوقیت آپ کے سامنے ہے۔

علم حدیث میں اس درجہ انہماک اور استنباط مسائل میں قرآن و سنت سے اعتناء آپ کے زمرہ محدثین میں شامل ہونے کی دلیل ہے۔ ذیل میں چند تصریحات

پیش کی جاتی ہیں جن سے امام صاحب کی حدیث میں وسعتِ اطلاع، وفور علم اور جلالتِ شان معلوم ہوگی۔

1: امام ابو عبد اللہ الصیمری رحمہ اللہ اور امام موفق بن احمد المکی رحمہ اللہ نے اپنی سند سے امام حسن بن صالح سے روایت کیا ہے:

كَانَ أَبُو حَنِيفَةَ شَدِيدَ الْفَحْصِ عَنِ النَّاسِخِ مِنَ الْحَدِيثِ وَالْمَنْسُوخِ وَيَعْمَلُ بِالْحَدِيثِ إِذَا ثَبَتَ عِنْدَهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْ أَصْحَابِهِ وَكَانَ عَارِفًا بِحَدِيثِ أَهْلِ الْكُوفَةِ ... كَانَ حَافِظًا لِفِعْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَخِيرِ.

اخبار ابی حنیفہ للصیمری ص 11، مناقب موفق المکی: ج 1 ص 89 ص 90

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نسخ منسوخ احادیث کی پہچان میں بہت مہارت رکھتے تھے، حدیث جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے اصحاب سے ثابت ہو تو اس پر عمل کرتے تھے اور اہل کوفہ (جو اس وقت حدیث کا مرکز تھا) کی احادیث کے عارف تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل کو خوب یاد رکھنے والے تھے۔

2: امام موفق بن احمد المکی رحمہ اللہ سند صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَرَمَّا وَجَدْتُ الْحَدِيثَيْنِ أَوْ الثَّلَاثَةَ فَأَتَيْتُهُ بِهَا فَرَمَّا مَا يَقْبَلُهُ وَمِنْهَا مَا يَرُدُّهُ فَيَقُولُ: هَذَا لَيْسَ بِصَحِيحٍ أَوْ لَيْسَ بِمَعْرُوفٍ فَأَقُولُ لَهُ: وَمَا عَلَيْكَ بِذَلِكَ؟ فَيَقُولُ: أَنَا أَعْلَمُ بِعِلْمِ أَهْلِ الْكُوفَةِ.

مناقب الموفق ج 2 ص 151 ص 152، مناقب لکھنؤی ج 2 ص 103

ترجمہ: (امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی تقویت میں) کبھی مجھے دو احادیث ملتی ہیں اور کبھی تین۔ میں انہیں امام صاحب کے پاس لاتا تو آپ بعض کو قبول کرتے بعض کو نہیں، اور فرماتے کہ یہ حدیث صحیح نہیں یا معروف نہیں، تو میں عرض کرتا: حضرت

آپ کو کیسے پتہ چلا؟ فرماتے کہ میں اہل کوفہ کے علم کو جانتا ہوں۔

3: امام یحییٰ بن نصر بن حجاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

عِنْدِي صَدَائِقُ مِنَ الْحَدِيثِ وَمَا أَخْرَجْتُ مِنْهَا إِلَّا الْيَسِيرَ الَّذِي يُنْتَفَعُ بِهِ.

مناقب الامام الاعظم للمصنف: ج 1 ص 95 ص 96

ترجمہ: میرے پاس احادیث مبارکہ سے بھری ہوئی صندوقیں ہیں۔ میں ان سے وہ بیان کرتا ہوں جن سے (عوام) کو نفع ہو۔

4: امام محمد بن سماع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام تصانیف میں ستر ہزار سے کچھ اوپر احادیث ذکر کی ہیں اور اپنی کتاب الآثار چالیس ہزار احادیث سے انتخاب کر کے لکھی ہے۔

مناقب کردری ج 1 ص 151، ذیل الجواہر المصنئیہ للعلی القاری ج 2 ص 474

آپ کی کتب آثار اور مسانید آپ کی فن حدیث میں جلالتِ شان پر شاہد عدل ہیں۔ حال ہی میں شیخ مولانا طیف الرحمن بھرائی نجی القاسمی دامت برکاتہم نے امام صاحب کی مرویات پہ مشتمل کتاب ”الموسوعة الحديثية لمرويات الامام ابي حنيفة“ تالیف کی ہے جو بیس ضخیم جلدوں میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے محدثِ عظیم ہونے کی واضح دلیل ہے۔

امام اعظم کی ثقاہت:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی امامت، عدالت، ثقاہت مسلم و متواتر ہے۔

اللمع فی اصول الفقہ: ص 77، رسوم التحدیث فی علوم الحدیث: ص 100، وغیرہ

اس لیے اصولاً آپ رحمہ اللہ محتاجِ توثیق نہیں، تاہم بطورِ فائدہ و اتمامِ حجت

چند محدثین کے توثیقی اقوال پیش کیے جاتے ہیں:

1: امام الجرح والتعديل امام شعبہ بن الحجاج (ت 160ھ)

امام شہابہ بن سوار (ت 204ھ) فرماتے ہیں:

كَانَ شُعْبَةُ حَسَنَ الرَّأْيِ فِي أَبِي حَنِيفَةَ.

جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر: ج 2 ص 144

ترجمہ: امام شعبہ؛ امام ابو حنیفہ کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔

2: امام الحدیث امام علی بن المدینی (ت 204ھ) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا تذکرہ

ان الفاظ میں کرتے ہیں:

أَبُو حَنِيفَةَ رَأَى عَنْهُ الثَّوْرِيَّ، وَابْنَ الْمُبَارَكِ، وَحَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، وَهَشِيمٌ، وَوَكَيْعٌ  
بْنُ الْجَرَّاحِ، وَعَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ، وَجَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ، وَهُوَ ثِقَةٌ لَا بَأْسَ بِهِ.

جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر: ج 2 ص 144

ترجمہ: امام ابو حنیفہ سے امام سفیان ثوری، امام عبد اللہ بن مبارک، امام حماد بن زید، امام ہشیم، امام وکیع بن جراح، امام عباد بن عوام اور امام جعفر بن عون (وغیرہ) نے روایت کی ہے۔ امام ابو حنیفہ ثقہ تھے، آپ میں (کسی اعتبار سے) کوئی خرابی نہیں ہے۔

3: امام الجرح والتعديل امام یحییٰ بن معین (ت 233ھ) فرماتے ہیں:

كَانَ أَبُو حَنِيفَةَ ثِقَةً لَا يُجَدِّثُ بِالْحَدِيثِ إِلَّا مَا يَحْفَظُ، وَلَا يُجَدِّثُ بِمَا لَا يَحْفَظُ.

تاریخ بغداد للخطیب: ج 11 ص 295

ترجمہ: امام ابو حنیفہ ثقہ تھے۔ آپ وہی حدیث بیان کرتے جو آپ کو (اچھی طرح) یاد ہوتی تھی۔ جو حدیث آپ کو (اچھی طرح) یاد نہ ہوتی اسے بیان نہیں فرماتے تھے۔

امام اعظم اہل علم کی نظر میں:

اسلاف و اکابرین امت نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں

کئی تعریفی کلمات ارشاد فرمائے ہیں جو آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عند الناس مقبولیت کا واضح

ثبوت ہیں۔

چند اکابر کے کلمات کو نقل کیا جاتا ہے۔

[1]: امام معمر بن راشد الازدی البصری (ت 153ھ) فرماتے ہیں:

مَا أَعْرِفُ رَجُلًا يُحْسِنُ يَتَكَلَّمُ فِي الْفِقْهِ أَوْ يَسْعُهُ أَوْ يَقْبِسُ وَيَشْرَحُ لِمَخْلُوقٍ  
النَّجَاحَةَ فِي الْفِقْهِ أَحْسَنَ مَعْرِفَةً مِنْ أَبِي حَنِيفَةَ، وَلَا أَشْفَقَ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ أَنْ  
يُدْخَلَ فِي دِينِ اللَّهِ شَيْئًا مِنَ الشَّكِّ مِنْ أَبِي حَنِيفَةَ.

تاریخ بغداد: ج 11 ص 242

ترجمہ: مجھے امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر فقہ کا ماہر کوئی شخص نظر نہیں آتا جو مخلوق خدا کے لیے فقہ و قیاس کے ذریعہ راہ نجات بتانے والا ہو۔ نیز میں نے امام ابو حنیفہ سے زیادہ محتاط بھی کسی شخص کو نہیں دیکھا جو خدا کے دین میں شک کی کوئی چیز داخل کر کے اپنے نفس کے لیے وبال تیار کرنے پر آمادہ نہ ہو۔

[2]: امام مالک بن انس المدنی (ت 179ھ) آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ رَجُلًا لَوْ كَلَّمَكُ فِي هَذِهِ السَّارِيَةِ أَنْ يَجْعَلَهَا ذَهَبًا لَقَامَ مُحِبِّتِهِ.

تاریخ بغداد: ج 11 ص 241

ترجمہ: میں نے ایسے شخص کو دیکھا ہے کہ اگر وہ اس کٹڑی کے ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہے تو دلائل کی قوت سے اسے ثابت کر سکتا ہے۔

[3]: امام جرح و تعدیل امام یحییٰ بن سعید القطان (ت 198ھ) فرماتے ہیں:

لَا نَكْذِبُ اللَّهَ! مَا سَمِعْنَا أَحْسَنَ مِنْ رَأْيِ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَدْ أَخَذْنَا بِأَكْثَرِ أَقْوَالِهِ.

تاریخ بغداد: ج 11 ص 246

ترجمہ: ہم اللہ پر جھوٹ نہیں بولتے! ہم نے امام ابو حنیفہ کی رائے سے بہتر رائے کسی کی نہیں سنی اور ہم نے ان کے اکثر اقوال لیے ہیں۔

[4]: امام محمد بن ادریس الشافعی (ت 204ھ) فرماتے ہیں:

النَّاسُ عِيَالٌ عَلَى أَبِي حَنِيفَةَ فِي الْفَقْهِ.

تاریخ بغداد: ج 11 ص 246

ترجمہ: لوگ میدانِ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے خوشہ چیں ہیں۔

[5]: امام احمد بن محمد بن حنبل (ت 241ھ) کے بارے میں منقول ہے:

وَكَانَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ إِذَا ذُكِرَ ذَلِكَ بَكَى وَتَرْتَّمْ عَلَى أَبِي حَنِيفَةَ وَذَلِكَ بَعْدَ أَنْ ضَرَبَ أَحْمَدُ.

تاریخ بغداد: ج 11 ص 234

ترجمہ: امام احمد بن حنبل جب امام ابو حنیفہ کی سزا کو یاد کرتے تو روتے تھے اور ان کے لیے رحمت کی دعا کرتے تھے کیونکہ امام احمد بن حنبل کو بھی سزا سے واسطہ پڑا تھا۔

اساتذہ و مشائخ عظام:

کسی بھی شخصیت کے علمی مقام و مرتبہ اور وسعتِ معلومات کا پتا اس کے اساتذہ و مشائخ سے چلتا ہے۔ طالب علم کو کسی مقام و مرتبہ پر پہنچنے میں جہاں اس کی اپنی صلاحیت کو دخل ہے وہیں اس کے اساتذہ کی خصوصی توجہ، محنت اور شفقتوں کو بھی ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔

امام صاحب کا علمی رسوخ اور فقہ و حدیث میں اعلیٰ مقام ان کے اساتذہ کی خصوصی توجہات کا مرہونِ منت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے جبالِ علم اور سلاطینِ فن اساتذہ سے نوازا تھا جو اپنے زمانہ میں بے مثل و مشہور تھے۔

امام صاحب کا کوفہ کے اساتذہ فن اور مشائخِ فقہ و حدیث سے علم حاصل کرنا تو واضح ہے لیکن ان کے علاوہ بھی آپ نے دیگر شہروں کے اسفار کیے اور وہاں کے شیوخ سے علم حاصل کیا ہے۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد ابن حجر الہیثمی المکی (ت 974ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ ذَكَرَ مِنْهُمْ الْإِمَامُ أَبُو حَفْصٍ الْكَبِيرُ أَرْبَعَةَ آلَافٍ شَيْخٍ.

الخیرات الحسان: 26

ترجمہ: امام ابو حفص کبیر نے امام صاحب کے اساتذہ میں سے چار ہزار اساتذہ کا ذکر کیا ہے۔

چند معروف و مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں:

حضرت انس بن مالک، حضرت عبد اللہ بن الحارث بن جَزْءُ الزُّبَیْدِی، حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی الاسلمی، حضرت عبد اللہ بن اُمّیس، حضرت واثلہ بن الاسقع، حضرت جابر بن عبد اللہ، عبد اللہ بن ابی حبیہ، حضرت عائشہ بنت عجر رضی اللہ عنہم، امام حماد بن ابی سلیمان، امام ابو عمرو عامر بن شراحیل الشَّعْبِی، امام عطاء بن ابی رباح المکی، امام علقمہ بن مرثد، امام الحکم بن عتیبہ، امام ابو جعفر محمد بن علی، امام سعید بن مسروق الثوری، امام عدی بن ثابت الانصاری، امام ابوسفیان السعدی، امام ہشام بن عروہ، امام قتادہ بن دعامہ بصری، امام محمد بن مسلم ابن شہاب الزہری، امام نافع مولیٰ بن عمر، امام عکرمہ مولیٰ ابن عباس، امام جبلة بن سحیم، امام عدی بن ثابت، امام عبد الرحمن بن ہرمل الاعرج، امام ابواسحاق سبیعی وغیرہ۔

سلسلہ درس و تدریس:

امام حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال سن 120 ہجری میں ہوا تو ان کی مسند کی جانشینی کا معاملہ زیر بحث آیا۔ تلامذہ نے ان کے بیٹے کو مسند پر بٹھایا لیکن چونکہ ان پر علم نحو اور ادب کا غلبہ تھا اس لیے وہ اس مسند کا حق ادا نہ کر سکے اور جلد ہی مسند کی ذمہ داری سے دستبردار ہو گئے۔ اس کے بعد امام حماد کے دوسرے شاگرد امام موسیٰ بن ابی کثیر رحمۃ اللہ علیہ کو مسند کی ذمہ داری سونپی گئی۔ ان کی قدر و منزلت

لوگوں کے دلوں میں تھی لیکن وہ فقہ میں اس قدر ماہر نہ تھے۔ پھر جب وہ بھی حج پر چلے گئے تو مسند پھر سے خالی ہو گئی۔ آخر کار تلامذہ کی نظریں اب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر پڑیں کہ آپ ہی وہ شخصیت ہیں جو دوسروں کی نسبت استاذ کے علوم سے زیادہ شناسا ہونے کے ساتھ ساتھ رسوخ فی العلم کے درجہ پر فائز ہیں۔ آپ سے مطالبہ کیا گیا تو آپ نے بسر و چشم قبول کیا۔ یوں آپ اپنے استاذ کی مسند کے جانشین قرار پائے اور بڑی عمدگی سے اس ذمہ داری کو نبھایا۔

مناقب الامام الاعظم للمصنف: ج 1 ص 65، عقود الجمان للصالحی: ص 171

آپ کے حلقہ درس میں مختلف ممالک اور شہروں کے لوگ شریک ہوتے تھے۔ امام محمد بن یوسف صالحي الشافعي (ت 942ھ) نے جن ملکوں اور شہروں کی فہرست دی ہے ان میں سے چند معروف نام یہ ہیں:

مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، کوفہ، بصرہ، واسط، موصل، جزیرہ، رَقَد، نصیبین، دمشق، رَمْلہ، مصر، یمن، یمامہ، بحرین، بغداد، حُلوان، رے، طبرستان، نیشاپور، جرجان، بخارا، سمرقند، ترمذ، بلخ، ہرات، سجستان، خوارزم وغیرہ۔

عقود الجمان للصالحی: ص 88، 89

تلامذہ امام ابی حنیفہ رحمہ اللہ:

جیسا کہ ابھی مذکور ہوا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں قرب و بعد کے تلامذہ شریک ہوتے تھے اس لیے ان کی تعداد کا احصاء ناممکن ہے۔ علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (ت 748ھ) لکھتے ہیں:

وَرَوَى عَنْهُ مِنَ الْمُحَدِّثِينَ وَالْفُقَهَاءِ عِدَّةٌ لَا يُحْصَوْنَ.

مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ للذہبی: ص 15

ترجمہ: امام ابو حنیفہ سے اتنی کثیر تعداد میں محدثین اور فقہاء نے روایت لی (علم حاصل



کیا) کہ جن کا شمار کرنا ممکن نہیں ہے۔

چند معروف تلامذہ کے اسماء ذکر کیے جاتے ہیں:

امام زفر بن ہذیل، امام ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم القاضی، امام حماد بن ابی حنیفہ (امام صاحب کے صاحبزادے)، امام حسن بن زیادہ اللؤلؤی، امام محمد بن الحسن الشیبانی، امام ابو مطیع حکم بن عبد اللہ البلخی، امام ابیض بن الاغر المقری، امام اسباط بن محمد القرشی، امام جارود بن یزید النیسابوری، امام جعفر بن عون، امام سلم بن سالم البلخی، امام عبد اللہ بن مبارک، امام ابو یحییٰ عبد الحمید بن عبد الرحمن الحمائی، امام عبد الرزاق بن ہمام صاحب المصنف، امام ابو عاصم النبیل، امام سلیمان بن عمرو النخعی، امام سہل بن مزاحم، امام شعیب بن اسحاق الدمشقی، امام عائد بن حبیب، امام عبد العزیز بن خالد الترمذی، امام عبد الکریم بن محمد الجرجانی، امام علی بن مسہر القاضی، امام عیسیٰ بن یونس، امام محمد بن مسروق الکونی، امام مکی بن ابراہیم البلخی، امام وکیع بن الجراح، یحییٰ بن ایوب المصری، امام ابراہیم بن طہمان، امام حمزہ بن حبیب الزیاتی، امام ابو یحییٰ الحمائی، امام عیسیٰ بن یونس، امام یزید بن زریع، امام اسد بن عمرو البجلی، امام خارجہ بن مصعب، امام ابو عصمہ نوح بن ابی مریم، امام ابو عبد الرحمن المقری وغیرہ رحمہم اللہ۔

تدوین فقہ اسلامی:

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا اڑھائی سالہ دور حکومت دیکھا۔ اس کے بعد جب یزید بن عبد الملک تخت نشین ہوا تو اس نے کہا کہ عمر بن عبد العزیز فریب خوردہ شخص تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے عمال کو حکم جاری کیا کہ آج سے تین سال پہلے کی جو حالت تھی دوبارہ وہی حالات پیدا کیے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہوا بھی اور لوگ دوبارہ اسی ابترا کا شکار ہو گئے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ

علیہ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو آپ دو بنیادی کاموں کی طرف متوجہ ہو گئے جن سے اسلامی ریاست قائم کی جاسکتی تھی۔ وہ دو بنیادی کام یہ تھے:

1: قانون سازی

2: افراد سازی

شریعت کو قانون کی شکل دینے کے لیے پرائیویٹ سطح پر ایک ادارہ قائم کیا جس میں مختلف علوم و فنون کے ماہرین بٹھائے اور باہمی مباحثے کرائے۔ محتاط اندازے کے مطابق تقریباً 83 ہزار دفعات پر مشتمل عملی قوانین مرتب فرمائے۔ یوں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قانون سازی فرمائی۔ فقہ اسلامی کے پہلے مدون امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں۔

علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی (ت 911ھ) لکھتے ہیں:

مِنْ مَنَاقِبِ أَبِي حَنِيفَةَ النَّبِيِّ انْفَرَدَ بِهَا أَنَّهُ أَوَّلَ مَنْ دَوَّنَ عِلْمَ الشَّرِيعَةِ وَرَتَّبَهُ أَبُو آبَا ثُمَّ تَابَعَهُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ فِي تَرْتِيبِ الْمُوَظَّاتِ وَلَمْ يَسْبِقْ أَبَا حَنِيفَةَ أَحَدٌ. لِأَنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَالتَّابِعِينَ لَمْ يَضَعُوا فِي عِلْمِ الشَّرِيعَةِ أَبُو آبَا مُبَوَّبَةً وَلَا كُتُبًا مَرْتَبَةً وَإِنَّمَا كَانُوا يَعْتَمِدُونَ عَلَى قُوَّةِ حِفْظِهِمْ فَلَبَّأَ رَأَى أَبُو حَنِيفَةَ الْعِلْمَ مُنْتَشِرًا وَخَافَ عَلَيْهِ الضِّيَاعَ دَوَّنَهُ فَجَعَلَهُ أَبُو آبَا.

تبئض الصحيفة للسيوطي: ص 138

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے خصوصی مناقب میں سے ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے آپ نے علم شریعت کی تدوین کی ہے اور ابواب میں اسے مرتب فرمایا ہے، پھر امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے موطا میں آپ کی پیروی کی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا کیونکہ صحابہ کرام و تابعین حضرات نے علوم شریعت میں ابواب اور کتابوں کی ترتیب کا کوئی اہتمام نہ فرمایا تھا بلکہ وہ اپنے حافظہ پر

اعتماد کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے جب علم کو منتشر دیکھا اور اس کے ضائع ہونے کا خطرہ محسوس کیا تو ابواب کی طرز پر مدون کر دیا۔

تدوین کے اس عظیم کام کو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تنہا اپنی ذات پہ موقوف نہ رکھا بلکہ اس کے لیے مستقل چالیس رکنی کمیٹی تشکیل دی جس میں ماہرین فن کو شامل کیا۔ اسی وجہ سے فقہ حنفی ایک ”جامع فقہ“ کہلاتی ہے۔

حلیہ و اوصاف جمیلہ:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و عمل کی خوبصورتی کے ساتھ ساتھ ظاہری شکل و صورت کے حسن سے بھی نوازا تھا۔ امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب القاضی (ت 182ھ) آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

كَانَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ رُبْعَةً مِنَ الرِّجَالِ، لَيْسَ بِالْقَصِيرِ وَلَا بِالطَّوِيلِ وَكَانَ أَحْسَنَ النَّاسِ مَنْطِقًا، وَأَحْلَاهُمْ نِعْمَةً، حَسَنَ الْوَجْهِ، حَسَنَ الثِّيَابِ، طَيِّبَ الرَّائِحَةِ، سَرِيعًا إِلَى مَوْاسَاةِ الْأَحْوَانِ.

مناقب الائمة الاربعة للمقدسی: ص 72

ترجمہ: آپ کا قد متوسط تھا۔ نہ بہت زیادہ طویل قد تھے نہ کوتاہ قد۔ انداز گفتگو بہت اچھا اور آواز انتہائی عمدہ تھی۔ چہرہ حسین، کپڑے خوبصورت اور زیر استعمال خوشبو انتہائی عمدہ تھی۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ بہت زیادہ خیر خواہی کا جذبہ رکھنے والے انسان تھے۔

اخلاق و اطوار:

آپ رحمۃ اللہ علیہ حرام اشیاء سے سخت اجتناب فرماتے۔ دنیا داروں سے کوسوں دور رہتے۔ آپ کی خاموشی طویل ہوتی۔ ہمیشہ فکر مند رہتے۔ زیادہ گفتگو آپ

کو پسند نہیں تھی لیکن جب آپ سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا اور آپ کو معلوم ہوتا تو پھر خاموش نہ رہتے بلکہ واضح اور عمدہ طور پر جواب مرحمت فرماتے۔ اپنی ذات اور اپنے اعمال دینیہ کی بہت زیادہ حفاظت فرماتے اور لوگوں کی برائی کرنے سے مجتنب رہتے۔ آپ جب کسی کا تذکرہ فرماتے تو بھلائی کے ساتھ فرماتے۔

فضائل ابی حنیفہ لابن ابی العوام: ص 47

اللہ تعالیٰ نے آپ کو عقل و دانش اور فہم و فراست سے نوازا تھا۔ مشکل سے مشکل مسئلہ لمحوں میں حل فرمادیتے تھے۔ عبادت و ریاضت، صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور شب بیداری آپ کا معمول رہا حتیٰ کہ مورخین نے آپ کی عبادت کو تواتر کا درجہ دیا ہے۔ علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (ت 748ھ) لکھتے ہیں:

قَدْ تَوَاتَرَ قِيَامُهُ اللَّيْلَ وَتَهَجُّدُهُ وَتَعَبُّدُهُ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى.

مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ للذہبی: ص 16

ترجمہ: امام صاحب کی شب بیداری، تہجد کی پابندی اور عبادت و ریاضت تواتر سے ثابت ہے۔

عہدہ قضاء کی پیش کش اور امام اعظم کا انکار:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش (سن 80 ہجری) کے وقت اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان (ت 86ھ) کا دور حکومت تھا۔ یہ حکومت ایک عرصہ بعد سن 132 ہجری میں ختم ہوئی۔ آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد الحمار (ت 132ھ) کی حکومت کا خاتمہ کر کے پہلے عباسی خلیفہ ابو العباس سفاح (ت 136ھ) نے اپنی حکومت کا آغاز کیا۔ ظاہر ہے کہ اس اتار چڑھاؤ کے دور میں مختلف تحریکات اور اہم واقعات کا رونما ہونا ناگزیر تھا لیکن امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ ثابت قدم اور حق کے داعی رہے۔ آپ کی زندگی کے دیگر کئی اہم سیاسی امور میں دو دور بہت اہم

ہیں۔ ان کا مختصراً جائزہ لینے سے واضح ہو گا کہ امام صاحب حق کا ساتھ دینے اور ظلم و جور کی مخالفت کرنے میں کتنی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔

پہلا دور:

بنو امیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد الحمار کی طرف سے عراق کا گورنر یزید بن عمر بن ہبیرہ (ت 132ھ) مقرر تھا۔ اس نے امام صاحب کو عہدہ قضاء پیش کیا کہ آپ کوفہ کے قاضی بن جائیں لیکن امام صاحب نے اس کو قبول نہ کیا۔ ابن ہبیرہ نے آپ کے انکار پر قسم اٹھائی کہ یہ عہدہ آپ کو ہر حال میں قبول کرنا ہو گا ورنہ میں آپ کو سخت سزا دوں گا۔ امام صاحب کے ہمدرد علماء نے آپ کو بہت منت سماجت کی کہ اس عہدہ کو بادلِ ناخواستہ ہی سہی قبول فرمائیں کیونکہ حاکم سخت ہے اور آپ کی ذات کو سخت نقصان کا اندیشہ ہے لیکن امام صاحب اس عہدہ کی قبولیت کے نتائج سے واقف تھے کہ اگر حاکم نے مجھے کسی بے گناہ کے قتل کا حکم دیا تو میں کیسے اس کے نفاذ پر مہر قضاء ثبت کروں گا؟! انکار کے اس ”جرم“ میں ابن ہبیرہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے کوڑوں کی سزا تجویز کی۔

امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد الخطیب البغدادی (ت 463ھ)

لکھتے ہیں:

كَلَّمَ ابْنُ هُبَيْرَةَ أَبَا حَنِيفَةَ أَنْ يَلِيَّ لَهُ قَضَاءَ الْكُوفَةِ، فَأَبَى عَلَيْهِ، فَضَرَبَهُ مِائَةً سَوْطٍ وَعَشْرَةَ أَسْوَاطٍ، فِي كُلِّ يَوْمٍ عَشْرَةَ أَسْوَاطٍ، وَهُوَ عَلَى الْإِمْتِنَاعِ، فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ خَلَّى سَبِيلَهُ.

تاریخ بغداد: ج 11 ص 233

ترجمہ: ابن ہبیرہ (والی عراق) نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو حکم دیا کہ کوفہ کے قاضی بن جائیں لیکن امام صاحب نے قبول نہیں کیا تو اس نے ایک سو دس کوڑے مارنے کی

سزا تجویز کی۔ وہ روزانہ دس کوڑے لگواتا لیکن امام صاحب رحمہ اللہ اپنی بات پر قائم رہے۔ بالآخر اس نے (مجبور ہو کر) چھوڑ دیا۔

دوسرا دور:

اموی حکومت کے خاتمہ کے بعد عباسی حکومت کا دور آیا۔ خلیفہ منصور (ت 158ھ) نے بھی امام صاحب کو عہدہ قضاء کی پیشکش کی۔ خلیفہ منصور نے اولاً بغداد کا عہدہ قضاء پیش کیا، اس کے بعد پورے ملک کا قاضی القضاۃ بننے کی پیشکش کی۔ امام صاحب اس عہدہ قضاء کی اصل وجہ جانتے تھے کہ آپ کا عہدہ قبول کرنا دراصل حکومت کے جائز ناجائز فیصلوں پر اپنی رضامندی کے اظہار اور ان کے ہر غلط درست کام میں ان کا مطیع ہونے کے مترادف ہے۔ آپ کو معلوم تھا کہ آپ کے عہدہ قضاء کے قبول کر لینے سے عوام کے ذہن سے حکومت کی بے اعتدالیاں محو ہو جائیں گی۔ اس لیے آپ نے عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ خلیفہ منصور نے آپ کو جیل میں ڈال دیا۔ منصور کا کہنا تھا کہ اگر آپ اس عہدہ کو قبول کر لیں تو آپ کو باعزت رہا کر دیا جائے گا لیکن امام صاحب اپنے موقف پر قائم رہے تا آنکہ آپ کی وفات بھی جیل میں ہوئی اور آپ کا جنازہ بھی جیل سے اٹھا۔

علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (ت 748ھ) لکھتے ہیں:

لَمْ يَقْبَلِ الْعَهْدَ بِالْقَضَاءِ، فَضْرَبَ، وَحُبِسَ، وَمَاتَ فِي السِّجْنِ.

سیر اعلام النبلاء للذہبی: ج 6 ص 537

ترجمہ: امام ابو حنیفہ نے عہدہ قبول نہ کیا جس کی پاداش میں آپ پر تشدد کیا گیا، آپ پس دیوار زندان کیے گئے اور زندان میں ہی آپ کی وفات ہوئی۔

صحیح روایات کے مطابق آپ کو جیل میں زہر دیا گیا جس سے آپ کی شہادت ہوئی۔ علامہ ذہبی رقمطراز ہیں:

وَبَلَّغْنَا أَنَّ الْمَنْصُورَ سَقَاهُ السُّمُّ فَاسْوَدَّ وَمَاتَ شَهِيداً - رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى -

مناقب ابی حنیفہ وصاحبہ: ص 42

ترجمہ: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ خلیفہ منصور نے امام صاحب کو زہر دیا تھا جس کے اثر سے آپ شہید ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ امام صاحب پر رحم فرمائے!

## وفات حسرت آیات:

آپ کی وفات سن 150 ہجری میں ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قاضی شہر اور مشہور محدث و فقیہ امام حسن بن عمارہ (ت 153ھ) نے آپ کو غسل دیا۔ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ آپ کو بغداد شہر کے مقبرہ ”خیزران“ میں دفن کیا جائے۔ وصیت کے موافق خیزران کے مشرقی جانب آپ کی قبر تیار کی گئی۔ علم و عمل کے پیکر، فقہ و حدیث کے گنجینے اور علم الکلام کے اس خزینے کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ سلطان ارسلان سلجوقی نے 459ھ میں آپ کی قبر کے قریب ایک مدرسہ تیار کرایا جو ”مشہد ابی حنیفہ رحمہ اللہ“ کے نام سے مشہور ہے۔

## تالیفات و تصنیفات:

- 1: کتاب الاستبصار بروایت امام زفر بن ہذیل
- 2: کتاب الاستبصار بروایت امام ابی یوسف القاضی
- 3: کتاب الاستبصار بروایت امام محمد بن الحسن الشیبانی
- 4: کتاب الاستبصار بروایت امام حسن بن زیاد اللؤلؤی
- 5: الفقہ الاکبر بروایت امام حماد بن ابی حنیفہ
- 6: الفقہ الاکبر (المعروف الفقہ الاوسط) بروایت امام ابی مطیع البخنی
- 7: الرسالة الی عثمان الی

8: کتاب العالم والمتعلم

9: کتاب المجرى فى الفقه

10: کتاب الرهن

11: کتاب الفرائض

12: کتاب الشروط

13: کتاب الصلوة

14: المقصود فى الصرف

15: کتاب اختلاف الصحابة رضى الله عنهم

16: کتاب السیر

17: کتاب الجامع

18: کتاب الرد على القدرية

19: کتاب الوصية

20: کتاب الراى



## امام حماد بن امام ابی حنیفہ رحمہما اللہ کے حالات (راوی الفقہ الاکبر)

نام، کنیت اور سلسلہ نسب:

آپ کا نام ”حماد“، کنیت ”ابو اسماعیل“ اور والد گرامی کا نام امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے:

أبو إسماعیل حماد بن أبی حنیفہ نعمان بن ثابت بن نعمان بن المرزبان.

مولد و مسکن:

آپ کی پیدائش کوفہ میں ہوئی۔ حتمی طور پر تاریخ ولادت منقول نہیں ہے۔ کوفہ علم و فن کا مرکز تھا۔ سابقہ سطور میں اس شہر کی اہمیت مذکور ہوئی ہے کہ یہ شہر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور فقہاء و محدثین کی ایک بڑی جماعت کا مسکن رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس ماحول میں نشوونما پانے والی شخصیت میدان علم میں ایک تابناک سورج بن کر ہی ابھرنی چاہیے۔ مزید براں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے والد گرامی امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میسر آئی۔ علمی ماحول کی فراہمی اور والد صاحب کی فقہ و حدیث سے آراستہ شخصیت کے حسین امتزاج نے امام حماد بن ابی حنیفہ کو علم و عمل کا پیکر بنادیا۔

اوصاف و اخلاق:

امام حماد کا شمار امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے کبار تلامذہ مثلاً امام ابو یوسف، امام محمد بن حسن شیبانی، امام زفر وغیرہ جیسے فقہاء کے طبقے میں کیا جاتا ہے۔ یہ سب والد

صاحب امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس فقہ میں حاضری اور ان کی خصوصی تربیت کا نتیجہ تھا۔ آپ ایک مستند فقیہ و محدث ہونے کے ساتھ ساتھ زہد و تقویٰ کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔

حافظ الدین امام محمد بن محمد بن شہاب الکریمی الخفی (ت 827ھ) آپ کے حالات میں لکھتے ہیں:

ذَكَرَ الصَّيْبَرِيُّ أَنَّ الْعَالِبَ كَانَ عَلَى حَمَّادٍ: الدِّينَ وَالْوَرَعَ وَالْفَقْهَ وَكِتَابَةَ الْحَدِيثِ.

مناقب الامام الاعظم للکردری: ج 2 ص 212

ترجمہ: علامہ صیمری نے ذکر کیا ہے کہ امام حماد پر دین (یعنی اعتقادات کے افہام و تفہیم کا ملکہ) زہد و تقویٰ، علم فقہ اور کتابت حدیث کا شوق غالب تھا۔

اشاعت دین میں خدمات:

امام حماد رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح معنوں میں اپنے والد صاحب امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی جانشینی کا حق ادا کیا۔ علم الکلام، علم الحدیث، علم الفقہ اور زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ ثابت ہوئے۔

بشر بن ولید فرماتے ہیں:

كَانَ حَمَّادٌ شَدِيدًا عَلَى أَهْلِ الْأَهْوَاءِ، يَكْسِرُ عَلَيْهِمْ أَقْفًا وَيُلْهِمُهُمْ وَيَحْتَجُّ عَلَيْهِمْ بِحُجَجٍ لَمْ يَكُنْ تَيَسَّرُ ذَلِكَ لِحَذَاقِ الْمُتَكَلِّمِينَ.

مناقب الامام الاعظم للکردری: ج 2 ص 212

ترجمہ: امام حماد ہوا پرست (فرقہ ہائے باطلہ) لوگوں کی خوب خبر لیتے تھے، ان کے مغالطات کا دندان شکن جواب دیتے اور دلائل سے ان کا رد فرماتے تھے۔ یہ کام ایسا تھا جو ماہر متکلمین کے لیے بھی چنداں آسان نہ تھا۔

اولاد:

امام حماد بن ابی حنیفہ رحمہما اللہ کے چار بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے کا نام ”اسماعیل“ تھا۔ انہی کی طرف نسبت کر کے آپ ”ابو اسماعیل“ کہلائے۔ علامہ محمد بن محمد بن شہاب الکردری؛ امام سمعی رحمہ اللہ کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

وَلَهُ مِنَ الْوُلْدِ: أَبُو حَيَّانَ، وَإِسْمَاعِيلُ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ، وَوَلَّى إِسْمَاعِيلُ الْقَضَاءَ بِالْبَصْرَةِ عَنِ الْمَأْمُونِ وَرَوَى عَنْ أَخِيهِ عُمَرَ بْنِ حَمَّادٍ.

مناقب الامام الاعظم للکردری: ج 2 ص 212

ترجمہ: امام حماد کے بیٹے؛ ابو حیان، اسماعیل، عمر اور عثمان ہیں۔ اسماعیل؛ خلیفہ مامون کی جانب سے بصرہ میں عہدہ قضاء پر فائز ہوئے اور انہوں نے اپنے بھائی عمر بن حماد سے روایت لی ہے۔

وفات حسرت آیات:

آپ کی وفات سن 176 ہجری میں ہوئی۔

سیر اعلام النبلاء للذہبی: ج 6 ص 538

## کچھ الفقہ الاکبر کے بارے میں

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے الفقہ الاکبر کے دو نسخے مروی ہیں:

### 1: الفقہ الاکبر بروایۃ الامام حماد:

یہ نسخہ امام صاحب کے بیٹے امام حماد بن ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہما سے منقول ہے۔ اس میں عقائد کو بنیہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس نسخہ کا ابتدائیہ یوں ہے:

"أَصْلُ التَّوْحِيدِ وَمَا يَصْحُحُ الْإِعْتِقَادُ عَلَيْهِ يَجِبُ أَنْ يَقُولَ: أَمَنْتُ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْقَدَرِ خَيْرُهُ وَشَرُّهُ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى وَالْحِسَابِ وَالْمِيزَانِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ حَقٌّ كُلُّهُ."

اس نسخہ کی کئی شروحات تحریر کی گئی ہیں۔ سب سے معروف شرح ملا علی بن سلطان محمد القاری الہروی الخفنی (ت 1014ھ) کی ہے جس کا نام انہوں نے "مِنْحُ الرُّوضِ الْأَزْهَرِ فِي شَرْحِ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ" رکھا ہے۔ ہم نے بھی اپنی زیرِ نظر شرح اسی نسخہ کو سامنے رکھ کر تحریر کی ہے۔

### 2: الفقہ الاکبر بروایۃ ابو مطیع البلیخی:

یہ نسخہ امام صاحب کے شاگرد امام ابو مطیع الحکم بن عبد اللہ بن سلمۃ بن عبد الرحمن القاضی البلیخی (ت 199ھ) سے منقول ہے۔ اس نسخہ میں عقائد کو مکالمے کی صورت میں تفہیمی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس نسخہ کا ابتدائیہ یوں ہے:

سَأَلْتُ أَبَا حَنِيفَةَ الثُّعْمَانَ بْنَ ثَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ فَقَالَ: أَنْ لَا تُكْفِرَ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ بِذَنْبٍ وَلَا تَنْفِي أَحَدًا مِنَ الْإِيمَانِ وَأَنْ تَأْمُرَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ.

اس نسخہ کا نام بھی ”الفقہ الاکبر“ ہی ہے لیکن اب یہ نسخہ ”الفقہ الابسٹ“ کے نام سے معروف ہے۔ اس نسخہ کو اس نام سے اس لیے منسوب کیا گیا ہے تاکہ دونوں نسخوں میں امتیاز ہو جائے کہ ”الفقہ الاکبر“ امام حماد بن ابی حنیفہ رحمہما اللہ اور ”الفقہ الابسٹ“ امام ابو مطیع البلخی رحمہ اللہ سے مروی ہے۔ شیخ الاسلام علامہ زاہد بن الحسن الکوثری (ت 1371ھ) لکھتے ہیں:

الْفَقْهُ الْأَكْبَرُ رَوَايَةُ أَبِي مُطَيْعٍ وَهُوَ الْمَعْرُوفُ بِـ"الْفَقْهِ الْأَبْسِطِ" مَقْبُولٌ عَنْ رَوَايَةِ حَمَّادِ بْنِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ.

المقدمة للكوثری علی کتاب العالم والمتعلم: ص 2

ترجمہ: الفقہ الاکبر جو امام ابو مطیع سے مروی ہے، یہ الفقہ الابسٹ کے نام سے معروف ہے (اور اس نام سے معروف اس لیے ہے) تاکہ اس نسخہ کا امام حماد بن ابی حنیفہ رحمہما اللہ والے نسخہ سے امتیاز ہو جائے۔

علمائے امت نے اس نسخہ کی بھی کئی شروحات تحریر کی ہیں۔ معروف شرح فقیہ ابو الیث نصر بن محمد بن احمد سمرقندی الحنفی (ت 373ھ) نے ”شرح الفقہ الاکبر“ کے نام سے لکھی ہے۔

تنبیہ:

یہ شرح غلطی سے امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی الحنفی (ت 333ھ) کے نام سے مطبوع ہو گئی ہے جبکہ اس کے اصل شارح فقیہ ابو الیث سمرقندی الحنفی ہیں۔ اس غلطی پر شیخ زاہد بن الحسن الکوثری نے تنبیہ کی ہے۔

المقدمة للكوثری علی کتاب العالم والمتعلم

یہ دونوں متون امام صاحب ہی سے مروی ہیں۔ ایک کا انداز بیانیہ اور دوسرے کا مکالماتی ہے، اس لیے عبارات کا انداز بیان باہم مختلف ہونا ایک ناگزیر امر

ہے۔ انداز بیان کا مختلف ہونا ان دونوں کے امام صاحب سے مروی ہونے میں بالکل مغل نہیں ہے۔ اس لیے بعض حضرات کا دونوں کے انداز کو باہم مختلف پا کر ایک کے انتساب کو درست اور دوسرے کو مشکوک قرار دینا ہرگز درست نہیں۔

ہمارے پیش نظر دونوں متون کے امام صاحب کی طرف انتساب کے درست ہونے کی درج ذیل وجوہ ہیں:

- 1: معتبر حضرات نے اس کتاب کے دونوں نسخوں کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب قرار دیا ہے۔
- 2: سلاطین علم نے اس کتاب کے دونوں نسخوں کی شروحات لکھی ہیں جو ان دونوں نسخوں کے انتساب کے درست ہونے کی دلیل ہے۔
- 3: بعد کے ادوار کے اہل علم نے اپنے استدلال میں دونوں نسخوں سے عبارات کو نقل کیا ہے۔

ان وجوہ سے ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ دونوں نسخے امام صاحب کے ہیں اور دونوں کا انتساب امام صاحب کی طرف صحیح و درست ہے۔

## الفقہ الاکبر بروایۃ حماد بن ابی حنیفہ

فقہ اکبر کے اس نسخہ کو درج ذیل حضرات نے امام صاحب کی تالیف قرار دیا ہے۔ چند تصریحات ملاحظہ ہوں:

- [1]: امام استاذ ابو منصور عبد القاهر بن طاہر التیمی البغدادی (ت 429ھ) لکھتے ہیں:

وَأَوَّلُ مُتَكَلِّمِيهِمْ مِنَ الْفُقَهَاءِ وَأَرْبَابِ الْمَذَاهِبِ أَبُو حَنِيفَةَ وَالشَّافِعِيُّ فَإِنَّ أَبَا حَنِيفَةَ لَهُ كِتَابٌ فِي الرَّدِّ عَلَى الْقَدَرِيَّةِ سَمَّاهُ "كِتَابُ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ".

ترجمہ: فقہاء اور ارباب مذاہب میں سب سے پہلے متکلم امام ابو حنیفہ اور امام شافعی ہیں کیونکہ امام ابو حنیفہ کی قدر یہ کے رد میں ایک کتاب ہے جس کا نام انہوں نے ”الفقہ الاکبر“ رکھا۔

[2]: امام فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی الحنفی (ت 482ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ صَنَّفَ أَبُو حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي ذَلِكَ كِتَابَ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ وَذَكَرَ فِيهِ إِثْبَاتَ الصِّفَاتِ وَإِثْبَاتَ تَقْدِيرِ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ مِنَ اللَّهِ وَأَنَّ ذَلِكَ كُلَّهُ بِمَشِيئَتِهِ وَأَثْبَتَ الْإِسْطِطَاعَةَ مَعَ الْفِعْلِ، وَأَنَّ أَفْعَالَ الْعِبَادِ مَخْلُوقَةٌ بِخَلْقِ اللَّهِ تَعَالَى إِثَابًا كُلَّهَا.

اصول البزدوی: ص 3

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس (علم توحید و صفات) میں کتاب الفقہ الاکبر لکھی ہے۔ اس میں مسئلہ صفات اور تقدیر خیر و شر کے من جانب اللہ ہونے کو ذکر کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ تقدیر؛ اللہ تعالیٰ کی مشیت کی پابند ہے۔ نیز اس میں ثابت کیا ہے کہ استطاعت؛ فعل کے ساتھ پائی جاتی ہے اور بندوں کے افعال مخلوق ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمایا ہے۔

[3]: حافظ الدین امام محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری الحنفی المعروف

البزازی (ت 827ھ) لکھتے ہیں:

فَإِنْ قُلْتُ: لَيْسَ لِإِبْنِ حَنِيفَةَ كِتَابٌ مُصَنَّفٌ. قُلْتُ: هَذَا كَلَامُ الْمُعْتَزِلَةِ وَدَعَاؤُهُمْ أَنَّهُ لَيْسَ لَهُ فِي عِلْمِ الْكَلَامِ تَصْنِيفٌ وَغَرَضُهُمْ بِذَلِكَ نَفْيُ أَنْ يَكُونَ الْفِقْهُ الْأَكْبَرُ وَكِتَابَ الْعَالِمِ وَالْمُتَعَلِّمِ لَهُ لِأَنَّهُ صَرَّحَ فِيهِ بِأَكْثَرِ قَوَاعِدِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَدَعَاؤُهُمْ أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ وَذَلِكَ الْكِتَابُ لِإِبْنِ حَنِيفَةَ الْبُخَارِيِّ وَهَذَا غَلَطٌ صَرَّحَ فِيهِ بِرَأْيِ مَنْ يَحِطُّ بِالْعَلَامَةِ مَوْلَانَا شَمْسُ الْمِلَّةِ وَالِدِ الْبُخَارِيِّ

الْكُرْدِيّ الْبَزْ أَتَقْنِي الْعِمَادِيّ هَذَا مِنْ الْكِتَابَيْنِ وَكَتَبَ فِيهِمَا أَنَّهُمَا لِأَبِي حَنِيفَةَ  
وَقَالَ: تَوَاطَأَ عَلَى ذَلِكَ جَمَاعَةٌ كَثِيرٌ مِنَ الْمَشَائِخِ انْتَهَى.

مناقب الامام الاعظم رضی اللہ عنہ للکردی: ج 1 ص 107، 108

ترجمہ: اگر آپ یہ کہیں کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف ہی نہیں ہے تو میں اس کے جواب میں یہ بات کہوں گا کہ یہ اعتراض فرقہ معزلہ کا ہے۔ ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ علم کلام میں امام صاحب کی کوئی تصنیف نہیں ہے۔ اس دعویٰ سے معزلہ کا مقصد یہ ہے کہ فقہ اکبر اور کتاب العالم والمتعلم امام صاحب کی تصنیفات نہیں۔ وجہ (اس تردید کی) یہ ہے امام صاحب نے فقہ اکبر میں اہل السنۃ والجماعۃ کے کئی عقائد بیان کیے ہیں۔ معزلہ کا دعویٰ ہے کہ امام صاحب تو معزلی تھے۔ معاذ اللہ۔ اور معزلہ کے خیال میں کتاب فقہ اکبر ابو حنیفہ بخاری کی ہے، لیکن معزلہ کا یہ نظریہ بالکل غلط ہے کیونکہ میں نے یہ دونوں کتابیں (فقہ اکبر اور کتاب العالم والمتعلم) علامہ مولانا مٹس الملمۃ والدین کردری بز اتقنی عمادی کے ہاتھ سے لکھی ہوئی دیکھی ہیں۔ ان میں انہوں نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہ دونوں کتابیں امام صاحب کی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس پر (یعنی ان دونوں کتابوں کے امام صاحب کی تصنیف ہونے پر) مشائخ کی ایک بڑی جماعت کا اتفاق ہے۔

[4]: امام الیاس بن ابراہیم السینوبی الشیبانی الحنفی (ت 891ھ) نے ”شرح الفقہ

الاکبر“ کے نام سے شرح لکھی ہے۔ آپ اس شرح کے شروع میں لکھتے ہیں:

لَمَّا كَانَ كِتَابُ الْفَقْهِ الْأَكْبَرِ مِمَّا ثَبَتَ بِالْإِسْنَادِ الصَّحِيحِ الْأَشْهَرِ أَنَّ هَذَا الْفَقْهُ  
الْإِمَامُ الْمَقْدَمُ وَالْهَمَامُ الْمَكْرُمُ سِرَاجُ الْأُمَّةِ وَمُقْتَدَى الْأُمَّةِ... أَبُو حَنِيفَةَ  
نُعْمَانُ بْنُ ثَابِتٍ الْكُوفِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

شرح الفقہ الاکبر: ص 1 مخطوط



ترجمہ: کتاب الفقہ الاکبر ان کتابوں میں سے ہے جو صحیح و مشہور سند سے ثابت ہیں اسے امام مقدم، ہمام مکرم (عزت و جرات کا حامل شخص) سراج الامت، ائمہ کے مقتدا ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوئی رضی اللہ عنہ نے تالیف کیا ہے۔

[5]: شیخ محی الدین محمد بن بہاء الدین (ت 956ھ) نے ”الفقہ الاکبر“ کی شرح لکھی ہے جس کا نام ”القول الفصل شرح الفقہ الاکبر“ رکھا۔

آپ اس کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

وَمَا أَحَدٌ أَحَقُّ بِهَذِهِ الْأَوْصَافِ السَّنِيَّةِ وَأَوَّلَى بِالْأَخْلَاقِ الْعَلِيَّةِ إِلَّا مَنْ نُقِلَ فِي فَضْلِهِ الْأَثَارُ ... وَهُوَ سِرَاجُ أُمَّةٍ مُحَمَّدٍ وَمِنْهَا جُ مِلَّةٌ أَحْمَدُ. الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ وَالْمُقْتَدَى الْمُكْرَمُ أَبُو حَنِيفَةَ الْكُوفِيُّ رَفَعَ اللَّهُ لَهُ ... فَالْتَّعَوِيلُ كُلُّ التَّعَوِيلِ لَيْسَ إِلَّا مَا جَزَى مِنْ لَفْظِهِ الْمُعْتَبَرِ وَهُوَ الْمُخْتَصَرُ الْمُنْسُوبُ إِلَيْهِ الْمَوْسُومُ بِ"الْفَقْهِ الْأَكْبَرِ" فَأَرَدْنَا أَنْ نَفْصِلَ مُجْمَلَاتِهِ وَنَفْتَحَ مُعْلَقَاتِهِ لِتَسْهَلِ اسْتِفَادَتُهُ.

القول الفصل شرح الفقہ الاکبر: 10

ترجمہ: ان عمدہ اوصاف اور اعلیٰ اخلاق کا حقدار وہی شخص ہو سکتا ہے جس کی فضیلت میں آثار منقول ہوں.... اور وہ سراج الملت، ملت احمدیہ کی روشن راہ، امام اعظم، مقتدائے مکرم ابو حنیفہ الکوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے مرتبے کو بلند فرمائے۔ ہمارا مکمل اعتماد صرف اسی (کتاب) پر ہے جو آپ رحمۃ اللہ علیہ سے معتبر طریقے سے ثابت ہے اور وہ آپ کی طرف منسوب مختصر سی کتاب ہے جس کا نام ”الفقہ الاکبر“ ہے۔ ہم نے ارادہ کیا ہے کہ اس کی مجمل عبارات کی تفصیل کریں اور اس کی پیچیدگیوں کو کھولیں تاکہ اس سے استفادہ آسان ہو جائے۔

[6]: شیخ ابو الخیر احمد بن مصطفیٰ بن خلیل المعروف طاش کبریٰ زادہ (ت 968ھ)

لکھتے ہیں:

إِنَّ أَبَا حَنِيفَةَ تَكَلَّمَ فِي عِلْمِ الْكَلَامِ مِثْلَ كِتَابِ "الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ" وَكِتَابِ "الْعَالِمِ وَالْمُتَعَلِّمِ" إِذْ صَوَّرَ فِيهِمَا بِأَكْثَرِ مَبَاحِثِ عِلْمِ الْكَلَامِ وَمَا قِيلَ إِنَّهُمَا لَيْسَا لَهُ بَلْ لِأَبِي حَنِيفَةَ الْبُخَارِيِّ فَمِنْ اخْتِرَاعَاتِ الْمُعْتَزِلَةِ زَعَمًا مِنْهُمْ أَنَّ أَبَا حَنِيفَةَ عَلَى مَذْهَبِهِمْ.

مصباح السعادة ومصباح السيادة: ج 2 ص 141

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے علم الکلام میں گفتگو فرمائی ہے جیسا کہ آپ کی کتاب الفقہ الاکبر اور العالم والمتعلم اس پر شاہد ہیں۔ ان کتب میں آپ نے علم الکلام کی اکثر مباحث کو بیان کیا ہے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ یہ دونوں کتب امام ابو حنیفہ کی نہیں بلکہ ابو حنیفہ بخاری کی ہیں تو یہ بات معتزلہ کی اختراع ہے کیونکہ معتزلہ کا گمان ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے مذہب پر تھے۔

[7]: امام ابو المنتمی شہاب الدین احمد بن محمد المغنیساوی الرومی الحنفی (ت 1000ھ) نے ”الكتاب الاغر الجامع للفوائد التي لا تحصر“ کے نام سے الفقہ الاکبر کی شرح لکھی ہے۔ اس کے آغاز میں لکھتے ہیں:

إِنَّ كِتَابَ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ الَّذِي صَنَّفَهُ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ كِتَابٌ صَحِيحٌ مُقْبُولٌ.

الكتاب الاغر: ص 1

ترجمہ: بلاشبہ الفقہ الاکبر جو امام اعظم کی تصنیف ہے صحیح اور مقبول کتاب ہے۔

[8]: ملا علی بن سلطان محمد القاری الہروی الحنفی (ت 1014ھ) نے ”الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ“ کی شرح لکھی ہے جس کا نام ”مِنْحُ الرُّوضِ الْأَزْهَرِ فِي شَرْحِ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ“ رکھا۔

آپ شرح کی ابتداء میں لکھتے ہیں:

قَالَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ وَالْهَامُّ الْأَفْخَمُ الْأَقْدَمُ فِي كِتَابِهِ الْمُسْتَبَيِّبِ "الْفِقْهِ

الْأَكْبَرُ " الْمَشَارِ بِهِ إِلَى اللَّهِ يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ الْإِهْتِمَامُ بِهِ هُوَ الْكَثْرُ لِأَنَّهُ مَدَارُ الْإِيْمَانِ.

شرح الفقہ الاکبر: ص 37

ترجمہ: امام اعظم، ہمام الفحْم و اقدم (سب سے عظیم اور جرأت کا حامل شخص) اپنی کتاب "الفقہ الاکبر" میں فرماتے ہیں اور یہ وہ کتاب ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کتاب کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرنا چاہیے (کہ اس کے مطابق اپنے اعتقادات رکھیں) کیونکہ یہی ایمان کا مدار ہے۔

[9]: امام کمال الدین احمد بن حسن بن سنان الدین بیاضی البوسنی الحنفی (ت 1098ھ) نے علم الکلام میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی چند تصانیف کا تذکرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

أَمْلَأَهَا عَلَى أَصْحَابِهِ مِنَ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ وَالرِّسَالَةِ وَالْفِقْهِ الْأَبْسَطِ وَكِتَابِ الْعَالِمِ وَالْمُتَعَلِّمِ وَالْوَصِيَّةِ.

اشارات المرام: ص 21

ترجمہ: انہوں (امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے شاگردوں کو یہ کتابیں املاء کروائیں: الفقہ الاکبر، کتاب الرسالۃ، الفقہ الابسط، کتاب العالم والمتعلم اور کتاب الوصیۃ۔

[10]: ابو محمد عبد القادر بن محمد ادریس بن محمد محمود العمری الحنفی السہتی (بنگالی) نے "الدر الاذہر فی شرح الفقہ الاکبر" کے نام سے الفقہ الاکبر کی شرح لکھی ہے۔ اس شرح کی ابتداء میں لکھتے ہیں:

فَلَمَّا كَانَ عِلْمُ التَّوْحِيدِ أَصْلَ أُصُولِ الدِّينِ وَالْكِتَابُ الْجَلِيلُ الَّذِي صَنَّفَهُ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَسَمَّاهُ بِـ "الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ" أَوَّلَ تَصْنِيفٍ وَاشْتَمَلَ لِمَسَائِلِ التَّوْحِيدِ وَالْيَقِينِ وَقَدْ ضَيَّعَتْ دَهْرِي الْأَطْوَلُ فِي اللَّهْوِ

وَالْمَعَاصِي فَالْتَهَمَنِي اللَّهُ تَعَالَى فِي آخِرِ عُمْرِي أَنْ أَشْرَحَ هَذَا الْكِتَابَ الْمَجْلِيلَ  
شَرْحًا وَجِيزًا.

الدر الازھر فی شرح الفقہ الاکبر: ص 2

ترجمہ: چونکہ علم توحید دین کے اصولوں میں سے بنیادی اصول ہے اور وہ کتاب جس کو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے تصنیف فرمایا اور اس کا نام ”الفقہ الاکبر“ رکھا عقائد کے باب میں پہلی تصنیف ہے اور توحید اور یقین کے مسائل میں جامع ترین کتاب ہے اور میری حالت یہ تھی کہ میں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ کھیل کود اور گناہوں میں ضائع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ میں اس عظیم الشان کتاب کی ایک عمدہ شرح لکھوں۔

[11]: علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین محمد سہالوی انصاری لکھنوی المعروف ”علامہ بحر العلوم“ (ت 1225ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ قَالَ: لَمْ يَقُلْهُ اللَّهُ تَعَالَى وَلَيْسَ كَلَامُهُ فَهُوَ كَافِرٌ الْبَتَّةَ هَذَا هُوَ الَّذِي رَامَهُ  
الْإِمَامُ الْهَامُّ أَعْظَمُ الْأَئِمَّةِ حَيْثُ قَالَ فِي الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ: الْقُرْآنُ فِي الْمَصَاحِفِ  
مَكْتُوبٌ وَفِي الْقُلُوبِ مُحْفُوظٌ وَعَلَى الْأَلْسِنِ مَقْرُوءٌ وَعَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ مُنْزَلٌ، لَفْظُنَا بِالْقُرْآنِ مَخْلُوقٌ وَكِتَابُنَا لَهُ وَقِرَاءَتُنَا لَهُ مَخْلُوقَةٌ وَالْقُرْآنُ  
غَيْرُ مَخْلُوقٍ.

فوائح الرحمت شرح مسلم الثبوت: ج 2 ص 7

ترجمہ: جو شخص یہ کہے کہ قرآن کا تکلم اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا اور یہ اللہ کا کلام نہیں ہے تو ایسا شخص پکا کافر ہے۔ یہی بات امام ہمام امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ”الفقہ الاکبر“ میں کہنا چاہتے ہیں، فرماتے ہیں: قرآن مصاحف میں لکھا گیا ہے، دلوں میں محفوظ ہے، زبانوں کے ذریعے اس کی تلاوت کی جاتی ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ جو ہم اپنی زبان سے ادا کرتے ہیں تو یہ الفاظ مخلوق

ہیں، ہم جو قرآن لکھتے ہیں تو یہ لکھے ہوئے نقوش مخلوق ہیں، ہم جو اس کی قرأت کرتے ہیں تو ہمارا قرأت کرنا (یعنی فعل) مخلوق ہے لیکن خود قرآن مخلوق نہیں۔

### غیر مقلدین کے حوالہ جات

[12]: ابو سعید محمد حسین بٹالوی (ت 1338ھ) نے 1292ھ (1877ء) میں ایک رسالہ ”اشاعة السنۃ“ ماہنامہ جاری کیا جس کا مقصد اپنے مسلک کی اشاعت کرنا تھا۔ اس رسالے میں ایک مقام پر لکھا ہے:

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فقہ اکبر میں فرمایا ہے کہ ”انبیاء علیہم السلام کفر وغیرہ کبار و فواحش سے منزہ ہیں۔“ فقہ اکبر کی شرح میں ملا علی قاری صاحب نے کہا ہے کہ ”وہ ایسے صغائر سے بھی منزہ ہیں جن میں خست و دنائت پائی جاتی ہو جیسے لقمہ کی چوری وغیرہ۔“ ایسے ہی شرح مواقف میں فرمایا ہے۔

اشاعة السنۃ: ج 11 شمارہ 4 ص 98

[13]: محمد ابراہیم میر سیالکوٹی غیر مقلد (ت 1375ھ) لکھتے ہیں:

”اسی طرح امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فقہ اکبر میں اندراجات لوح محفوظ کی نسبت فرماتے ہیں: وَلَکِنْ کُتِبَہٗ بِالْوَصْفِ لَا بِالْحُکْمِ [البتہ لوح محفوظ میں تقدیر کی تحریر، وصف کے اعتبار سے ہے نہ کہ حکم کے اعتبار سے]“

تاریخ الحدیث: ص 73

نوٹ: مذکورہ حوالہ جات میں سے چار حوالہ جات کی عبارت میں راوی نسخہ کی تصریح یا اس نسخہ کی عبارت کی تصریح نہیں بلکہ ”الفقہ الاکبر“ کو مطلقاً امام صاحب کی تالیف قرار دیا گیا ہے، اس لیے ان حوالہ جات کا اطلاق دونوں نسخوں پر ہو سکتا ہے۔

## چند اشکالات کے جوابات

اس نسخہ پر بعض حضرات کی جانب سے چند اشکالات کیے گئے ہیں۔ ذیل میں فرداً فرداً ہر اشکال کو نقل کر کے اس کا جواب دیا جاتا ہے۔

### اشکال نمبر 1:

کتاب ”الفقہ الاکبر“ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف نہیں بلکہ ابو حنیفہ البخاری کی تصنیف ہے۔ اس لیے کہ ”الفقہ الاکبر“ میں معتزلہ کا رد کیا گیا ہے حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خود معتزلی تھے۔ تو امام صاحب اپنے موقف کا رد کس طرح کر سکتے ہیں؟

### جواب:

یہ اعتراض دراصل معتزلہ کی جانب سے کیا گیا ہے۔ ایک... اس لیے کہ اپنے مسلک کا بچاؤ کر سکیں۔

دوسرا... امام صاحب کی عظیم شخصیت کو اپنے فرقے کا ایک فرد قرار دے سکیں۔

چنانچہ حافظ الدین امام محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری الحنفی

المعروف البزازی (ت 827ھ) لکھتے ہیں:

فَإِنْ قُلْتُ: لَيْسَ لِإِبْنِ حَنِيفَةَ كِتَابٌ مُصَنَّفٌ. قُلْتُ: هَذَا كَلَامُ الْمُعْتَزَلَةِ وَدَعَوَاهُمْ أَنَّهُ لَيْسَ لَهُ فِي عِلْمِ الْكَلَامِ تَصْنِيفٌ وَغَرَضُهُمْ بِذَلِكَ نَفْيُ أَنْ يَكُونَ الْفَقَّهُ الْأَكْبَرُ وَكِتَابُ الْعَالِمِ وَالْمُتَعَلِّمِ لَهُ لِأَنَّهُ صَرَّحَ فِيهِ بِأَكْثَرِ قَوَاعِدِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَدَعَوَاهُمْ أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُعْتَزَلَةِ وَذَلِكَ الْكِتَابُ لِإِبْنِ حَنِيفَةَ الْبُخَارِيِّ وَهَذَا غَلَطٌ صَرَّحَ فِيهِ بِرَأْيَيْهِ بِحُطِّ الْعَلَامَةِ مَوْلَانَا شَمْسِ الْمِلَّةِ وَالِدِ بْنِ

الْكُرْدِيَّ الْبَزَاتِقْنِي الْعِمَادِيَّ هَذَيْنِ الْكِتَابَيْنِ وَكَتَبَ فِيهِمَا أَكْثَرَهُمَا لِأَبِي حَنِيفَةَ  
وَقَالَ: تَوَاطَأَ عَلَى ذَلِكَ جَمَاعَةٌ كَثِيرٌ مِنَ الْمَشَائِخِ انْتَهَى.

مناقب الامام الاعظم رضی اللہ عنہ للکردی: ج 1 ص 107، 108

ترجمہ: اگر آپ یہ کہیں کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف ہی نہیں ہے تو میں اس کے جواب میں یہ بات کہوں گا کہ یہ اعتراض فرقہ معزلہ کا ہے۔ ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ علم کلام میں امام صاحب کی کوئی تصنیف نہیں ہے۔ اس دعویٰ سے معزلہ کا مقصد یہ ہے کہ فقہ اکبر اور کتاب العالم والمتعلم امام صاحب کی تصنیفات نہیں۔ وجہ (اس تردید کی) یہ ہے امام صاحب نے فقہ اکبر میں اہل السنۃ والجماعۃ کے کئی عقائد بیان کیے ہیں۔ معزلہ کا دعویٰ ہے کہ امام صاحب تو معزلی تھے۔ معاذ اللہ۔ اور معزلہ کے خیال میں کتاب فقہ اکبر ابو حنیفہ بخاری کی ہے، لیکن معزلہ کا یہ نظریہ بالکل غلط ہے کیونکہ میں نے یہ دونوں کتابیں (فقہ اکبر اور کتاب العالم والمتعلم) علامہ مولانا مٹس الملت والدین کردری بزاتقنی عمادی کے ہاتھ سے لکھی ہوئی دیکھی ہیں۔ ان میں انہوں نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہ دونوں کتابیں امام صاحب کی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس پر (یعنی ان دونوں کتابوں کے امام صاحب کی تصنیف ہونے پر) مشائخ کی ایک بڑی جماعت کا اتفاق ہے۔

اسی طرح شیخ ابو الخیر احمد بن مصطفیٰ بن خلیل المعروف طاشن کُبریٰ زادہ

(ت 968ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ أَبَا حَنِيفَةَ تَكَلَّمَ فِي عِلْمِ الْكَلَامِ مِثْلَ كِتَابِ "الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ" وَكِتَابِ  
"الْعَالِمِ وَالْمُتَعَلِّمِ" إِذْ صَوَّحَ فِيهِمَا بِأَكْثَرِ مَبَاحِثِ عِلْمِ الْكَلَامِ وَمَا قِيلَ  
إِنَّهُمَا لَيْسَا لَهُ بَلَى لِأَبِي حَنِيفَةَ الْبُخَارِيِّ فَمِنْ اخْتِرَاعَاتِ الْمُعْزَلَةِ زَعْمًا مِنْهُمْ  
أَنَّ أَبَا حَنِيفَةَ عَلَى مَذْهَبِهِمْ.

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے علم الکلام میں گفتگو فرمائی ہے جیسا کہ آپ کی کتاب الفقہ الاکبر اور العالم والمتعلم اس پر شاہد ہیں۔ ان کتب میں آپ نے علم الکلام کی اکثر مباحث کو بیان کیا ہے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ یہ دونوں کتب امام ابو حنیفہ کی نہیں بلکہ ابو حنیفہ بخاری کی ہیں تو یہ بات معتزلہ کی اختراع ہے کیونکہ معتزلہ کا گمان ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے مذہب پر تھے۔

### اشکال نمبر 2:

”الفقہ الاکبر“ کا انداز بیان اختصار کا ہے حالانکہ یہ طرز تحریر بعد کے ادوار کی پیداوار ہے، منتقدین میں یہ رواج نہیں تھا۔

### جواب:

عقیدہ طحاویہ امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی (ت 321ھ) کی کتاب ہے۔ آپ کا شمار منتقدین میں ہوتا ہے۔ آپ کی اس کتاب میں طرز بیان اختصار والا ہے۔ تو کیا اسے بھی ناقابل اعتبار قرار دیا جائے گا؟

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے کئی عمدہ خصائل اور صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ عربیت میں مہارت آپ کو خدا داد عطا ہوئی تھی۔ اس لیے آپ میں مختصر تحریر لکھنے کا کامل ملکہ موجود تھا۔ اس لیے محض احتمالی باتوں کے باعث امام صاحب کی کتاب کا انکار درست نہیں۔

### اشکال نمبر 3:

”الفقہ الاکبر“ میں فلسفیانہ الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔ مثلاً

وَهُوَ شَيْءٌ لَا كَالْأَشْيَاءِ وَمَعْنَى الشَّيْءِ الثَّابِتُ بِلَا جِسْمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَلَا عَرَضٍ



وَلَا حَدَّ لَهُ وَلَا ضِدَّ لَهُ وَلَا نِدَّ لَهُ وَلَا مِثْلَ لَهُ.

آپ رحمۃ اللہ علیہ خلافت عباسیہ کے دور میں تھے۔ اس دور میں اگرچہ یونانی فلسفہ کی کتب کا عربی زبان میں ترجمہ ہو گیا تھا لیکن ان الفاظ کا استعمال اتنا عام نہ ہوا تھا کہ انہیں اسلامی کتب کا حصہ بنایا جاتا۔

جواب:

جو شخص بیک وقت مفسر، محدث، فقیہ و مجتہد، متکلم اور مناظر ہو اور کئی باطل فرقوں سے مناظرے کر چکا ہو اور کامیاب بھی ہوا ہو تو اس کا فلسفہ کو جاننا کیا بعید ہے؟ اس لیے امام صاحب کا اپنی اس تصنیف میں فلسفہ کے چند الفاظ کو ذکر کرنا قابلِ اعتراض نہیں۔

اشکال نمبر 4:

مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (ت 1394ھ / 1974ء) ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

”فقہ اکبر کی نسبت امام صاحب کی طرف تو اترا یا سند صحیح سے ثابت نہیں اس لیے یہ عبارت حجت نہیں۔“

امداد الاحکام: ج 1 ص 341

جواب:

[1]: ماقبل میں 13 حوالہ جات پیش کیے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ”فقہ الاکبر“ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہی کی تصنیف ہے۔ یہ تو اترا نہ سہی شہرت کے درجہ میں ضرور ثابت ہے۔

[2]: کئی ایک حضرات نے الفقہ الاکبر کے امام صاحب کی کتاب ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ نیز شارحین نے اس کتاب کو صحیح النسبت قرار دیتے ہوئے اس کی اسناد کو صحیح و مشہور قرار دیا ہے۔ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

۱: حافظ الدین امام محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری الحنفی المعروف البزازی (ت 827ھ) علامہ مولانا شمس الملت والدین کردری بزاتقنی عمادی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

فَإِنِّي رَأَيْتُ بِمِخْطَرِ الْعَلَامَةِ مَوْلَانَا شَمْسُ الْمِلَّةِ وَالِدَيْنِ الْكُرْدَرِيِّ الْبَزَاتِقْنِي الْعِمَادِي هَذَيْنِ الْكِتَابَيْنِ وَكَتَبَ فِيهِمَا أَكْثَرُهَا لِأَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ: تَوَاطَأَ عَلَى ذَلِكَ جَمَاعَةٌ كَثِيرٌ مِنَ الْمَشَائِخِ انْتَهَى.

مناقب الامام الاعظم رضى الله عنه للکردری: ج 1 ص 107، 108

ترجمہ: میں نے یہ دونوں کتابیں (فقہ اکبر اور کتاب العالم والمتعلم) علامہ مولانا شمس الملت والدین کردری بزاتقنی عمادی کے ہاتھ سے لکھی ہوئی دیکھی ہیں۔ ان میں انہوں نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہ دونوں کتابیں امام صاحب کی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس پر (یعنی ان دونوں کتابوں کے امام صاحب کی تصنیف ہونے پر) مشائخ کی ایک بڑی جماعت کا اتفاق ہے۔

۲: امام الیاس بن ابراہیم السینوبی الشیبانی الحنفی (ت 891ھ) نے ”الفقہ الاکبر“ کی شرح کے شروع میں لکھتے ہیں:

لَمَّا كَانَ كِتَابُ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ هَذَا ثَبَتَ بِإِلْسَانِ الصَّحِيحِ الْأَشْهَرِ.

شرح الفقہ الاکبر: ص 1 مخطوط

۳: امام ابو المنتہی شہاب الدین احمد بن محمد المغنیساوی الرومی الحنفی (ت 1000ھ) الفقہ الاکبر کی شرح کے آغاز میں لکھتے ہیں:

إِنَّ كِتَابَ الْفُقْهِ الْأَكْبَرِ الَّذِي صَنَعَهُ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ كِتَابٌ صَحِيحٌ مَقْبُولٌ.

الكتاب الاغر: ص 1

ترجمہ: بلاشبہ الفقہ الاکبر جو امام اعظم کی تصنیف ہے صحیح اور مقبول کتاب ہے۔

[3]: حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی جلالتِ شان، آپ کا علمی تجربہ اور وسعتِ اطلاع ہمارے ہاں مسلم ہے لیکن کمال انبیاء علیہم السلام ہی کا خاصہ ہے۔ ایسا ممکن ہے کہ کسی امتی کی نگاہ ایک مسئلہ کے کسی گوشے پر نہ جاسکے خواہ وہ کتنے ہی اونچے علمی مقام پر فائز ہو۔ اس لیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بابت بھی یہی گمان ہے کہ عین ممکن ہے کہ ان کی نظر تصحیحات پر نہ پڑی ہو۔ اگر یہ امور آپ کے سامنے بھی آ جاتے تو ضرور بالضرور آپ بھی الفقہ الاکبر کے استناد کو درست قرار دیتے۔

اشکال نمبر 5:

الفقہ الاکبر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کی ابتدائی عبارت ”قَالَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ أَبُو حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ“ ہے جو کہ یقیناً تعریفی جملہ ہے۔ امام صاحب کے قلم سے ایسا جملہ نکلنا خلافِ تواضع ہے کہ اتنی عظیم شخصیت اپنے بارے میں ایسے تعریفی و توصیفی جملے کیسے کہہ سکتی ہے؟ اس لیے اس جملہ سے کتاب کی نسبت امام صاحب کی طرف مشکوک ہو جاتی ہے۔

جواب:

ہمارے زیرِ درس ”الفقہ الاکبر“ کا یہ نسخہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے امام حماد بن ابی حنیفہ رحمہما اللہ کی روایت سے مروی ہے۔ علمائے سابقین میں تصنیف و تالیف کا عمومی طرز یہ رہا ہے کہ صاحب کتاب اپنی کتاب؛ تلامذہ کو املاء کر دیتے تھے۔ طلبہ اس املاء شدہ مسودہ کو جب آگے اپنے تلامذہ کو نقل کراتے تو اپنے استاد کی طرف

اس کتاب کے انتساب میں استاذ کا نام لیتے۔ ظاہر ہے استاذ کا نام ان کے مقام و مرتبہ اور عظمت کو ملحوظ رکھ کر ہی لیا جاتا ہے۔ اس لیے شاگرد اس کا اہتمام کرتے کہ استاذ کے لقب اور دعائیہ کلمات کو ذکر کرتے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہوئے راوی کتاب نے بھی یہ کلمات تحریر کروائے جو شاگرد در شاگرد نقل ہوتے ہوئے ہم تک روایت ہوتے چلے آئے ہیں۔

یہ طرز انتساب کئی کتب میں ملتا ہے۔ چند کتب کا ابتدائیہ ملاحظہ ہو۔

1: کنز الدقائق (علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسفی الحنفی ت 710ھ) کا ابتدائیہ یوں ہے:

قَالَ مَوْلَانَا الْخَبْرُ النَّحْوِيُّ صَاحِبُ الْبَيَانِ وَالْبَنَانِ فِي التَّقْرِيرِ وَالتَّحْرِيرِ كَاشِفُ الْمُشْكِلَاتِ وَالْمُعْضَلَاتِ مُبَيِّنُ الْكِنَايَاتِ وَالْإِرْشَادَاتِ مَنْبَعُ الْعُلَى عِلْمُ الْهُدَى أَفْضَلُ الْوُزَى حَافِظُ الْحَقِّ وَالْمِلَّةِ وَالِدَيْنِ شَمْسُ الْإِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِينَ وَارِثُ الْعُلُومِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ أَبُو الْبَرَكَاتِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ النَّسْفِيُّ.

2: کتاب جامع العلوم والحکم (امام زین الدین عبد الرحمن بن احمد بن رجب الحنبلی ت 795ھ) کا ابتدائیہ یہ ہے:

قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ الْعَالِمُ الْأَوْحَدُ شَرَفُ الْإِسْلَامِ مُفْنِي الْأَكَامِ بِقِيَّةِ السَّلَفِ الْكِرَامِ الشَّيْخُ زَيْنُ الدِّينِ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الشَّيْخِ الْعَلَامَةِ شَهَابِ الدِّينِ أَحْمَدَ ابْنِ الشَّيْخِ الْإِمَامِ رَجَبِ الْبَغْدَادِيِّ فَسَّحَ اللَّهُ فِي مَدَنِهِ وَنَفَعَ بِهِ وَأَمْتَعَ الْمُسْلِمِينَ بِطَوْلِ بَقَائِهِ بِمَنِّهِ وَكَرَمِهِ.

3: کتاب ”الاتقان فی علوم القرآن“ (علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر

السیوطی الشافعی (ت 911ھ) کا ابتدائیہ یوں ہے:

قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ الْعَالِمُ الْعَلَّامَةُ الْحَبْرُ الْبَحْرُ الْفَهَامَةُ، الْمُحَقِّقُ الْمَدَقِّقُ  
الْحُجَّةُ الْحَافِظُ الْمُجْتَهِدُ شَيْخُ الْإِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِينَ وَارِثُ عُلُومِ سَيِّدِ  
الْمُرْسَلِينَ جَلَّالَ الدِّينِ أَوْحَدُ الْمُجْتَهِدِينَ أَبُو الْفَضْلِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنُ سَيِّدِنَا  
الشَّيْخِ الْمَرْحُومِ كَمَالُ الدِّينِ عَالِمُ الْمُسْلِمِينَ أَبُو الْمَنَاقِبِ السُّيُوطِيُّ  
الشَّافِعِيُّ.

اس لیے تصانیف کے اس طرز کو دیکھتے ہوئے یہ اشکال رفع ہو جانا چاہیے کہ

صاحب کتاب خود اپنی کتاب میں اپنا لقب اور دعائیہ کلمات کس طرح لکھ سکتے ہیں !!

## متن الفقه الأكبر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَالَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ أَبُو حَنِيفَةَ النُّعْمَانُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ:

أَصْلُ التَّوْحِيدِ وَمَا يَصْحُحُ الْإِعْتِقَادُ عَلَيْهِ يَجِبُ أَنْ يَقُولَ: آمَنْتُ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالتَّبَعْتُ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْقَدَرِ خَيْرَهُ وَشَرَّهُ مِنْ اللَّهِ تَعَالَى وَالْحِسَابِ وَالْمِيزَانِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ حَقٌّ كُلُّهُ وَاللَّهُ تَعَالَى وَاحِدٌ لَا مِنْ طَرِيقِ الْعَدَدِ وَلَكِنْ مِنْ طَرِيقِ أَنَّهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ لَا يُشَبِّهُ شَيْئًا مِنَ الْأَشْيَاءِ مِنْ خَلْقِهِ وَلَا يُشَبِّهُهُ شَيْءٌ مِنْ خَلْقِهِ لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ بِأَسْمَائِهِ وَصِفَاتِهِ الدَّائِمَةِ وَالْفِعْلِيَّةِ، أَمَّا الدَّائِمَةُ فَالْحَيَاةُ وَالْقُدْرَةُ وَالْعِلْمُ وَالْكَلَامُ وَالسَّمْعُ وَالْبَصَرُ وَالْإِرَادَةُ وَأَمَّا الْفِعْلِيَّةُ فَالتَّخْلِيقُ وَالنَّزْزِيلُ وَالْإِنْشَاءُ وَالْإِبْدَاعُ وَالصَّنْعُ وَغَيْرُ ذَلِكَ مِنْ صِفَاتِ الْفِعْلِ لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ بِصِفَاتِهِ وَأَسْمَائِهِ لَمْ يَخْدُثْ لَهُ صِفَةٌ وَلَا اسْمٌ لَمْ يَزَلْ عَالِمًا بِعِلْمِهِ وَالْعِلْمُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَقَادِرًا بِقُدْرَتِهِ وَالْقُدْرَةُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَمُتَكَلِّمًا بِكَلَامِهِ وَالْكَلَامُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَخَالِقًا بِتَخْلِيقِهِ وَالتَّخْلِيقُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَقَاعِلًا بِفِعْلِهِ وَالْفِعْلُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَالْفَاعِلُ هُوَ اللَّهُ تَعَالَى وَالْفِعْلُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَالْمَفْعُولُ مَخْلُوقٌ وَفَعَلَ اللَّهُ تَعَالَى غَيْرَ مَخْلُوقٍ وَصِفَاتُهُ فِي الْأَزَلِ غَيْرُ مُحَدَّثَةٍ وَلَا مُحْلُوقَةٍ وَمَنْ قَالَ إِنَّهَا مُحْلُوقَةٌ أَوْ مُحَدَّثَةٌ أَوْ وَقَفَ أَوْ شَكَّ فِيهَا فَهُوَ كَافِرٌ بِاللَّهِ تَعَالَى وَالْقُرْآنُ كَلَامُ اللَّهِ تَعَالَى فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوبٌ وَفِي الْقُلُوبِ مُحْفُوظٌ وَعَلَى الْأَلْسُنِ مَقْرُوءٌ وَعَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَنْزَّلٌ وَلَفْظُنَا بِالْقُرْآنِ مَخْلُوقٌ وَكِتَابَتُنَا لَهُ مُحْلُوقَةٌ وَقِرَاءَتُنَا لَهُ مُحْلُوقَةٌ وَالْقُرْآنُ غَيْرُ مَخْلُوقٍ وَمَا ذَكَرَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْقُرْآنِ حِكَايَةً عَنْ مُوسَى وَغَيْرِهِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَعَنْ

فِرْعَوْنَ وَإِبْلِيسَ فَإِنَّ ذَلِكَ كُلَّهُ كَلَامُ اللَّهِ تَعَالَى إِنْخَبَارًا عَنْهُمْ وَكَلَامُ اللَّهِ تَعَالَى  
غَيْرُ مَخْلُوقٍ وَكَلَامُ مُوسَى وَغَيْرِهِ مِنَ الْمَخْلُوقِينَ مَخْلُوقٌ، وَالْقُرْآنُ كَلَامُ اللَّهِ  
تَعَالَى فَهُوَ قَدِيمٌ لَا كَلَامُهُمْ وَسَمِعَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ كَلَامَ اللَّهِ تَعَالَى كَمَا فِي  
قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا﴾ وَقَدْ كَانَ اللَّهُ تَعَالَى مُتَكَلِّمًا وَلَمْ يَكُنْ  
كَلَمَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَدْ كَانَ اللَّهُ تَعَالَى خَالِقًا فِي الْأَزَلِ وَلَمْ يَخْلُقِ الْخَلْقَ  
﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ فَلَمَّا كَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى كَلَّمَهُ بِكَلَامِهِ  
الَّذِي هُوَ لَهُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَصِفَاتُهُ كُلُّهَا بِخِلَافِ صِفَاتِ الْمَخْلُوقِينَ يَعْلَمُ لَا  
كَعِلْمِنَا وَيَقْدِرُ لَا كَقُدْرَتِنَا وَيَرَى لَا كَرُؤُوتِنَا وَيَتَكَلَّمُ لَا كَكَلَامِنَا وَيَسْمَعُ لَا  
كَسَمْعِنَا وَنَحْنُ نَتَكَلَّمُ بِالْأَلَاةِ وَالْحُرُوفِ وَاللَّهُ تَعَالَى يَتَكَلَّمُ بِلَا أَلَةٍ وَلَا حُرُوفٍ  
وَالْحُرُوفُ مَخْلُوقَةٌ وَكَلَامُ اللَّهِ تَعَالَى غَيْرُ مَخْلُوقٍ وَهُوَ شَيْءٌ لَا كَالْأَشْيَاءِ وَمَعْنَى  
الشَّيْءِ الثَّابِتِ بِلَا جِسْمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَلَا عَرِضٍ وَلَا حَدٍّ وَلَا ضِدٍّ وَلَا يَدَّلُهُ  
وَلَا مِثْلَ لَهُ وَلَهُ يَدٌ وَوَجْهٌ وَنَفْسٌ كَمَا ذَكَرَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْقُرْآنِ فَمَا ذَكَرَهُ اللَّهُ فِي  
الْقُرْآنِ مِنْ ذِكْرِ الْوَجْهِ وَالْيَدِ وَالنَّفْسِ فَهُوَ لَهُ صِفَاتٌ بِلَا كَيْفٍ وَلَا يُقَالُ إِنَّ  
يَدَهُ قُدْرَتُهُ أَوْ نِعْمَتُهُ لِأَنَّ فِيهِ إِبْطَالُ الصِّفَةِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْقَدْرِ وَالْإِعْزَالِ  
وَلَكِنْ يَدُهُ صِفَتُهُ بِلَا كَيْفٍ وَغَضَبُهُ وَرِضَاهُ صِفَتَانِ مِنْ صِفَاتِ اللَّهِ تَعَالَى بِلَا  
كَيْفٍ خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَى الْأَشْيَاءَ لَا مِنْ شَيْءٍ وَكَانَ اللَّهُ تَعَالَى غَالِبًا فِي الْأَزَلِ  
بِالْأَشْيَاءِ قَبْلَ كَوْنِهَا وَهُوَ الَّذِي قَدَّرَ الْأَشْيَاءَ وَقَضَاهَا وَلَا يَكُونُ فِي الدُّنْيَا وَلَا  
فِي الْآخِرَةِ شَيْءٌ إِلَّا بِمَشِيئَتِهِ وَعِلْمِهِ وَقَضَائِهِ وَكُتِبَ فِي اللُّوحِ الْمَحْفُوظِ  
وَلَكِنْ كُتِبَ بِالْوَصْفِ لَا بِالْحُكْمِ وَالْقَضَاءِ وَالْقُدْرُ وَالْمَشِيئَةُ صِفَاتُهُ فِي الْأَزَلِ  
بِلَا كَيْفٍ يَعْلَمُ اللَّهُ تَعَالَى الْمَعْدُومَ فِي حَالِ عَدَمِهِ مَعْدُومًا وَيَعْلَمُ أَنَّهُ كَيْفَ  
يَكُونُ إِذَا أَوْجَدَهُ وَيَعْلَمُ اللَّهُ الْمَوْجُودَ فِي حَالِ وُجُودِهِ مَوْجُودًا وَيَعْلَمُ أَنَّهُ كَيْفَ  
يَكُونُ فَنَأُوْهُ وَيَعْلَمُ اللَّهُ الْقَائِمَ فِي حَالِ قِيَامِهِ قَائِمًا وَإِذَا قَعَدَ فَقَدْ عَلِمَهُ قَاعِدًا

فِي حَالِ قُعودِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَتَغَيَّرَ عَلَيْهِ أَوْ يَحْدُثَ لَهُ عِلْمٌ وَلَكِنْ التَّغَيُّرُ  
وَالْإِخْتِلَافُ يَحْدُثُ عِنْدَ الْمَخْلُوقِينَ خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَى الْخَلْقَ سَلِيمًا مِنَ الْكُفْرِ  
وَالْإِيمَانِ ثُمَّ خَاطَبَهُمْ وَأَمَرَهُمْ وَنَهَاهُمْ فَكَفَرُ مَنْ كَفَرَ بِفِعْلِهِ وَإِنْكَارِهِ وَجُودِهِ  
الْحَقِّ بِخُذْلَانِ اللَّهِ تَعَالَى إِيَّاهُ وَأَمِنَ مَنْ آمَنَ بِفِعْلِهِ وَإِقْرَارِهِ وَتَصْدِيقِهِ بِتَوْفِيقِ اللَّهِ  
تَعَالَى إِيَّاهُ وَنُصْرَتِهِ لَهُ أَخْرَجَ ذُرِّيَّةَ آدَمَ مِنْ صُلْبِهِ فَجَعَلَهُمْ عُقَلَاءَ فَخَاطَبَهُمْ  
وَأَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ وَنَهَاهُمْ عَنِ الْكُفْرِ فَأَقْرَأُوا لَهُ بِالرَّبُوبِيَّةِ فَكَانَ ذَلِكَ مِنْهُمْ  
إِجْمَاعًا فَهُمْ يُؤَلِّدُونَ عَلَى تِلْكَ الْفِطْرَةِ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَقَدْ بَدَّلَ وَغَيَّرَ وَمَنْ  
آمَنَ وَصَدَّقَ فَقَدْ ثَبَتَ عَلَيْهِ وَدَاوَمَ وَلَمْ يُجْبِزْ أَحَدًا مِنْ خَلْقِهِ عَلَى الْكُفْرِ وَلَا عَلَى  
الْإِيمَانِ وَلَا خَلَقَهُمْ مُؤْمِنًا وَلَا كَافِرًا وَلَكِنْ خَلَقَهُمْ أَشْخَاصًا وَالْإِيمَانُ وَالْكُفْرُ  
فِعْلُ الْعِبَادِ وَيَعْلَمُ اللَّهُ تَعَالَى مَنْ يَكْفُرُ فِي حَالِ كُفْرِهِ كَافِرًا فَإِذَا آمَنَ بَعْدَ ذَلِكَ  
عَلَيْهِ مُؤْمِنًا فِي حَالِ إِيمَانِهِ وَأَحَبَّهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَتَغَيَّرَ عَلَيْهِ وَصِفَتُهُ وَجَمِيعُ  
أَفْعَالِ الْعِبَادِ مِنَ الْحَرَكَةِ وَالسَّكُونِ كَسْبُهُمْ عَلَى الْحَقِيقَةِ وَاللَّهُ تَعَالَى خَالِقُهَا  
وَهِيَ كُلُّهَا بِمَشِيئَتِهِ وَعَلَيْهِ وَقَضَائِهِ وَقُدْرِهِ وَالطَّاعَاتُ كُلُّهَا مَا كَانَتْ وَاجِبَةً  
بِأَمْرِ اللَّهِ تَعَالَى وَبِمَحَبَّتِهِ وَبِرِضَائِهِ وَعَلَيْهِ وَبِمَشِيئَتِهِ وَقَضَائِهِ وَتَقْدِيرِهِ  
وَالْمَعَاصِي كُلُّهَا بِعَلْمِهِ وَقَضَائِهِ وَتَقْدِيرِهِ وَبِمَشِيئَتِهِ لَا بِمَحَبَّتِهِ وَلَا بِرِضَائِهِ وَلَا  
بِأَمْرِهِ وَالْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كُلُّهُمْ مُنْزَهُونَ عَنِ الصَّغَائِرِ  
وَالْكِبَائِرِ وَالْقَبَائِحِ وَقَدْ كَانَتْ مِنْهُمْ زَلَالٌ وَخَطَايَا وَمُحَمَّدٌ عَلَيْهِ  
الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حَبِيبُهُ وَعَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَنَبِيُّهُ وَصَفِيُّهُ وَمُنْتَقَاهُ وَلَمْ يَعْبُدِ  
الضَّنَمَ وَلَمْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ تَعَالَى طَرْفَةَ عَيْنٍ قَطُّ وَلَمْ يَزْكَبْ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً  
قَطُّ وَأَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ النَّبِيِّينَ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ  
ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الْفَارُوقُ ثُمَّ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ دُو الثَّوْرَيْنِ ثُمَّ عَلِيُّ بْنُ أَبِي  
طَالِبٍ الْمُرْتَضَى رَضَوَانِ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ عَابِدِينَ ثَابِتِينَ عَلَى الْحَقِّ وَمَعَ الْحَقِّ



نَتَوَلَّاهُمْ بِجَمِيعًا وَلَا نَذْكُرُ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ إِلَّا بِخَيْرٍ وَلَا نُكْفِّرُ  
مُسْلِمًا بِذَنْبٍ مِنَ الذُّنُوبِ وَإِنْ كَانَتْ كَبِيرَةً إِذَا لَمْ يَسْتَحْلِلْهَا وَلَا نُزِيلُ عَنْهُ اسْمَ  
الْإِيمَانِ وَنُسَبِّحُهُ مُؤْمِنًا حَقِيقَةً وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ مُؤْمِنًا فَاسِقًا غَيْرَ كَافِرٍ  
وَالْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ سُنَّةٌ وَالتَّزَاوُجُ فِي لَيْلِ شَهْرِ رَمَضَانَ سُنَّةٌ وَالصَّلَاةُ خَلْفَ  
كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ جَائِزَةٌ وَلَا نَقُولُ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا تَطْرُقُ الذُّنُوبُ وَلَا  
نَقُولُ إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ النَّارَ وَلَا نَقُولُ إِنَّهُ يَخْلُدُ فِيهَا وَإِنْ كَانَ فَاسِقًا بَعْدَ أَنْ يَخْرُجَ  
مِنَ الدُّنْيَا مُؤْمِنًا وَلَا نَقُولُ إِنَّ حَسَنَاتِنَا مَقْبُولَةٌ وَسَيِّئَاتِنَا مَغْفُورَةٌ كَقَوْلِ  
الْمُرْجَةِ وَلَكِنْ نَقُولُ مَنْ عَمِلَ حَسَنَةً بِجَمِيعِ شَرَائِطِهَا خَالِيَةً عَنِ الْعُيُوبِ  
الْمُفْسِدَةِ وَلَمْ يُبْطِلْهَا بِالْكُفْرِ وَالرِّدَّةِ حَتَّى خَرَجَ مِنَ الدُّنْيَا مُؤْمِنًا فَإِنَّ اللَّهَ  
تَعَالَى لَا يُضِيعُهَا بَلْ يَقْبَلُهَا مِنْهُ وَيُثَبِّتُهَا عَلَيْهَا وَمَا كَانَ مِنَ السَّيِّئَاتِ دُونَ  
الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ وَلَمْ يَنْتَبِ عَنْهَا صَاحِبُهَا حَتَّى مَاتَ مُؤْمِنًا فِي مَشِيئَةِ اللَّهِ تَعَالَى  
إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَلَمْ يُعَذِّبْ بِالنَّارِ أَصْلًا وَالرِّيَاءُ إِذَا وَقَعَ فِي عَمَلٍ  
مِنَ الْأَعْمَالِ فَإِنَّهُ يُبْطِلُ أَجْرَهُ وَكَذَلِكَ الْعُجْبُ وَالْآيَاتُ لِلْأَنْبِيَاءِ وَالْكَرَامَاتُ  
لِلْأَوْلِيَاءِ حَقٌّ وَأَمَّا الَّتِي تَكُونُ لِأَعْدَائِهِ مِثْلُ إِبْلِيسَ وَفِرْعَوْنَ وَالذَّجَالِ مِمَّا  
رُويَ فِي الْأَخْبَارِ أَنَّهُ كَانَ وَيَكُونُ لَهُمْ لَا نُسَبِّحُهَا آيَاتٍ وَلَا كَرَامَاتٍ وَلَكِنْ  
نُسَبِّحُهَا قَضَاءَ حَاجَاتِهِمْ وَذَلِكَ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقْضِي حَاجَاتِ أَعْدَائِهِ  
اسْتِدْرَاجًا لَهُمْ وَعُقُوبَةً لَهُمْ فَيَغْتَرُّونَ بِهِ وَيَزْدَادُونَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا وَكُلُّهُ جَائِزٌ  
مُمْكِنٌ لَا يَسْتَحِيلُ وَكَانَ اللَّهُ تَعَالَى خَالِقًا قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ وَرَاقًا قَبْلَ أَنْ يَزِيْرُقَ  
وَاللَّهُ تَعَالَى يُرَى فِي الْآخِرَةِ وَيَرَاهُ الْمُؤْمِنُونَ وَهُمْ فِي الْجَنَّةِ بِأَعْيُنِ رُؤُوسِهِمْ بِلَا  
تَشْبِيهِ وَلَا كَيْفِيَّةٍ وَلَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ خَلْقِهِ مَسَافَةٌ وَالْإِيمَانُ هُوَ الْإِقْرَارُ  
وَالْتَّصْدِيقُ وَالْإِيمَانُ أَهْلُ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ وَالْمُؤْمِنُونَ  
مُسْتَوُونَ فِي الْإِيمَانِ وَالتَّوْحِيدِ مُتَفَاضِلُونَ فِي الْأَعْمَالِ وَالْإِسْلَامُ هُوَ

التَّسْلِيمُ وَالْإِنْقِيَادُ لِأَوَامِرِ اللَّهِ تَعَالَى فَمِنْ طَرِيقِ اللُّغَةِ فَرَّقَ بَيْنَ الْإِسْلَامِ  
وَالْإِيْمَانِ وَلَكِنْ لَا يَكُونُ إِيْمَانٌ بِلَا إِسْلَامٍ وَلَا يُوجَدُ إِسْلَامٌ بِلَا إِيْمَانٍ وَهُمَا  
كَالظَّهْرِ مَعَ الْبَطْنِ وَالِدَيْنِ اِسْمٌ وَقَعَ عَلَى الْإِيْمَانِ وَالْإِسْلَامِ وَالشَّرَائِعِ كُلِّهَا  
تَعْرِفُ اللَّهُ تَعَالَى حَقَّ مَعْرِفَتِهِ كَمَا وَصَفَ نَفْسَهُ فِي كِتَابِهِ بِجَمِيعِ صِفَاتِهِ وَلَيْسَ  
يَقْدِرُ أَحَدٌ أَنْ يَعْبُدَ اللَّهَ حَقَّ عِبَادَتِهِ كَمَا هُوَ أَهْلٌ لَهُ وَلَكِنَّهُ يَعْبُدُهُ بِأَمْرِهِ كَمَا  
أَمَرَهُ بِكِتَابِهِ وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ وَيَسْتَوِي الْمُؤْمِنُونَ كُلُّهُمْ فِي الْمَعْرِفَةِ وَالْيَقِينِ  
وَالْتَّوَكُّلِ وَالْمَحَبَّةِ وَالرِّضَاءِ وَالْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ وَالْإِيْمَانِ فِي ذَلِكَ وَيَتَفَاوَتُونَ فِيهَا  
دُونَ الْإِيْمَانِ فِي ذَلِكَ كُلِّهِ وَاللَّهُ تَعَالَى مُتَفَضِّلٌ عَلَى عِبَادِهِ عَادِلٌ قَدْ يُعْطَى مِنَ  
الثَّوَابِ أَضْعَافَ مَا يَسْتَوْجِبُهُ الْعَبْدُ تَفَضُّلاً مِنْهُ وَقَدْ يُعَاقَبُ عَلَى الذَّنْبِ عَذَاباً  
مِنْهُ وَقَدْ يَغْفُو فَضْلاً مِنْهُ وَشَفَاعَةُ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ حَقٌّ وَشَفَاعَةُ  
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُؤْمِنِينَ الْمُنِيبِينَ وَلَا أَهْلَ الْكِبَائِرِ مِنْهُمْ  
الْمُسْتَوْجِبِينَ الْعِقَابِ حَقٌّ ثَابِتٌ وَوَزُنُ الْأَعْمَالِ بِالْمِيزَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَقٌّ  
وَحَوْضُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حَقٌّ وَالْقِصَاصُ فِيهَا بَيْنَ الْخُصُومِ  
بِالْحَسَنَاتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَقٌّ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمُ الْحَسَنَاتُ فَطَرَحُ السَّيِّئَاتِ  
عَلَيْهِمْ حَقٌّ جَائِزٌ وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ مَخْلُوقَتَانِ الْيَوْمَ لَا تَفْنِيَانِ أَبَدًا لَا تَمُوتُ الْحُورُ  
الْعِينُ وَلَا يَفْنِي عِقَابُ اللَّهِ تَعَالَى وَلَا ثَوَابُهُ سَرْمَدًا وَاللَّهُ تَعَالَى يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ  
فَضْلاً مِنْهُ وَيُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ عَذَاباً مِنْهُ وَإِضْلَالُهُ خِذْلَانُهُ وَتَفْسِيرُ الْخِذْلَانِ أَنْ لَا  
يُوقِقَ الْعَبْدُ إِلَى مَا يَرْضَاهُ عَنْهُ وَهُوَ عَدْلٌ مِنْهُ وَكَذَا عَقُوبَةُ الْمَخْذُولِ عَلَى  
الْمَعْصِيَةِ وَلَا يَجُوزُ أَنْ نَقُولَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْلُبُ الْإِيْمَانَ مِنَ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ  
قَهْرًا وَجَبْرًا وَلَكِنْ نَقُولُ الْعَبْدُ يَدْعُ الْإِيْمَانَ فَيُحْيِيهِ يَسْلُبُهُ مِنْهُ الشَّيْطَانُ  
وَسُؤَالُ مُنْكَرٍ وَنَكِيرٍ حَقٌّ كَائِنٌ فِي الْقَبْرِ وَعَادَةُ الرُّوحِ إِلَى الْجَسَدِ فِي قَبْرِهَ حَقٌّ  
وَضَغْطَةُ الْقَبْرِ وَعَذَابُهُ حَقٌّ كَائِنٌ لِلْكَفَّارِ كُلِّهِمْ وَلِبَعْضِ عَصَاةِ الْمُؤْمِنِينَ وَكُلُّ

شَيْءٍ ذَكَرَهُ الْعُلَمَاءُ بِالْفَارِسِيَّةِ مِنْ صِفَاتِ اللَّهِ عَزَّ اسْمُهُ تَجَاوَزَ الْقَوْلَ بِهِ سِوَى  
الْيَدِّ بِالْفَارِسِيَّةِ وَيَجُوزُ أَنْ يُقَالَ "بروئے خدا" أَيْ عَزَّ وَجَلَّ بِلَا تَشْبِيهِ وَلَا  
كَيْفِيَّةٍ وَلَيْسَ قُرْبُ اللَّهِ تَعَالَى وَلَا بُعْدُهُ مِنْ طَرِيقِ طُولِ الْمَسَافَةِ وَقَصَرُهَا  
وَلَكِنْ عَلَى مَعْنَى الْكَرَامَةِ وَالْهَوَانِ وَالْمُطِيعِ قَرِيبٌ مِنْهُ بِلَا كَيْفٍ وَالْعَاصِي  
بَعِيدٌ مِنْهُ بِلَا كَيْفٍ وَالْقُرْبُ وَالْبُعْدُ وَالْإِقْبَالُ يَقَعُ عَلَى الْمُنَاجَى وَكَذَلِكَ  
جَوَادُهُ فِي الْحِجَّةِ وَالْوُقُوفُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِلَا كَيْفٍ وَالْقُرْآنُ مُنْزَّلٌ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوبٌ وَأَيَّاتُ الْقُرْآنِ فِي مَعْنَى  
الْكَلَامِ كُلُّهَا مُسْتَوِيَّةٌ فِي الْفَضِيلَةِ وَالْعِظَمَةِ إِلَّا أَنْ لِبَعْضِهَا فَضِيلَةٌ الدِّكْرِ  
وَفَضِيلَةُ الْمَذْكُورِ مِثْلُ آيَةِ الْكُرْسِيِّ لِأَنَّ الْمَذْكُورَ فِيهَا جَلَالَ اللَّهِ تَعَالَى  
وَعِظَمَتُهُ وَصِفَاتُهُ فَاجْتَمَعَتْ فِيهَا فَضِيلَتَانِ ، فَضِيلَةُ الدِّكْرِ وَفَضِيلَةُ  
الْمَذْكُورِ وَلِبَعْضِهَا فَضِيلَةُ الدِّكْرِ فَحَسِبْ مِثْلَ قِصَّةِ الْكُفَّارِ وَلَيْسَ لِلْمَذْكُورِ  
فِيهَا فَضْلٌ وَهُمْ الْكُفَّارُ وَكَذَلِكَ الْأَسْمَاءُ وَالصِّفَاتُ كُلُّهَا مُسْتَوِيَّةٌ فِي الْعِظَمَةِ  
وَالْفَضْلِ لَا تَفَاوُتَ بَيْنَهُمَا وَالِدَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَاتَا عَلَى  
الْكُفْرِ وَأَبُو طَالِبٍ عُمَةُ مَاتَ كَافِرًا وَقَاسِمٌ وَظَاهِرٌ وَإِبْرَاهِيمُ كَانُوا بَيْنَ رَسُولِ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَاطِمَةَ وَرُقِيَّةَ وَزَيْنَبَ وَأُمِّ كُلْثُومٍ كُنَّ بِجَمِيعَاتِنَا  
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِذَا أَشْكَلَ عَلَى الْإِنْسَانِ شَيْءٌ مِنْ دَقَائِقِ عِلْمِ  
التَّوْحِيدِ فَإِنَّهُ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَعْتَقِدَ فِي الْحَالِ مَا هُوَ الصَّوَابُ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى إِلَى أَنْ  
يَجِدَ عَالِمًا فَيَسْأَلَهُ وَلَا يَسْعُهُ تَأْخِيرُ الظَّلَبِ وَلَا يُعْذَرُ بِالْوُقُوفِ فِيهِ وَيُكْفَرُ إِنْ  
وَقَفَ فِيهِ وَخَبَرَ الْبُعْرَاجَ حَقَّ مَنْ رَدَّاهُ فَهُوَ مُبْتَدِعٌ ضَالٌّ وَخُرُوجُ الدَّجَالِ  
وَيَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَظُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَنُزُولُ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ  
مِنْ السَّمَاءِ وَسَائِرُ عِلَالِمَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ عَلَى مَا وَرَدَتْ بِهِ الْأَخْبَارُ الصَّحِيحَةُ  
حَقٌّ كَائِنٌ وَاللَّهُ تَعَالَى يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ.

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَالَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ أَبُو حَنِيفَةَ النُّعْمَانُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ:

ترجمہ: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

الفقہ الاکبر:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کی تعریف یوں کی ہے:

وَالْفِقْهُ مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَا لَهَا وَمَا عَلَيْهَا.

التوضیح والتلویح للفتا زانی: ص 28

ترجمہ: فقہ ان چیزوں کے پہچاننے کا نام ہے جو انسان کے لیے مفید ہوں یا جو مضر ہوں۔

انسان کے لیے جو چیزیں مفید یا مضر ہوں ان کی دو قسمیں ہیں:

1: اعتقادی و فکری، انہیں عقائد کہتے ہیں۔

2: عملی، انہیں مسائل کہتے ہیں۔

عقائد کے علم کو ”فقہ اکبر“ اور مسائل کے علم کو ”فقہ اصغر“ کہتے ہیں۔

بالفاظ دیگر ”فقہ اکبر“ علم الکلام اور ”فقہ اصغر“ علم الفقہ ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

کی کتاب کا نام ”الفقہ الاکبر“ اس لیے ہے کہ اس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اعتقادات

اور نظریات کو بیان فرمایا ہے۔

امام ابو المؤید موفق بن احمد الخوارزمی المکی الحنفی (ت 568ھ) نے اپنی سند

کے ساتھ امام حماد بن ابی حنیفہ رحمہما اللہ سے روایت کیا ہے:

عَنْ حَمَادٍ قَالَ: كَانَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَأْمُرُنِي بِطَلَبِ الْكَلَامِ وَيَحْدُونِي كَثِيرًا

عَلَيْهِ وَيَقُولُ: يَا بُنَيَّ! تَعَلَّمِ الْكَلَامَ فَإِنَّهُ الْفِقْهُ الْأَكْبَرُ.

مناقب الامام الاعظم للمصنف ج 1 ص 207، 208

ترجمہ: امام حماد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے والد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ مجھے علم الکلام سیکھنے کا حکم فرماتے تھے اور اس کے حصول پر مجھے ابھارتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا! علم الکلام حاصل کرو کیونکہ یہ فقہ اکبر ہے۔  
قَوْلُهُ: الْإِمَامُ

”امام“ کا لفظ کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً

1: مقتداء و پیشوا: (اس میں فقیہ و مجتہد بھی شامل ہے)

قرآن کریم میں ہے:

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَرْوَاجِنَا وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا

سورۃ الفرقان: 74

ترجمہ: اور جو اللہ سے یہ دعا مانگتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقیوں کا امام بنادے!  
2: نماز پڑھانے والا شخص:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا.

سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث 846

ترجمہ: امام اس لیے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے۔ جب امام تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔  
3: حاکم وقت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمْ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ؛ الْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّتَا فِي اللَّهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ أَمْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنْ أَحَافَ اللَّهُ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ أَخْفَى حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 660

ترجمہ: سات قسم کے آدمی ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے (عرش کے) سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہیں ہو گا۔ پہلا انصاف کرنے والا حکمران، دوسرا وہ نوجوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہا ہو، تیسرا وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہو، چوتھے ایسے دو شخص جو محض اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہوں، ان کے ملنے اور جدا ہونے کی بنیاد یہی محبت الہی ہو، پانچواں وہ شخص جس کو کسی باعزت اور حسین و جمیل عورت نے (گناہ کی) دعوت دی تو اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، چھٹا وہ آدمی جس نے اس قدر پوشیدہ طور پر صدقہ کیا کہ اس کے بایں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوئی کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے اور ساتواں وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کے آنسو جاری ہو گئے۔

ان سات افراد میں ایک شخص ”الْإِمَامُ الْعَادِلُ“ ہے یعنی ایسا حکمران جو عدل و انصاف کرنے والا ہو۔

یہاں متن میں موجود لفظ ”الْإِمَامُ“ سے مراد پہلا معنی ”مقتداء و پیشوا“ ہے یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فنِ فقہ میں امت کے مقتداء و پیشوا اور مجتہد و

فقیہ ہیں اور آپ کو فقہ میں امت کی رہنمائی کرنے کا منصب حاصل ہے۔  
قَوْلُهُ: الْأَعْظَمُ

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ”امام اعظم“ کہتے ہیں۔ ”امام اعظم“ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد امت میں جتنے مجتہدین گزرے ہیں آپ رحمۃ اللہ علیہ ان میں سب سے بڑے مجتہد ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ”امام اعظم“ کئی ایک حضرات نے کہا ہے۔  
ذیل میں چند حضرات کے حوالہ جات تحریر کیے جاتے ہیں:

1: امام ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری (ت 324ھ) فرماتے ہیں:

وَحَاشَى الْإِمَامِ الْأَعْظَمِ أَبُو حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مِنْ هَذَا الْقَوْلِ بَلْ هُوَ زَوْرٌ  
وَبَاطِلٌ فَإِنَّ أَبَا حَنِيفَةَ مِنْ أَفْضَلِ أَهْلِ السُّنَّةِ.

الإبانة عن اصول الديانة: ج 1 ص 87

ترجمہ: امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ایسی بات (کہ قرآن مخلوق ہے) ہر گز نہیں فرما سکتے بلکہ یہ تو (آپ پر) جھوٹ اور بہتان ہے۔ وجہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کا شمار اہل السنۃ کے افضل طبقہ میں ہوتا ہے۔

2: امام ابو سعد عبد الکریم بن محمد السمعانی (ت 562ھ) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھتے ہیں:

وُلِدَ بِغَزَّةَ مِنْ بِلَادِ فَلَسْطِينَ بِنَوَاحِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ سَنَةَ خَمْسِينَ وَمِائَةً، لَعَلَّهُ  
مَاتَ فِي يَوْمِهَا الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ أَبُو حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

کتاب الانساب: ج 3 ص 379

ترجمہ: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فلسطین کے شہر غزہ میں پیدا ہوئے جو بیت المقدس کے گرد و نواح میں واقع ہے۔ شاید اسی دن امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات

ہوئی۔

3: امام ابوالمؤید موفق بن احمد الخوارزمی المکی الحنفی (ت 568ھ) نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے فضائل پر ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کا نام ”مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ واکرم“ رکھا۔

4: امام عزالدین ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالکریم ابن اثیر الجزری (ت 630ھ) لکھتے ہیں:

وَفِي هَذِهِ السَّنَةِ مَاتَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ أَبُو حَنِيفَةَ النُّعْمَانُ بْنُ ثَابِتٍ.

اکمال فی التاريخ: ج 5 ص 192

ترجمہ: اسی سال (سن 150 ہجری میں) امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کی وفات ہوئی۔

5: علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی الشافعی (ت 748ھ) لکھتے ہیں:

أَبُو حَنِيفَةَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ فَقِيهُ الْعِرَاقِ النُّعْمَانُ بْنُ ثَابِتِ بْنِ زُوَطَا التَّيْمِيُّ مَوْلَاهُمُ الْكُوفِيُّ مَوْلِدُهُ سَنَةَ ثَمَانَيْنِ رَأَى أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ غَيْرَ مَرَّةٍ لَهَا قَدِمَ عَلَيْهِمُ الْكُوفَةُ.

تذکرۃ الحفاظ: ج 1 ص 126

ترجمہ: ابو حنیفہ امام اعظم، فقیہ عراق نعمان بن ثابت بن زوطی تیمی کو فی سن 80 ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو کئی بار دیکھا جب وہ کوفہ تشریف لاتے تھے۔

6: حافظ الدین امام محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری الحنفی المعروف البزازی (ت 827ھ) نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے فضائل پر ایک کتاب لکھی۔ اس کا نام ”مناقب الامام الاعظم رضی اللہ عنہ“ رکھا۔



7: شیخ محی الدین محمد بن بہاؤ الدین (ت 956ھ) اپنی تصنیف ”القول الفصل شرح الفقه الاکبر“ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

وَمَا أَحَدٌ أَحَقُّ بِهَذِهِ الْأَوْصَافِ السَّنِيَّةِ وَأَوَّلَى بِالْأَخْلَاقِ الْعَلِيَّةِ إِلَّا مَنْ نُقِلَ فِي فَضْلِهِ الْأَثَارُ ... وَهُوَ سِرَاجُ أُمَّةٍ مُحَمَّدٍ وَمِنْهَا جُ مِلَّةُ أَحْمَدَ، الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ وَالْمُقْتَدَى الْمَكْرُمُ أَبُو حَنِيفَةَ الْكُوفِيُّ رَفَعَ اللَّهُ لَهُ ... فَالْتَّعَوِيلُ كُلُّ التَّعَوِيلِ لَيْسَ إِلَّا مَا جَرَى مِنْ لَفْظِهِ الْمَعْتَبَرِ وَهُوَ الْمُخْتَصَرُ الْمَنْسُوبُ إِلَيْهِ الْمَوْسُومُ بِ"الْفَقْهِ الْأَكْبَرِ" فَأَرَدْنَا أَنْ نُفَصِّلَ مُجْمَلَاتِهِ وَنَفْتَحَ مُغْلَقَاتِهِ لِتَسْهَلِ اسْتِفَادَتُهُ.

القول الفصل شرح الفقه الاکبر: 10

ترجمہ: ان عمدہ اوصاف اور اعلیٰ اخلاق کا حقدار وہی شخص ہو سکتا ہے جس کی فضیلت میں آثار منقول ہوں.... اور وہ سراج الملت، ملت احمدیہ کی روشن راہ، امام اعظم، مقتدائے مکرم ابو حنیفہ الکوفی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے مرتبے کو بلند فرمائے۔ ہمارا مکمل اعتماد صرف اسی (کتاب) پر ہے جو آپ رحمۃ اللہ علیہ سے معتبر طریقے سے ثابت ہے اور وہ آپ کی طرف منسوب مختصر سی کتاب ہے جس کا نام ”الفقه الاکبر“ ہے۔ ہم نے ارادہ کیا ہے کہ اس کی مجمل عبارات کی تفصیل کریں اور اس کی پیچیدگیوں کو کھولیں تاکہ اس سے استفادہ آسان ہو جائے۔

8: امام عبد الوہاب بن احمد الشعرانی (ت 973ھ) لکھتے ہیں:

وَمَنْ فَتَشَّ مَذْهَبَهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَجَدَهُ مِنْ أَكْثَرِ الْمَذَاهِبِ احْتِيَاطًا فِي الدِّينِ وَمَنْ قَالَ غَيْرَ ذَلِكَ فَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ الْجَاهِلِينَ الْمُتَعَصِّبِينَ الْمُنْكَرِينَ عَلَى أُمَّةِ الْهُدَى بِفَهْمِهِ السَّقِيمِ وَحَاشَا ذَلِكَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ مِنْ مِثْلِ ذَلِكَ حَاشَاءَ بَلْ هُوَ إِمَامٌ عَظِيمٌ.

الميزان الکبریٰ: ج 1 ص 150

ترجمہ: جو شخص آپ رضی اللہ عنہ کے مذہب میں غور و فکر کرے گا تو اسے یہ معلوم ہو جائے گا کہ آپ کے مذہب میں دیگر مذاہب کے مقابلے میں احتیاط بہت زیادہ ہے۔ جو شخص اس کے برخلاف کوئی بات کہتا ہے تو اس کا شمار جاہل و متعصب لوگوں میں ہوتا ہے جو اپنی فہم سقیم کی بناء پر ائمہ کا انکار کر دیتے ہیں۔ امام اعظم اس طرز سے (کہ احتیاط فی الدین نہ کرتے ہوں) بالکل بری ہیں بلکہ آپ تو بڑے امام ہیں

9: امام شہاب الدین احمد بن حجر المکی البیہقی الشافعی (ت 974ھ)

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل و مناقب پر مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام ”الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان“ رکھا ہے۔

10: امام ابو المنتہی شہاب الدین احمد بن محمد المغنیساوی الروعی الحنفی (ت 1000ھ) اپنی تصنیف ”شرح الفقہ الاکبر“ کے آغاز میں لکھتے ہیں:

إِنَّ كِتَابَ الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ الَّذِي صَنَّفَهُ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ كِتَابٌ صَحِيحٌ مُقْبُولٌ.

شرح الفقہ الاکبر: ص 1

ترجمہ: بلاشبہ الفقہ الاکبر جو امام اعظم کی تصنیف ہے صحیح اور مقبول کتاب ہے۔

11: ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی (ت 1014ھ) لکھتے ہیں:

قَالَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ وَالْهَامُّ الْأَفْخَمُ الْأَقْدَمُ فِي كِتَابِهِ الْمُسْتَبَيِّبِ "الْفِقْهُ الْأَكْبَرُ" الْمَشَارِبُ بِهِ إِلَى أَنَّهُ يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ الْإِهْتِمَامُ بِهِ هُوَ الْأَكْثَرُ لِأَنَّهُ مَدَارُ الْإِيمَانِ.

شرح الفقہ الاکبر: ص 37

ترجمہ: امام اعظم، ہام، افخم و اقدم (سب سے عظیم اور جرأت کا حامل شخص) اپنی کتاب ”الْفِقْهُ الْأَكْبَرُ“ میں فرماتے ہیں اور یہ وہ کتاب ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے

کہ اس کتاب کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرنا چاہیے (کہ اس کے مطابق اپنے اعتقادات رکھیں) کیونکہ یہی ایمان کا مدار ہے۔

12: مصطفیٰ بن عبد اللہ کاتب چلبی المعروف حاجی خلیفہ (ت 1067ھ) لکھتے ہیں:  
 الْفِقْهُ الْأَكْبَرُ فِي الْكَلَامِ لِلْإِمَامِ الْأَعْظَمِ أَبِي حَنِيفَةَ: الثُّعْمَانِ بْنِ ثَابِتٍ الْكُوفِيِّ  
 الْمُتَوَفَّى سَنَةَ خَمْسِينَ وَمِائَةٍ. رَوَى عَنْهُ أَبُو مُطِيعٍ الْبَلْخِيُّ وَاعْتَلَى بِهِ جَمَاعَةٌ مِنَ  
 الْعُلَمَاءِ فَشَرَحَهُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْفَضَلَاءِ.

کشف الظنون عن أسام الكتب والفنون: ج 2 ص 1287  
 ترجمہ: الفقہ الاکبر؛ علم الکلام میں امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوئی متوفی  
 150ھ کی کتاب ہے جو ان سے ابو مطیع البلیخی نے روایت کی ہے۔ علماء نے اس کی بہت  
 خدمت کی ہے اور کئی فضلاء نے اس کی شرح بھی تحریر کی ہے۔

13: امام ابو الفلاح عبد الحئی بن احمد بن محمد العکری الحنبلی (ت 1089ھ) اپنی کتاب  
 ”شذرات الذہب“ میں قاضی القضاۃ جمال الدین ابو الحسن یوسف بن اسکندر ابن  
 محمد بن محمد الحلبی الحنفی کے حالات میں لکھتے ہیں:  
 وَأَلَّفَ رِسَالَةً فِي تَقْوِيَةِ مَذْهَبِ الْإِمَامِ الْأَعْظَمِ فِي عَدَمِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ قَبْلَ  
 الرُّكُوعِ وَبَعْدَهُ.

شذرات الذہب: ج 8 ص 168  
 ترجمہ: آپ نے امام اعظم رحمہ اللہ کے موقف کی تائید میں رکوع سے پہلے اور  
 رکوع کے بعد رفع یدین (کے مشروع) نہ ہونے پر ایک رسالہ بھی تحریر فرمایا۔

14: ابو محمد عبد القادر بن محمد ادریس بن محمد محمود العمری الحنفی السلہتی (بنگالی) اپنی  
 تصنیف الفقہ الاکبر کی شرح ”الدر الاذہر فی شرح الفقہ الاکبر“ کی ابتداء میں لکھتے ہیں:  
 فَلَمَّا كَانَ عِلْمُ التَّوْحِيدِ أَصْلَ أَصُولِ الدِّينِ وَالْكِتَابُ الْجَلِيلُ الَّذِي صَنَّفَهُ  
 الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَسَمَّاهُ بِـ "الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ" أَوَّلَ تَصْنِيفٍ

وَأَشْمَلُ لِمَسَائِلِ التَّوْحِيدِ وَالْيَقِينِ وَقَدْ صَيَّعَتْ ذَهْرِي الْأَطْوَلُ فِي اللَّهِ  
وَالْمَعَاصِي فَالْهَبْنِي اللَّهُ تَعَالَى فِي آخِرِ عُمْرِي أَنْ أَتَرَخَ هَذَا الْكِتَابَ الْجَلِيلَ  
شَرْحًا وَجِيزًا.

الدر الازھر فی شرح الفقہ الاکبر: ص 2

ترجمہ: چونکہ علم توحید دین کے اصولوں میں سے بنیادی اصول ہے اور وہ کتاب جس کو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے تصنیف فرمایا اور اس کا نام ”الفقہ الاکبر“ رکھا عقائد کے باب میں پہلی تصنیف ہے اور توحید اور یقین کے مسائل میں جامع ترین کتاب ہے اور میری حالت یہ تھی کہ میں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ کھیل کود اور گناہوں میں ضائع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ میں اس عظیم الشان کتاب کی ایک عمدہ شرح لکھوں۔

15: علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین محمد سہالوی انصاری لکھنوی المعروف علامہ بحر العلوم (ت 1225ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ قَالَ: لَمْ يَقُلْهُ اللَّهُ تَعَالَى وَلَيْسَ كَلَامُهُ فَهُوَ كَافِرٌ الْبَتَّةَ هَذَا هُوَ الَّذِي رَامَهُ  
الْإِمَامُ الْهَاشِمِيُّ أَعْظَمُ الْأَئِمَّةِ حَيْثُ قَالَ فِي الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ: الْقُرْآنُ فِي الْمَصَاحِفِ  
مَكْتُوبٌ وَفِي الْقُلُوبِ مَحْفُوظٌ وَعَلَى الْأَلْسِنِ مَقْرُوءٌ وَعَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ مُنْزَلٌ، لَفْظُنَا بِالْقُرْآنِ مَخْلُوقٌ وَكِتَابَتُنَا لَهُ وَقِرَاءَتُنَا لَهُ مَخْلُوقَةٌ وَالْقُرْآنُ  
غَيْرُ مَخْلُوقٍ.

فوائح الرحمت شرح مسلم الثبوت: ج 2 ص 7

ترجمہ: جو شخص یہ کہے کہ قرآن کا تکلم اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا اور یہ اللہ کا کلام نہیں ہے تو ایسا شخص پکا کافر ہے۔ یہی بات امام ہمام امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ”الفقہ الاکبر“ میں کہنا چاہتے ہیں، فرماتے ہیں: قرآن مصاحف میں لکھا گیا ہے، دلوں میں محفوظ ہے، زبانوں کے ذریعے اس کی تلاوت کی جاتی ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم پر نازل ہوا ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ جو ہم اپنی زبان سے ادا کرتے ہیں تو یہ الفاظ مخلوق ہیں، ہم جو قرآن لکھتے ہیں تو یہ لکھے ہوئے نقوش مخلوق ہیں، ہم جو اس کی قراءت کرتے ہیں تو ہمارا قرأت کرنا (یعنی فعل قرأت) مخلوق ہے لیکن خود قرآن مخلوق نہیں۔

16: نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی غیر مقلد (ت 1307ھ) لکھتے ہیں:

”امام اعظم ابو حنیفہ کو فی رحمہ اللہ اول مجتہد ہیں، دوسرے امام دارالہجرہ امام مالک بن انس، تیسرے امام شافعی اور چوتھے امام احمد ہیں، یہ چاروں بزرگوار قرون مشہود لہا بالخیر کے تیسرے قرن میں تھے۔“

جلب المنفعة فی الذب عن الائمة المجتہدین الاربعۃ (اردو مترجم): ص 92

17: میاں نذیر حسین دہلوی غیر مقلد (ت 1320ھ) لکھتے ہیں:

”مسئلہ: حد بلوغت جاریہ نزدیک امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے سترہ برس ہیں اور دیگر ائمہ کے نزدیک پندرہ برس ہیں“

فتاویٰ نذیریہ: ج 3 ص 131

18: ابو سعید محمد حسین بٹالوی غیر مقلد (ت 1338ھ) نے 1292ھ

(1877ء) میں ایک ماہنامہ رسالہ ”اشاعۃ السنۃ“ جاری کیا جس کا مقصد اپنے مسلک کی اشاعت کرنا تھا۔ اس رسالے میں ایک مقام پر لکھا ہے:

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فقہ اکبر میں فرمایا ہے کہ ”انبیاء علیہم السلام کفر وغیرہ کبار و فواحش سے منزہ ہیں“۔ فقہ اکبر کی شرح میں ملا علی قاری صاحب نے کہا ہے کہ ”وہ ایسے صغائر سے بھی منزہ ہیں جن میں خست و دنائت پائی جاتی ہو جیسے لقمہ کی چوری وغیرہ“۔ ایسے ہی شرح مواقف میں فرمایا ہے۔

اشاعۃ السنۃ: ج 11 شمارہ 4 ص 98

19: محمد ابراہیم میرسیالکوٹی غیر مقلد (ت 1375ھ) لکھتے ہیں:

”اسی طرح امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فقہ اکبر میں اندراجات لوح محفوظ کی نسبت فرماتے ہیں: وَلَٰكِنْ كَتَبَهُ بِالْوَصْفِ لَا بِالْحُكْمِ [البتہ لوح محفوظ میں تقدیر کی تحریر؛ وصف کے اعتبار سے ہے نہ کہ حکم کے اعتبار سے]“

تاریخ المحدثات: ص 73

20: حکیم محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد (ت 1406ھ) لکھتے ہیں:

”امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد گرامی [حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ] کے متعلق فرماتے ہیں: مَا رَأَيْتُ مِثْلَهُ (میزان ذہبی) یعنی میں نے ان جیسا کوئی نہیں دیکھا“

صلوٰۃ الرسول: ص 197

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ.... امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قبر نہ تو پختہ بنائی جائے اور نہ مٹی سے لپی جائے اور قبر پر نہ تو کوئی عمارت (گنبد، قبہ، مینار وغیرہ) کھڑی کی جائے اور نہ خیمہ“

صلوٰۃ الرسول: ص 443

اشکال: بعض لوگ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ”امام اعظم“ کہنے پر یہ اشکال کرتے ہیں کہ اس سے - معاذ اللہ - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص لازم آتی ہے کہ ”امام اعظم“ تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب تھا، احناف نے یہ لقب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے ایک امتی کے لیے استعمال کیا ہے۔ گویا احناف نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل لا کھڑا کیا ہے!

جواب: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ”امام اعظم“ کہنا - معاذ اللہ - آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے مقابلے میں نہیں اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب کو امتی کے لیے استعمال کرنا ہے بلکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ”امام اعظم“ باقی ائمہ مجتہدین کے مقابلے میں کہا جاتا ہے کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ائمہ ثلاثہ؛ امام مالک بن انس (ت 179ھ)، امام محمد بن ادریس شافعی (ت 204ھ) اور امام احمد بن محمد بن حنبل (ت 241ھ) سے مقام اور زمانہ کے اعتبار سے مقدم ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ”صدیق اکبر“ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ”فاروق اعظم“ کہنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں نہیں بلکہ باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں ہے کہ وصف صداقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں اور وصف فرق بین الحق والباطل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں باقی صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں نمایاں تھا۔ بالکل اسی طرح وصف اجتہاد و فتاوت بھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں باقی ائمہ کے مقابلے میں نمایاں تھا، اس لیے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ”امام اعظم“ کہتے ہیں۔

قَوْلُهُ: أَبُو حَنِيفَةَ

امام صاحب کی کنیت ”ابو حنیفہ“ ہے۔ یہ کنیت نسبی نہیں بلکہ وصفی ہے۔

فائدہ:

کنیت کی دو قسمیں ہیں: کنیت نسبی اور کنیت وصفی

کنیت نسبی ... ایسا نام جو ماں باپ یا بیٹا بیٹی کی طرف نسبت کر کے پکارا جائے جیسے ابو عبد اللہ، ام محمد، ابن عمر وغیرہ۔

کنیت وصفی ... ایسا نام جو انسان کے کسی خاص وصف یا خصلت کی بنا پر مشہور ہو جائے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تین اشخاص بطور خاص کنیت کے ساتھ

معروف تھے:

[۱]: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ کا نام ”عبد اللہ“ اور کنیت ”ابو بکر“ ہے۔ یہ کنیت بھی وصفی ہے۔ لفظ ”اب“ کا معنی باپ بھی ہے اور ”والا“ بھی ہے۔ ”بکر“ کا معنی کسی چیز میں پہل کرنے اور ابتداء کرنے آتا ہے۔ لغت کی مشہور کتاب المنجد میں ہے:

”بَكْرٌ: کسی چیز میں پہل کرنا۔ بَكْرٌ: پہلا بچہ۔ اَلْبَاكُورَةُ: پہلا میوہ۔ اَلْمُبَكِّرُ: موسم بہار کی پہلی بارش۔ اَلْمُبَكَّرُ: پہلے اگانے والی زمین۔ اَلْبَكِيْرَةُ: پہلے مراد پہ پہنچنے والا۔“

المنجد: 70، 71

یوں کنیت ”ابو بکر“ کا معنی ایسی شخصیت ہے جو پہل کرنے والی ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ چونکہ تمام امورِ خیر میں پہل فرمانے والے تھے اسی لیے آپ کو ”ابو بکر“ کہا جاتا ہے۔

معروف سیرت نگار امام علی بن برہان الدین الحلّبی (ت 1044ھ) کنیت ”ابو بکر“ کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

كُنِيَ بِـ ”أَبِي بَكْرٍ“ لِأَنَّهُ كَانَ رَاسَ الْخَيْلِ الْحِمْدَةَ.

السيرة الحلبية: ج 1 ص 442

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ کو ”ابو بکر“ اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ ہر اچھے کام میں پہل فرمانے والے تھے۔

[۲]: حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہ

آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ”ابو تراب“ ہے۔ یہ کنیت بھی نسبى نہیں بلکہ وصفی ہے۔ اس کنیت کی وجہ صحیح البخاری میں یوں مذکور ہے:



عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتَ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَلَمْ يَجِدْ عَلَيْهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي الْبَيْتِ فَقَالَ: "أَيْنَ ابْنُ عَمِّكَ؟" قَالَتْ: كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ شَيْءٌ فَعَاظِبَنِي فَخَرَجَ فَلَمْ يَقُلْ عِنْدِي. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِإِنْسَانٍ: "انْظُرْ أَيْنَ هُوَ؟" فَجَاءَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! هُوَ فِي الْمَسْجِدِ رَاقِدٌ. فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ قَدْ سَقَطَ رِدَاؤُهُ عَنْ شِقِّهِ وَأَصَابَهُ تُرَابٌ فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُهُ عَنْهُ وَيَقُولُ: "مُمْ أَبَا تُرَابٍ! مُمْ أَبَا تُرَابٍ!"

صحیح البخاری: رقم الحدیث 441

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گھر میں نہ پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: آپ کے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟ وہ عرض کرنے لگیں کہ ہمارے درمیان کچھ باتیں ہوئی ہیں تو وہ ناراض ہو کر چلے گئے ہیں اور یہاں نہیں سوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ جا کر دیکھو کہ وہ کہاں ہیں؟ (وہ شخص گیا۔ جا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا) واپس آیا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! وہ مسجد میں سو رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ وہ (زمین پر) لیٹے ہوئے تھے اور ان کی چادر ان کے پہلو سے الگ ہو گئی تھی اور (ان کے جسم پر) مٹی لگی ہوئی تھی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی کو جھاڑنا شروع کیا اور ساتھ ساتھ یہ فرماتے گئے کہ اے ابو تراب! کھڑے ہو جاؤ! اے ابو تراب! کھڑے ہو جاؤ!

اس واقعہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ”ابو تراب“ معروف ہو

گئی۔

[۳]: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ کا نام ”عبد الرحمن بن صفحہ“ اور کنیت ”ابو ہریرہ“ ہے۔  
 ”هُرَيْرَةٌ“ کا معنی ہے ”بلی کا بچہ“۔ آپ رضی اللہ عنہ کی یہ کنیت وصفی ہے۔ اس کنیت کی وجہ کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود ارشاد فرماتے ہیں:

كَانَ اسْمِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ عَبْدَ شَمْسٍ فَسَمَّيْتُ فِي الْإِسْلَامِ عَبْدَ الرَّحْمَنِ، وَإِنَّمَا كَتَبْتُ بِأَبِي هُرَيْرَةَ لِأَنِّي وَجَدْتُ هِرَّةً فَعَلَّيْتُهَا فِي كُيُوبِي، فَقِيلَ لِي: مَا هَذِهِ؟ قُلْتُ: "هِرَّةٌ" قِيلَ: فَأَنْتَ أَبُو هُرَيْرَةَ. وَقَدْ رَوَيْنَا عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ أُحْمِلُ هِرَّةً يَوْمًا فِي كُيُوبِي، فَرَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لِي: "مَا هَذِهِ؟" فَقُلْتُ: هِرَّةٌ. فَقَالَ: "يَا أَبَا هُرَيْرَةَ."

وَهَذَا أَشْبَهَ عِنْدِي أَنْ يَكُونَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَاةً بِذَلِكَ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

الاستيعاب في معرفة الصحابة لابن عبد البر: ج 2 ص 70

ترجمہ: دورِ جاہلیت میں میرا نام ”عبد الشمس“ تھا اور اسلام لانے کے بعد عبد الرحمن رکھا گیا۔ میری کنیت ”ابو ہریرہ“ پڑی۔ وجہ یہ تھی کہ مجھے ایک بلی ملی جسے میں نے اپنی آستین میں رکھ لیا۔ مجھ سے پوچھا گیا کہ آستین میں کیا ہے؟ میں نے کہا: بلی ہے۔ تو مجھے ”ابو ہریرہ“ (بلی والا) کہا جانے لگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور وجہ بھی منقول ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنی آستین میں بلی اٹھائے ہوئے تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ بلی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: ”اے ابو ہریرہ“۔ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک تحقیقی بات یہ ہے کہ آپ رضی اللہ

عنہ کی کنیت ”ابو ہریرہ“ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی تجویز فرمائی ہے۔ واللہ اعلم

فائدہ:

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت کے معنی و مراد کے بارے میں چند اقوال

پیش ہیں:

1: عراقی لغت میں دوات کو ”حنیفہ“ کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے آخر عمر تک قلم و دوات نہیں چھوڑا یعنی کہ ساری زندگی علم ہی کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنائے رکھا اس لیے اس کی طرف منسوب ہو کر ”ابو حنیفہ“ کہلائے۔

امام شہاب الدین احمد بن حجر المکی الہیثمی (ت 974ھ) لکھتے ہیں:

قِيلَ سَبَبُ تَكْنِيَّتِهِ بِذَلِكَ مُلَازِمَتُهُ لِلدَّوَاةِ الْمُسَبَّاةِ بِلُغَةِ الْعِرَاقِ.

الخيرات الحسان في مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان: ص 32

ترجمہ: امام صاحب کو ”ابو حنیفہ“ کہنے کے ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ آپ کے پاس ایک دوات ہمیشہ رہتی تھی جسے لغت عراق میں ”حنیفہ“ کہتے ہیں۔

2: دین اسلام کو ”ملت حنیفہ“ کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے اس کی تدوین فرمائی ہے اس لیے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ”ابو حنیفہ“ کہتے ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی (ت 1402ھ) لکھتے ہیں:

وَالْأَوْجَهُ فِي تَكْنِيَّتِهِ أَنَّهُ رَأْسُ الْفُرُوعِ وَالشَّرَائِعِ فِي الْمِلَّةِ الْحَنِيفِيَّةِ الْبَيْضَاءِ.

مقدمۃ او جز المسالك الى موطا مالک: ج 1 ص 171

ترجمہ: امام صاحب کو ”ابو حنیفہ“ کہنے کے حوالے سے زیادہ بہتر بات یہ ہے کہ آپ روشن ملت حنیفہ کے احکام و مسائل (کے جمع و استخراج) میں بنیاد کی حیثیت رکھتے

ہیں۔

## ایک شبہ کا ازالہ:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ”حنیفہ“ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک صاحبزادی کا نام تھا۔ ان کی طرف نسبت کی وجہ سے آپ ”ابو حنیفہ“ کہلائے لیکن یہ بات بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا صرف ایک ہی بیٹا تھا جس کا نام حماد بن ابی حنیفہ رحمہما اللہ تھا، اس کے علاوہ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی۔

علامہ محمد بن اسحاق بن ندیم (ت 385ھ) اپنی کتاب ”الفہرست“ میں لکھتے ہیں:

وَكَانَ لَهُ مِنَ الْوُلْدِ حَمَادٌ وَيُكَلِّبُ أَبَا إِسْمَاعِيلَ وَمَاتَ بِالْكُوفَةِ.

الفہرست لابن ندیم: ص 255

ترجمہ: آپ کی اولاد میں صرف حضرت حماد تھے جن کی کنیت ابو اسماعیل تھی، ان کا انتقال کوفہ میں ہوا۔

امام شہاب الدین احمد ابن حجر المکی البیہقی (ت 974ھ) لکھتے ہیں:

لَا يُعْلَمُ لَهُ وَلَدٌ، ذَكَرُوا وَلَا أَنْثَى غَيْرَ حَمَادٍ.

الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان: ص 32

ترجمہ: آپ کی اولاد میں سوائے حماد رحمہ اللہ کے اور کسی بیٹے یا بیٹی کا ہونا معلوم نہیں۔

شیخ محمد قاسم بن عبدہ الحارثی فرماتے ہیں:

لَا يُعْلَمُ لِأَبِي حَنِيفَةَ وَلَدٌ غَيْرَ ابْنِهِ حَمَادٍ.

مکاتئ الامام ابی حنیفہ بین المحدثین الحارثی: ص 39

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی امام حماد کے علاوہ کوئی اور اولاد معلوم نہیں ہو سکی۔

لہذا امام صاحب کی کنیت ”ابو حنیفہ“ و صفی کنیت ہے، نسبی نہیں۔

قَوْلُهُ: النُّعْمَانُ

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام ”نعمان“ ہے۔ علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیثمی المکی (ت 974ھ) نے آپ کے نام میں کئی نکات بیان فرمائے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

إِذْ أَصْلُ النُّعْمَانِ الدَّمُ الَّذِي بِهِ قَوَامُ الْبَدَنِ وَمِنْ ثَمَّةٍ ذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَى أَنَّهِ الرُّوحُ فَأَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ بِهِ قَوَامُ الْفِقْهِ وَمِنْهُ مَذْهَبُ مَذَارِكِهِ وَعَوِيصَاتِهِ أَوْ نَبَتْ أَحْمَرُ طَيْبِ الرِّيحِ الشَّقِيقِيُّ أَوْ الْأَرْجَوَانُ - بِضَمِّ الْهَمْزَةِ - فَأَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ طَابَتْ خِلَالُهُ وَبَلَغَ الْغَايَةَ كَمَالَهُ أَوْ فُعْلَانٌ مِنَ النِّعْمَةِ فَأَبُو حَنِيفَةَ نِعْمَةُ اللَّهِ عَلَى خَلْقِهِ.

الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان: ص 31

ترجمہ: [1] ”نعمان“ اصل میں اس خون کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے بدن کا قوام ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے یہ موقف اختیار کیا کہ نعمان کا معنی ”روح“ ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی وجہ سے فقہ کا قوام ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی دلائل بیان کرنے اور فقہ کی مشکلات کو حل کرنے کی بنیاد بنے ہیں۔ [2] یا ”نعمان“ سے مراد خوشبودار سرخ گھاس ہے جو گل لالہ ہے یا اُرغوان (ایک سرخ رنگ کا پودا جس کی خوشبو تیز ہوتی ہے) ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خصائل بھی اچھے ہوئے اور آپ کے کمالات بام عروج کو پہنچے۔ [3] ”نعمان“ بمعنی نعمت ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی بھی مخلوق خدا کے لیے اللہ تعالیٰ کی بہت عظیم نعمت ہے۔

فائدہ:

علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیثمی

المکی (ت 974ھ) نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام کا ایک معنی ”گل لالہ“ بیان کیا ہے۔ جس طرح گل لالہ کی خوشبو محفل کو معطر کر کے اسے کمال تک پہنچا دیتی ہے اسی طرح آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خصائل و کمالات بھی بام عروج اور کمالات کو پہنچے ہیں۔ اسی مناسبت سے یہاں امام محمد بن ادریس الشافعی (ت 204ھ) کے اس شعر کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے جو انہوں نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مدح میں فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

أَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانٍ لَنَا فَإِنَّ ذِكْرَهُ  
هُوَ الْهَسْكَ مَا كَرَّرْتَهُ يَتَصَوَّغُ

ترجمہ: ہمارے سامنے نعمان کا ذکر بار بار کرتے رہو! اس لیے کہ ان کا تذکرہ مشک کی طرح ہے جسے آپ جتنا ملیں گے اتنا ہی زیادہ خوشبودے گی۔

حاشیۃ الکافیۃ فی النحو: ص 16

قَوْلُهُ: رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ

اصطلاحات شریعت کا ایک ضابطہ ہے کہ جب کسی صحابی کا تذکرہ کیا جائے تو ان کے نام کے ساتھ ”رضی اللہ عنہ“ لکھا جاتا ہے اور جب کسی غیر صحابی کا ذکر ہو تو ان کے نام کے ساتھ ”رحمۃ اللہ علیہ“ لکھا جاتا ہے۔

اعتراض:

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ احناف - معاذ اللہ - گستاخ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں کیونکہ جو لقب ”رضی اللہ عنہ“ صحابی کا تھا انہوں نے وہی لقب امام ابو حنیفہ کو دے کر ”قَالَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ أَبُو حَنِيفَةَ الثُّعْبَانُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ“ کہا ہے۔

جواب:

غیر صحابی کو ”رضی اللہ عنہ“ کہنا محض احناف کا طریقہ نہیں ہے بلکہ یہ خود قرآن کریم کا طریقہ ہے۔ سورۃ التوبہ میں ہے:

وَالسَّبِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ

سورۃ التوبہ: 100

ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے، اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہو گیا ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انصار و مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اور ان کے متبعین کو ”رضی اللہ عنہم“ فرمایا ہے۔ امام ابو حنیفہ اگرچہ صحابی نہیں بلکہ غیر صحابی ہیں لیکن انہیں ”رضی اللہ عنہ“ کہنا گستاخی نہیں بلکہ قرآنی اسلوب کی اتباع ہے۔

اشکال:

اگر قرآنی اسلوب یہی ہے کہ غیر صحابی کو ”رضی اللہ عنہ“ کہا جاسکتا ہے تو کیا یہ ضابطہ غلط ہے کہ صحابی کو ”رضی اللہ عنہ“ اور غیر صحابی کو ”رحمۃ اللہ علیہ“ کہا جائے؟

جواب:

یہ ضابطہ بھی ٹھیک ہے اور قرآنی اسلوب بھی ٹھیک ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ علماء نے جو یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ صحابی کو ”رضی اللہ عنہ“ اور غیر صحابی کو ”رحمۃ اللہ علیہ“ کہا جائے تو وہ اس لیے بیان فرمایا تا کہ صحابی اور غیر صحابی میں اشتباہ نہ ہو بلکہ ان میں امتیاز رہے۔

مثلاً ”محمد“ نام کے تین آدمی ہیں۔ ایک خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

ہیں، ایک صحابی ہیں اور ایک بعد کے ولی ہیں۔ ”محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ نبی ہیں، ”محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ“ صحابی ہیں اور ”محمد بن حسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ“ ولی ہیں۔ اب اگر کوئی کہے کہ ”محمد نے فرمایا“ تو یہ کیسے معلوم ہو گا کہ یہ کون سے محمد کا فرمان ہے؟ اب یہ امتیاز ضابطہ سے ہو گا کہ اگر ”صلی اللہ علیہ وسلم“ ساتھ لکھا ہو گا تو سمجھیں گے کہ یہ فرمانے والے اللہ کے نبی ہیں۔ اگر ”رضی اللہ عنہ“ ساتھ لکھا ہو گا تو معلوم ہو جائے گا کہ قائل صحابی ہیں اور اگر ”رحمۃ اللہ علیہ“ ساتھ لکھا ہو گا تو سمجھیں گے کہ اس کے قائل اللہ کے ولی ہیں۔

تو یہ اصطلاحات اس لیے متعین کی گئیں تاکہ بعد والوں کو اشتباہ نہ ہو۔ لہذا اگر کہیں کسی غیر صحابی کی شہرت اتنی زیادہ ہو کہ اگر انہیں ”رضی اللہ عنہ“ بھی کہہ دیں تو شہرت زیادہ ہونے کی وجہ سے معلوم ہو جائے کہ یہ صحابی نہیں ہے تو ایسے شخص کو ”رضی اللہ عنہ“ کہنا بھی درست ہے اور ”رحمۃ اللہ علیہ“ کہنا بھی درست ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بھی اتنی معروف و مشہور ہے کہ اگر انہیں ”رضی اللہ عنہ“ بھی کہہ دیا جائے تب بھی کسی کے ذہن میں یہ نہیں آتا کہ آپ صحابی ہوں گے، اس لیے آپ کو ”رضی اللہ عنہ“ کہنا بالکل درست ہے۔ قرآن کریم کا اسلوب، ضابطہ اور فقہائے احناف کی عبارات سب درست ہیں۔

فائدہ:

خود غیر مقلدین کے اکابرین نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ”رضی اللہ عنہ“ کا لقب استعمال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

1: نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی (ت 1307ھ) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ

علیہ کا تذکرہ ان الفاظ سے کرتے ہیں:



”الْإِمَامُ أَبُو حَنِيفَةَ التُّعْمَانِيُّ بْنُ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ“

التاج المکمل: ص 125

2: ابو سعید محمد حسین بٹالوی (ت 1338 ھ) نے 1292 ھ (1877ء) میں ایک ماہنامہ رسالہ ”اشاعۃ السنۃ“ جاری کیا جس کا مقصد اپنے مسلک کی اشاعت کرنا تھا۔ اس رسالے میں ایک مقام پر لکھا ہے:

”حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فقہ اکبر میں فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کفر وغیرہ کبار و فواحش سے منزہ ہیں۔ فقہ اکبر کی شرح میں ملا علی قاری صاحب نے کہا ہے کہ وہ ایسے صفائے صغائر سے بھی منزہ ہیں جن میں خست و دنائت پائی جاتی ہو جیسے لقمہ کی چوری وغیرہ۔ ایسے ہی شرح مواقف میں فرمایا ہے۔“

اشاعۃ السنۃ: ج 11 شمارہ 4 ص 98

3: نواب صدیق حسن خان کے بیٹے نواب علی حسن خان (ت 1356 ھ) نے اپنے والد صاحب کی سوانح ”ماثر صدیقی“ کے نام سے لکھی ہے۔ اس میں اپنے والد صاحب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نسبت وہ لکھتے ہیں کہ امام اعظم کو فی رضی اللہ عنہ کو ائمہ اربعہ میں اجتہاد میں شرف تقدم حاصل ہے۔“

ماثر صدیقی: ج 4 ص 6

## اصول ایمان کا بیان

أَصْلُ التَّوْحِيدِ وَمَا يَصْحُحُ الْإِعْتِقَادُ عَلَيْهِ  
يَجِبُ أَنْ يَقُولَ: آمَنْتُ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ  
وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْقَدْرِ خَيْرٌ وَشَرٌّ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى وَالْحِسَابِ وَالْمِيزَانِ  
وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ حَقٌّ كُلُّهُ

ترجمہ: توحید کی بنیاد اور ان چیزوں کا بیان جن کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے:  
ہر (مكلف) انسان پر لازم ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس  
کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، دوسرے جہان (اور دوسری زندگی) کے برحق  
ہونے پر، موت کے بعد اٹھنے پر، اچھی اور بری تقدیر کے من جانب اللہ ہونے پر،  
حساب کتاب پر، میزان پر، جنت اور جہنم پر ایمان لایا کہ یہ ساری باتیں برحق ہیں۔

قَوْلُهُ أَصْلُ التَّوْحِيدِ:

اس مقام پر توحید کا معنی اور اقسام سمجھنا ضروری ہے۔

توحید کا لغوی معنی:

علامہ سید الشریف علی بن محمد الجرجانی (ت 816ھ) لکھتے ہیں:

التَّوْحِيدُ فِي اللُّغَةِ الْحُكْمُ بِأَنَّ الشَّيْءَ وَاحِدٌ وَالْعِلْمُ بِأَنَّهُ وَاحِدٌ.

کتاب التعریفات للجرجانی: ص 96

ترجمہ: لغت میں توحید کا معنی ہے کسی چیز پر ایک ہونے کا حکم لگایا جائے اور کسی چیز کے  
بارے میں یقین رکھا جائے کہ یہ چیز ایک ہے۔

توحید کا اصطلاحی و شرعی معنی:

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ التقازانی (ت 793ھ) لکھتے ہیں:

حَقِيقَةُ التَّوْحِيدِ اعْتِقَادُ عَدَمِ الشَّرِيكِ فِي الْوُحْدَانِيَّةِ وَخَوَاصِّهَا.

شرح المقاصد فی علم الکلام للفتنازانی: ج 4 ص 39

ترجمہ: توحید کی حقیقت (یعنی شرعی مفہوم) یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت الوہیت اور اس کے خواص میں کوئی شریک نہیں۔

علامہ فتنازانی رحمہ اللہ خود ”الوہیت کے خواص“ بیان کرتے ہوئے فرماتے

ہیں:

وَلَا نَزَاعَ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ فِي أَنَّ تَدْبِيرَ الْعَالَمِ وَخَلْقَ الْأَجْسَامِ وَاسْتِحْقَاقَ الْعِبَادَةِ وَقَدَمَ مَا يَقُومُ بِنَفْسِهِ كُلِّهَا مِنَ الْخَوَاصِّ وَنَعْنَى الْقَدَمِ بِمَعْنَى عَدَمِ الْمَسْبُوقِيَّةِ بِالْعَدَمِ.

شرح المقاصد فی علم الکلام للفتنازانی: ج 4 ص 39

ترجمہ: اس بات میں اہل اسلام کا کوئی اختلاف نہیں کہ عالم کی دیکھ بھال کرنا، اجسام کو پیدا کرنا، عبادت کے لائق ہونا، ایسی ذات جو خود بخود قائم ہو (یعنی ذات باری تعالیٰ) اس کا قدیم ہونا یہ سارے کے سارے الوہیت کے لیے خواص ہیں۔ ”قدیم“ ہونے سے ہماری مراد یہ ہے کہ اس ذات پر پہلے زمانہ عدم نہ گزرا ہو۔

توحید کی اقسام:

توحید کی شرعی تعریف کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات، صفات، استحقاق عبادت اور قدیم ہونے وغیرہ جیسی صفات میں یکتا ماننا لازم ہے۔ چونکہ ”توحید“ کا لفظ اپنے اندر ایک جامع مفہوم رکھتا ہے اس لیے اکابرین اور اسلاف نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق مختلف پیرائے میں اس کی چند انواع و اقسام بیان فرمائی ہیں۔ ذیل میں چند اکابرین کے حوالہ جات پیش ہیں جو توحید کو مختلف اقسام میں تقسیم کرتے ہیں:

(1): امام ابو عبد اللہ عبید اللہ بن محمد بن بکّلة العکبری الحنبلی (ت 387ھ) لکھتے

ہیں:

أَنَّ أَصْلَ الْإِيمَانِ بِاللّٰهِ الَّذِي يَجِبُ عَلَى الْخَلْقِ اعْتِقَادُهُ فِيْ إِنْجَابِ الْإِيمَانِ بِهِ ثَلَاثَةُ أَشْيَاءَ:

أَحَدُهَا: أَنْ يَعْتَقِدَ الْعَبْدُ إِنْجِبَتَهُ لِيَكُوْنَ بِذَلِكَ مُبَايِنًا لِمَذْهَبِ أَهْلِ التَّعْطِيلِ الَّذِينَ لَا يُشْبِهُتُونَ صَانِعًا.

وَالثَّانِي: أَنْ يَعْتَقِدَ وَحْدَانِيَّتَهُ لِيَكُوْنَ مُبَايِنًا بِذَلِكَ مَذَاهِبِ أَهْلِ التَّثْنِثِ الَّذِينَ أَكْفَرُوا بِالصَّانِعِ وَأَشْرَكُوا مَعَهُ فِي الْعِبَادَةِ غَيْرُهُ.

وَالثَّالِثُ: أَنْ يَعْتَقِدَهُ مَوْصُوفًا بِالصِّفَاتِ الَّتِي لَا يَجُوزُ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ مَوْصُوفًا بِهَا مِنَ الْعِلْمِ وَالْقُدْرَةِ وَالْحِكْمَةِ وَسَائِرِ مَا وَصَفَ بِهِ نَفْسَهُ فِي كِتَابِهِ.

الابانہ لابن بطہ: الکتاب الثالث، ج 2 ص 172، 173

ترجمہ: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے لیے بنیادی طور پر تین چیزیں ایسی ہیں جن پر بندوں کا پختہ یقین ضروری ہے:

پہلی چیز: (إِنِّيَّت) بندہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے، اس عقیدہ سے اہل تعطیل کے عقیدہ سے امتیاز ہو جائے گا جو صانعِ عالم کے وجود کے قائل نہیں ہیں۔ دوسری چیز: (وحدانیت) یہ اعتقاد رکھے کہ باری تعالیٰ ایک ہے، اس سے مشرکین کے عقیدہ سے امتیاز ہو جائے گا جو صانعِ عالم کے وجود کے تو قائل ہیں لیکن اس کی عبادت کے ساتھ اوروں کی بھی عبادت کرتے ہیں۔

تیسری چیز: (صفاتِ خاصہ سے اتصاف) بندہ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ ان صفات کے ساتھ موصوف ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں جیسے علم، قدرت، حکمت اور دیگر صفات جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی ذات کے لیے بیان فرمائی ہیں۔

(2): علامہ محمد بن عبد الکریم بن ابی بکر احمد الشہرستانی (ت 548ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى وَاحِدٌ فِي ذَاتِهِ لَا قَسِيمَ لَهُ. وَوَاحِدٌ فِي صِفَاتِهِ الْأَزَلِيَّةِ لَا نَظِيرَ لَهُ. وَوَاحِدٌ فِي أَعْمَالِهِ لَا شَرِيكَ لَهُ.

الملل والنحل: ج 1 ص 55

ترجمہ: (توحید فی الذات) اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہے اس کا کوئی جزء نہیں، (توحید فی الصفات) اپنی صفات ازلیہ میں یکتا ہے اس کی کوئی مثال نہیں اور (توحید فی الافعال) اپنے افعال میں یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

(3): بعض لوگوں نے توحید کی درج ذیل تین اقسام بیان کی ہیں اور اس تقسیم کو علامہ تقی الدین احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ الحرانی الحنبلی (ت 728ھ) کی طرف منسوب کیا ہے۔ تین اقسام یہ ہیں:

توحید فی الربوبیت: اللہ تعالیٰ کی ذات ہی سارے جہان کو پالنے والی ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی پالنے والا نہیں ہے۔ توحید کی اس قسم میں اللہ تعالیٰ کو خالق، مالک، رازق، مدبر کائنات وغیرہ ماننا بھی شامل ہے۔

توحید فی الالوہیت: اللہ تعالیٰ کی ذات ہی لائق عبادت ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرنا جائز نہیں ہے۔

توحید فی الصفات: اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں واحد اور اکیلا ہے کوئی دوسرا اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک نہیں جیسے عالم الغیب، مختار کل، قادر مطلق، مشکل کشا، حاجت روا وغیرہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، ان صفات کو کسی اور کے لیے ثابت کرنا جائز نہیں ہے۔

(4): حضرت شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم محدث دہلوی (ت 1176ھ) فرماتے

ہیں:

وَأَعْلَمُ أَنَّ لِلَّهِ جِيدَ أَرْبَعٍ مَرَاتِبٍ:

إِحْدَاهَا: حَصْرُ وُجُوبِ الْوُجُودِ فِيهِ تَعَالَى. فَلَا يَكُونُ غَيْرُهُ وَاجِبًا.

وَالثَّانِيَّةُ: حَضَرَ خَلْقَ الْعَرْشِ وَالسَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَسَائِرِ الْجَوَاهِرِ فِيهِ تَعَالَى. وَهَاتَانِ الْمَرْتَبَتَانِ لَهُ تَبَحُّثُ الْكُتُبِ الْإِلَهِيَّةِ عَنْهُمَا وَلَمْ يُخَالِفْ فِيهِمَا مُشْرِكُو الْعَرَبِ وَلَا الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى بَلِ الْقُرْآنُ الْعَظِيمُ نَاصٍ عَلَى أَتَمِّهِمَا مِنْ الْمُقَدَّمَاتِ الْمُسَلَّمَةِ عِنْدَهُمْ.

وَالثَّالِثَةُ: حَضَرَ تَدْيِيرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيهِ تَعَالَى.  
وَالرَّابِعَةُ: أَنَّهُ لَا يَسْتَحِقُّ غَيْرُهُ الْعِبَادَةَ.

حجۃ اللہ البالغۃ: ج 1 ص 59 باب التوحید

ترجمہ: یہ بات جان لیں کہ توحید کے چار مراتب ہیں:

اول: واجب الوجود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ذات واجب الوجود نہیں ہے۔

دوم: عرش، آسمان، زمین اور سارے جواہر (قائم بالذات اشیاء) کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

توحید کے یہ دو مرتبے کتب الہیہ میں بیان نہیں ہوئے کیونکہ ان دونوں مرتبوں میں مشرکین عرب نے مخالفت کی ہے نہ یہود نے اور نہ نصاریٰ نے بلکہ قرآن مجید نے تو اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہ دو مرتبے ان لوگوں کے ہاں مسلم تھے۔

سوم: آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، ان سب کا نظام چلانے والی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

چہارم: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

(5): شیخ عبد الغنی بن طالب الغنیمی البیدانی الحنفی (ت 1298ھ) لکھتے ہیں:

وَالْوَحْدَانِيَّةُ صِفَةُ سَلْبِيَّةٌ تُقَالُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَنْوَاعٍ:

الْأَوَّلُ: الْوَحْدَانِيَّةُ فِي الذَّاتِ وَالْمَرَادُ بِهَا انْتِفَاءُ الْكَثْرَةِ عَنْ ذَاتِهِ تَعَالَى بِمَعْنَى عَدَمِ

قَبُولِهَا الْإِنْقِسَامَ.

وَالثَّانِي: الْوَحْدَةُ فِي الصِّفَاتِ. وَالْمُرَادُ بِهَا انْتِفَاءُ النَّظِيرِ لَهُ تَعَالَى فِي كُلِّ صِفَةٍ مِنْ صِفَاتِهِ فَيَمْتَنِعُ أَنْ يَكُونَ لَهُ تَعَالَى عُلُومٌ وَقُدَرَاتٌ مُتَكَثِّرَةٌ بِحَسَبِ الْمَعْلُومَاتِ وَالْمَقْدُورَاتِ بَلْ عَلَيْهِ تَعَالَى وَاحِدٌ وَمَعْلُومَاتُهُ كَثِيرَةٌ وَقُدَرَتُهُ وَاحِدَةٌ وَمَقْدُورَاتُهُ كَثِيرَةٌ وَعَلَى هَذَا جَمِيعُ صِفَاتِهِ.

وَالثَّلَاثُ: الْوَحْدَةُ فِي الْأَفْعَالِ. وَالْمُرَادُ بِهَا انْفِرَادُهُ تَعَالَى بِاخْتِرَاعِ جَمِيعِ الْكَائِنَاتِ عُمُومًا وَامْتِنَاعِ إِسْنَادِ الثَّأْيِيرِ لِغَيْرِهِ تَعَالَى فِي شَيْءٍ مِنَ الْمُمَكِّنَاتِ أَصْلًا.

شرح العقيدة الطحاوية: 47

ترجمہ: ”وحدت“ سبلی صفت ہے اور اس کا اطلاق تین قسموں پر ہوتا ہے: پہلی: وحدت فی الذات، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہے، اس کی ذات تقسیم نہیں ہو سکتی (یعنی ایسا نہیں کہ دو یا زائد چیزیں مل کر ذات باری تعالیٰ بنے) دوسری: وحدت فی الصفات، یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کی مثال نہیں ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی صفت علم اور صفت قدرت کئی ہوں ایسا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کی ایک صفت ہے اور معلومات کئی ہیں، قدرت ایک صفت ہے اور مقدورات کئی ہیں، اسی طرح باقی صفات کا حال ہے۔

تیسری: وحدت فی الانفعال، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات تن تنہا پیدا فرمائی ہے اور کسی بھی ممکن شے میں حقیقی تاثیر کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا جائز نہیں ہے۔

فائدہ:

یہ تین اقسام تقریباً وہی ہیں جو علامہ محمد بن عبد الکریم الشہرستانی رحمہ اللہ

نے اوپر بیان فرمائی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ علامہ شہرستانی نے اثبات کے طرز پر بیان کی ہیں اور شیخ میمنانی رحمہ اللہ نے سلب کے طریق پر۔

(6): رئیس المناظرین حجتہ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اواکڑوی (ت 1421ھ / 2000ء) فرماتے ہیں کہ صوفیاء کے ہاں توحید کی تین اقسام ہیں:

۱: توحید ایمانی: لَا مَعْبُودَ إِلَّا اللَّهُ (اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں) اس کو مانے بغیر کوئی مومن ہو ہی نہیں سکتا۔

۲: توحید خواص: لَا مَقْصُودَ إِلَّا اللَّهُ (اللہ کے سوا کوئی چیز مقصود نہیں) کیونکہ ریاء کو حدیث میں شرک قرار دیا گیا ہے۔ ”توحید خواص“ کو ”توحید اخلاص“ بھی کہتے ہیں۔  
۳: توحید شہودی: لَا مَوْجُودَ إِلَّا اللَّهُ (اللہ کے سوا کوئی چیز موجود نہیں) جب کسی ولی کامل کو تجلیات باری کا مشاہدہ ہوتا ہے تو ان کو کوئی چیز نظر نہیں آتی، اس لیے وہ لَا مَوْجُودَ إِلَّا اللَّهُ پکارتے ہیں۔

توحید ایمانی (لَا مَعْبُودَ إِلَّا اللَّهُ) جس شخص کو حاصل نہ ہو تو وہ کافر ہو گا۔  
توحید خواص (لَا مَقْصُودَ إِلَّا اللَّهُ) جسے حاصل نہ ہو تو وہ مومن غیر مخلص یعنی فاسق ہو گا۔  
توحید شہودی (لَا مَوْجُودَ إِلَّا اللَّهُ) جسے حاصل نہ ہو وہ مومن صالح لیکن مقام مشاہدہ سے محروم ہو گا۔

تریاق اکبر بزبان صفدر: ص 420

توحید کی تقسیم کے متعلق اکابر ائمہ کی مذکورہ تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اکابرین نے توحید کی تین اور بعض نے چار قسمیں بیان کی ہیں۔ نیز جنہوں نے تین قسمیں بیان کی ہیں ان کی ذکر کردہ اقسام بھی باہم مختلف ہیں۔ دراصل توحید کی تقسیم اور ان کی ذیلی اقسام میں اختلاف کوئی حقیقی اختلاف نہیں بلکہ محض تعبیرات کا اختلاف ہے۔ تعبیرات کے اختلاف کو نفس توحید کا اختلاف قرار نہیں دیا جاسکتا۔



نیز یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اقسام توحید کی تعبیرات منصوص نہیں بلکہ غیر منصوص ہیں۔ اہل علم نے اپنے اپنے دور میں عوام الناس کو عقیدہ توحید سمجھانے کے لیے اختیاری ہیں اور عوام کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے مختلف اقسام میں منقسم کیا ہے۔ ہر دور کے علماء نے اپنے ذوق اور عوامی ضرورت کے پیش نظر اقسام کی نئی تعبیرات اختیار کیں۔ یوں تعبیرات باہم مختلف ہوتی چلی گئیں۔ مقصود ان سب حضرات کا یہی تھا کہ توحید باری تعالیٰ مختلف جہات سے کھل کر واضح ہو اور شرک کسی گوشے سے عقیدہ توحید میں حائل نہ ہو سکے۔

(7): ہمارے ہاں توحید کی تین اقسام ہیں:

1: توحید فی الذات 2: توحید فی الصفات 3: توحید فی الاسماء

(1): توحید فی الذات:

اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ اس کی کوئی اولاد ہے۔

(2): توحید فی الصفات:

اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں یکتا ہے، صفات میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

(3): توحید فی الاسماء:

اللہ تعالیٰ اپنے ناموں میں یکتا ہے۔

ان تینوں اقسام پر تفصیلی گفتگو آگے اپنے مقام پر آرہی ہے۔

قَوْلُهُ: وَمَا يَصِحُّ الْإِعْتِقَادُ عَلَيْهِ

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت میں فرمانا چاہتے ہیں کہ مؤخر

الذکر جو امور بیان ہو رہے ہیں ان کو دل سے ماننا بھی ضروری ہے اور زبان سے ان کا اقرار بھی لازمی ہے۔

فائدہ نمبر 1: ”ایمان“ دراصل ان چیزوں کو دل سے ماننے کا نام ہے۔ زبان سے اقرار؛ اجراء احکام کے لیے شرط ہے۔ بالفاظ دیگر ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور اقرار باللسان یہ اجراء احکام کے لیے شرط ہے۔ اسی لیے امام صاحب نے فرمایا: ”وَمَا يَصِحُّ إِلَّا عَقْدًا عَلَيْهِ“ کہ ان امور پر یقین رکھنا بھی ضروری ہے اور ”يَجِبُ أَنْ يَقُولَ“ کہ زبان سے ان کا اقرار بھی لازم ہے۔

فائدہ نمبر 2: زندگی میں ایک بار اور بوقتِ ضرورتِ زبان سے اقرار کرنا فرض ہے۔ اگر کوئی شخص دل سے تو اعتقاد رکھتا ہے لیکن بوقتِ تقاضا زبان سے اقرار نہیں کرتا تو اسے مؤمن نہیں کہا جاسکتا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے چند ایمانیات کا ذکر فرمایا ہے جن کی تفصیل درج

ذیل ہے:

قَوْلُهُ: اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ

اللہ تعالیٰ پر ایمان:

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بارے میں تین باتیں ملحوظ رکھنا ضروری ہیں:

ذات باری تعالیٰ، صفات باری تعالیٰ اور اسمائے باری تعالیٰ

[1]: ذات باری تعالیٰ

ذات باری تعالیٰ کے متعلق پانچ بنیادی باتیں سمجھنا ضروری ہیں:

پہلی بات: اللہ تعالیٰ کیا ہے؟ کے جواب میں یہ کہنا چاہیے کہ:

لَيْسَ بِجِسْمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَلَا عَرِضٍ وَلَا طَوِيلٍ وَلَا عَرِيضٍ وَلَا يَشْغُلُ الْأَمْكِنَةُ  
وَلَا يَحْوِيهِ مَكَانٌ وَلَا جِهَةٌ مِنَ الْجِهَاتِ السِّتِّ وَلَيْسَ بِمُتَحَرِّكٍ وَلَا سَاكِنٍ وَلَا  
يُدْرِكُهُ إِلَّا حَسَاسٌ.

دَفْعُ شُبْهِهِ التَّشْبِيهِ لَابْنِ الْجَوْزِيِّ: ص 11

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے، نہ جوہر ہے، نہ عرض، نہ طویل، نہ عریض، نہ کسی مکان میں اتر کر اس کو بھرتا ہے اور نہ کوئی مکان اس کا احاطہ کر سکتا ہے اور نہ اس کے لیے جہاتِ ستہ میں سے کوئی خاص جہت ثابت ہے، نہ ہی وہ متحرک ہے، نہ ساکن ہے، نہ اسے حواس سے محسوس کیا جاسکتا ہے۔

فائدہ نمبر 1:

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں چند الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔  
ان کی تعریف پیش کی جاتی ہے:

1: جسم

الْمَرْكَبُ مِنْ جُزْئَيْنِ فَصَاعِدًا.

احسن الفوائد شرح الفقہ الاکبر: ص 76

ترجمہ: دو یا دو سے زائد اجزاء سے مرکب چیز کو جسم کہتے ہیں۔

2: جوہر

كُلُّ مُمَكِّنٍ لَهُ قِيَامٌ بِذَاتِهِ أَيْ لَيْسَ تَحْيُزُهُ تَابِعًا لِتَحْيُزِ غَيْرِهِ.

احسن الفوائد شرح الفقہ الاکبر: ص 76

ترجمہ: ہر وہ ممکن چیز ہے جس کا قیام ذاتی ہو یعنی اس کا کسی جگہ میں ہونا کسی دوسری چیز کے اس جگہ میں ہونے کے تابع نہ ہو۔

## 3: عرض

كُلُّ مُمَكِّنٍ لَهُ قِيَامٌ بِالْغَيْرِ أَمَّا يَكُونُ مَحْيُوثًا تَابِعًا لِتَحْيِيهِ الْغَيْرِ.

احسن الفوائد شرح الفقہ الاکبر: ص 76

ترجمہ: ہر اس ممکن چیز کو کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کی وجہ سے قائم ہو، یعنی اس کا کسی جگہ میں ہونا کسی دوسرے چیز کے اس جگہ میں ہونے کے تابع ہو۔

## فائدہ نمبر 2:

عام طور پر کسی شے کی تعریف کرتے ہوئے صفات وجودیہ ذکر کی جاتی ہیں لیکن ذات باری تعالیٰ کی تعریف صفات سلبیہ سے کی جاتی ہے۔

دوسری بات: اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ہے۔ اس میں تعدد نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ

سورة الاخلاص: 1

ترجمہ: فرماد دیجیے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی مزید تشریح امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمائی ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

تیسری بات: اللہ تعالیٰ کی ذات اول بھی ہے اور آخر بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

الحديد: 3

ترجمہ: وہی اول بھی ہے اور آخر بھی ہے، ظاہر بھی ہے اور چھپا ہوا بھی ہے اور وہ ہر

چیز کو جاننے والا ہے۔

یہاں ایک وضاحت سمجھنا ضروری ہے کہ اول اور آخر کی دو قسمیں ہیں:

اول و آخر حقیقی:

جس سے پہلے کوئی اور نہ آسکتا ہو اسے ”اول حقیقی“ اور جس کے بعد کوئی اور نہ آسکتا ہو اسے ”آخر حقیقی“ کہتے ہیں۔

اول و آخر اضافی:

جس سے پہلے کوئی اور آسکتا ہو اسے ”اول اضافی“ کہتے ہیں اور جس کے بعد کوئی اور آسکتا ہو اسے ”آخر اضافی“ کہتے ہیں۔

جب ہم اللہ تعالیٰ کو ”اول“ اور ”آخر“ کہتے ہیں تو اس سے مراد ”اول حقیقی“ اور ”آخر حقیقی“ ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی نہ تھا تو اس وقت اللہ تعالیٰ تھے اور جب کوئی نہیں ہو گا تو اللہ تعالیٰ اس وقت بھی ہوں گے۔

حدیث مبارک میں ہے:

عَنْ سَهِيلٍ قَالَ كَانَ أَبُو صَالِحٍ يَأْمُرُنَا إِذَا أَرَادَ أَحَدُنَا أَنْ يَنَامَ أَنْ يَضْطَجِعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ يَقُولُ: "اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ وَرَبَّ الْأَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوَى وَمُنْزِلَ التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْفُرْقَانِ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ اقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَأَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ. وَكَانَ يَرَوِي ذَلِكَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2713

ترجمہ: حضرت سہیل (بن ابوصالح) سے روایت ہے کہ (میرے والد) ابوصالح ہمیں اس بات کا حکم دیا کرتے تھے کہ جب ہم میں سے کوئی شخص سونے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ بستر پر دائیں کروٹ لیٹے، اس کے بعد یہ دعا پڑھے: ”اے اللہ! اے آسمانوں کے رب! زمین کے رب! عرش عظیم کے رب! ہمارے رب اور ہر چیز کے رب! اے دانوں اور گٹھلیوں کو (پودے اور درخت اگانے کے لیے) چیرنے والی ذات! اے تورات، انجیل اور فرقان (قرآن مجید) کو نازل کرنے والی ذات! میں ہر اس چیز کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں جس کی پیشانی تیرے قبضے میں ہے۔ اے اللہ! تو ایسا اول ہے کہ تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی، تو ایسا آخر ہے کہ تیرے بعد کوئی چیز نہیں ہوگی، تو ایسا ظاہر ہے کہ تیرے اوپر کوئی چیز نہیں ہے اور تو ایسا باطن ہے کہ تیرے پیچھے کوئی چیز نہیں ہے۔ ہماری طرف سے قرض ادا فرما اور تنگدستی سے ہماری حفاظت فرما! اس حدیث کو ابوصالح رحمہ اللہ؛ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے تھے۔

اس حدیث مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو ”اللَّهُمَّ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ“ کے الفاظ سے پکارا ہے۔

چوتھی بات: اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے۔ قدیم ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو قدیم نہ مانیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ عدم سے وجود میں آنے کے لیے کسی ایسی چیز کے محتاج تھے کہ وہ چیز ملی تب وجود ملا۔ یہ دلیل ہوگی اللہ تعالیٰ کے محتاج ہونے کی۔ معاذ اللہ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کائنات میں کسی چیز کے محتاج نہیں بلکہ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی محتاج ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

## اللّٰهُ الصَّمَدُ

سورۃ الاخلاص: 2

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بے نیاز ذات ہے۔

علامہ حافظ الدین ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی (ت 710ھ) ”صمد“ کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لَا يَحْتَاجُ إِلَى أَحَدٍ وَيَحْتَاجُ إِلَيْهِ كُلُّ أَحَدٍ.

تفسیر المدارک للامام النسفی: ج 2 ص 842 تحت قوله تعالى: الله الصمد

ترجمہ: صمد وہ ذات ہے جو کسی کی محتاج نہ ہو بلکہ سارے اس کے محتاج ہوں۔

پانچویں بات: اللہ تعالیٰ بلا جسم، بلا جہت اور بلا مکان موجود ہے۔

## [۲]: صفات باری تعالیٰ:

صفات کی دو قسمیں ہیں: محکمت اور متشابہات

صفات محکمت وہ صفات ہیں جن کا معنی ظاہر اور واضح ہے۔ مثلاً سمع، بصر، علم، قدرت وغیرہ اور صفات متشابہات وہ صفات ہیں جن کے معانی غیر واضح اور مبہم ہیں، عقل انسانی کی وہاں تک رسائی نہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ید، وجہ، عین وغیرہ کلمات اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات ہیں۔

پھر صفات محکمت کی دو قسمیں ہیں: صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ

صفات ذاتیہ ان صفات کو کہتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو اور ان کی ضد کے ساتھ موصوف نہ ہو۔ یہ صفات سات ہیں: حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔

صفات فعلیہ ان صفات کو کہتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو اور ان کی ضد کے ساتھ بھی موصوف ہو لیکن ان کا وقوع اللہ تعالیٰ کے غیر پر ہوتا ہو جیسے

احیاء، امات، اهداء، اضلال، اعزاز، اذلال وغیرہ۔

اسی طرح صفات متشابہات کی بھی دو اقسام ہیں:

پہلی قسم غیر معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے حروف مقطعات۔ ان صفات متشابہات کو ”متشابہات من کل الوجوہ“ بھی کہتے ہیں۔

دوسری قسم معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے استواء علی العرش، ید، وجہ، عین، ساق، نفس وغیرہ جو کلمات اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ ان صفات متشابہات کو ”متشابہات من وجہ“ بھی کہتے ہیں۔

صفات ذاتیہ، صفات فعلیہ اور صفات متشابہات کی مزید تفصیل آگے صفات کی بحث میں آرہی ہے۔

[۳]: اسماء باری تعالیٰ:

اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی ذات اور صفات میں کیلتا ہے اسی طرح اپنے اسماء میں بھی کیلتا ہے۔

فائدہ: اسماء باری تعالیٰ کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

قَوْلُهُ: وَمَلَايَكْتِه

فرشتوں پر ایمان:

فرشتے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نور سے پیدا فرمایا ہے۔ علامہ عبد العزیز پرہاڑوی الحنفی (ت 1239ھ) فرشتوں کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

إِنَّهَا أَجْسَامٌ لَطِيفَةٌ نُورَانِيَّةٌ قَادِرَةٌ عَلَى التَّشَكُّلِ بِأَلَا شَكَالٍ.

مرام الکلام فی عقائد الاسلام از مولانا عبد العزیز پرہاڑوی: ص 9



ترجمہ: فرشتے نور سے پیدا کی جانے والی ایک لطیف مخلوق ہے جو مختلف شکلوں میں آنے پر قدرت رکھتے ہیں۔

فائدہ نمبر 1: فرشتے نہ ہی مرد ہوتے ہیں نہ عورت۔ قرآن و حدیث میں جہاں فرشتوں کا تذکرہ ہے وہاں ان کو مذکر یا مؤنث کے طور پر بیان نہیں کیا گیا اس لیے انہیں مذکر کہا جائے نہ مؤنث۔ علامہ عبد العزیز پرہاڑوی الحنفی (ت 1239ھ) لکھتے ہیں:

وَلَا يُوصَفُونَ بِذُنُورٍ وَلَا أُنُوثَةٍ إِذْ لَمْ يَرَدْ بِهِ نَقْلٌ. أَمَّا التَّذْكِيرُ فِي الصَّمَائِرِ وَاسْتِنَادِ الْأَفْعَالِ فَكَمَا فِي الْأَسْمَاءِ إِلَهِيَّةٍ وَذَلِكَ لِشَرَفِ التَّذْكِيرِ.

النبراس فی شرح شرح العقائد: ص 288

ترجمہ: فرشتے نہ مذکر ہوتے ہیں نہ مؤنث کیونکہ قرآن و حدیث میں اس بارے میں کوئی بات منقول نہیں۔ رہا ان کے لیے مذکر کی ضمائر استعمال کرنا یا مذکر فعل کی نسبت کرنا تو یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ہوتا ہے (کہ ضمیر مذکر اور نسبت بھی مذکر والے فعل کی)۔ اور یہ مذکر لانا بھی اس لیے ہوتا ہے کیونکہ مذکر کو (مؤنث) برتری حاصل ہے۔

نیز مرد و عورت ہونے کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں توالد و تناسل ہو لیکن یہاں یہ سلسلہ نہیں ہے۔

فائدہ نمبر 2: اللہ تعالیٰ نے جس کام پر انہیں مقرر فرمایا ہے اسے خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ ارشاد باری ہے:

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ

ترجمہ: وہ (فرشتے) اللہ کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ انہیں جو حکم دیا جائے اسے بجالاتے ہیں۔

فائدہ نمبر 3: فرشتے کھانے پینے سے پاک ہوتے ہیں۔ اس آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے:

فَلَمَّا رَأَوْهُمُ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً

سورۃ ہود: 70

ترجمہ: جب انہوں نے (یعنی ابراہیم علیہ السلام نے) دیکھا کہ ان فرشتوں کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے تو انہوں نے ان (فرشتوں) کو اجنبی جانا اور دل میں خوف محسوس کیا۔

فائدہ نمبر 4: ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے ہیں۔

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ يُسَبِّحُوْنَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ

سورۃ الانبیاء: 19، 20

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں جو لوگ ہیں وہ اللہ ہی کے ہیں اور جو اس کے نزدیک رہتے ہیں (یعنی فرشتے) وہ اس کی عبادت کرنے سے منہ نہیں موڑتے۔ رات اور دن میں تسبیح کرنے میں مشغول رہتے ہیں اور اس کام میں سستی نہیں کرتے۔

فائدہ نمبر 5: فرشتوں کی ذمہ داریاں

بعض فرشتے انبیاء علیہم السلام پر وحی لانے پر مامور رہے۔

يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادَةٍ

سورۃ النحل: 2

ترجمہ: وہ (اللہ) فرشتوں کو پیغام (وحی) دے کر اپنے بندوں میں سے جس کے پاس

چاہے بھیجتا ہے۔

☞ بعض فرشتے اولیاء کی طرف پیغام لاتے ہیں۔

إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ لِمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ

سورة آل عمران: 45

ترجمہ: جب فرشتوں نے کہا کہ اے مریم! اللہ تجھے اپنی جانب سے ایک کلمہ کی خوشخبری دیتا ہے۔

☞ بعض فرشتے ارواح قبض کرنے پر مامور ہیں۔

حَتَّىٰ اِذَا جَاءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفْعَرُّوْنَ

سورة الانعام: 61

ترجمہ: یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی وفات کا وقت قریب آتا ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے۔

☞ بعض فرشتے اعمال لکھتے رہتے ہیں۔

اِنَّ رُّسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَكْمُرُوْنَ

سورة يونس: 21

ترجمہ: بے شک ہمارے فرشتے تمہاری چالوں کو لکھ رہے ہیں۔

☞ بعض فرشتوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ دیگر مخلوق کی حفاظت کا فریضہ سر انجام دیتے ہیں۔

لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنۡ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُوْنَهُ مِّنۡ اَمْرِ اللّٰهِ

سورة الرعد: 11

ترجمہ: ہر آدمی کے لیے آگے بھی اور پیچھے بھی نگران (فرشتے) مقرر کردہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔

☞ بعض فرشتے جنت کے خازن ہیں۔

حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلِمَ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ

سورة الزمر: 73

ترجمہ: یہاں تک کہ جب وہ (جنتی) وہاں (جنت میں) پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے اور انہیں جنت کے داروغے کہیں گے: تم پر سلامتی ہو! تم لوگ بہت خوب رہے! اب جنت میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ۔  
 بعض فرشتے جہنم کے خازن ہیں۔

حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فَتُحْتِ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ

سورة الزمر: 71

ترجمہ: یہاں تک کہ جب وہ (جہنمی لوگ) وہاں (جہنم میں) پہنچیں گے تو اس وقت جہنم کے دروازے کھولے جائیں گے اور جہنم کے خازن کہیں گے: کیا تمہارے پاس تمہی میں سے کوئی رسول نہیں آئے تھے؟  
 بعض فرشتے عرش الہی کو اٹھائے ہوئے ہیں۔

الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَ  
 يَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا

سورة المؤمن: 7

ترجمہ: وہ فرشتے جو عرش اٹھانے والے ہیں اور جو اس کے ارد گرد ہیں وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں، اپنے رب پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

غرض فرشتوں کے ذمہ مختلف کام ہیں جنہیں وہ سرانجام دیتے ہیں۔

فائدہ نمبر 6: فرشتوں کی تعداد فرشتوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے

ہاں البتہ بعض امور پر متعین خاص فرشتوں کی تعداد قرآن وحدیث میں مذکور ہے۔

## 1: آٹھ حاملین عرش

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَنِيَّةٌ

سورة الحاقة: 17

ترجمہ: آپ کے رب کے عرش کو اس دن (یعنی قیامت کے دن) آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

حاملین عرش کی تعداد اس وقت چار ہے۔ قیامت کے دن ان کے ساتھ چار مزید فرشتے لگا دیے جائیں گے تو یہ تعداد آٹھ ہو جائے گی جیسا کہ اس حدیث مبارک میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَحْمِلُهُ الْيَوْمَ أَرْبَعَةٌ وَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَمَانِيَّةٌ".

الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ج 2 ص 3140 تحت قوله تعالى وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ سورة الحاقة: 17

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے عرش کو اس وقت چار فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے اور یہ فرشتے قیامت کے دن آٹھ ہو جائیں گے۔

## 2: انیس داروغہ جہنم

وَمَا أَزِلُّكَ مَا سَقَرُ (٢٧) لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ (٢٨) لَوْ أَحَاطَ لِلْبَشَرِ (٢٩) عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ (٣٠)

سورة المدثر: 27 تا 30

ترجمہ: آپ کو کیا معلوم کہ سقر (دوزخ) کیا ہے؟ وہ (آگ) نہ کسی کو باقی رہنے

دے گی اور نہ کسی کو چھوڑے گی۔ کھال کو جھلسا کے رکھ دے گی۔ اس پر انیس داروغے مقرر ہیں۔

### 3: دو قبر میں سوال کرنے والے

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْعَبْدُ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَتَوَلَّى وَذَهَبَ أَصْحَابُهُ حَتَّى إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ أَتَاكَ مَلَكَانِ فَأَقْعَدَاكَ فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَيَقُولُ: أَشْهَدُ أَنَّكَ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ. فَيُقَالُ انْظُرْ إِلَى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ أَبَدَلَكَ اللَّهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1338

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندے کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ورثاء اسے دفن کر کے واپس جاتے ہیں تو یہ ان کے قدموں کی آواز کو بھی سنتا ہے۔ اس وقت اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اسے بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں: تم اس شخص یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ وہ شخص جواب دیتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ اپنے جہنم والے اس ٹھکانے کو دیکھو! اللہ نے اسے جنت کے ٹھکانے سے تبدیل کر دیا ہے۔

ان میں سے ایک کا نام ”مُنْكَر“ اور دوسرے کا نام ”نَکِیْر“ ہے۔

اثبات عذاب القبر للبیہقی: رقم الحدیث 44

فائدہ نمبر 7: مقرب فرشتے مقرب فرشتے چار ہیں: حضرت جبرائیل،

حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل (ملک الموت) علیہم السلام۔

علامہ جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی الشافعی (ت 911ھ) ایک

روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عِكْرَمَةَ بْنِ خَالِدٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أُنْئِيَ الْخَلْقِ أَكْرَمُ عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ؟ قَالَ: لَا أَذْرِي، فَنَاءَهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ: يَا جِبْرِيلُ! أُنْئِيَ الْخَلْقِ أَكْرَمُ عَلَى اللَّهِ؟ قَالَ: لَا أَذْرِي فَعَرَّجَ جِبْرِيلُ ثُمَّ هَبَطَ فَقَالَ: أَكْرَمُ الْخَلْقِ عَلَى اللَّهِ جِبْرِيلُ وَمِيكَائِيلُ وَإِسْرَافِيلُ وَمَلَكُ الْمَوْتِ فَأَمَّا جِبْرِيلُ فَصَاحِبُ الْحَرْبِ وَصَاحِبُ الْمُرْسَلِينَ وَأَمَّا مِيكَائِيلُ فَصَاحِبُ كُلِّ قَطْرَةٍ تَسْقُطُ وَكُلِّ رَقَةٍ تَعْبُثُ وَكُلِّ رَقَةٍ تَسْقُطُ وَأَمَّا مَلَكُ الْمَوْتِ فَهُوَ مُوَكَّلٌ بِقَبْضِ كُلِّ رُوحٍ عَبْدٍ فِي بَيْتٍ أَوْ بَحْرٍ وَأَمَّا إِسْرَافِيلُ فَأَمِينُ اللَّهِ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ.

تفسیر الدر المنثور: ج 1 ص 492 تحت قولہ تعالیٰ ”قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ“ سورة البقرة: 97

ترجمہ: حضرت عکرمہ بن خالد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کو مخلوق میں سے کون زیادہ پسند ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس کا علم نہیں۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ اے جبرئیل! اللہ تعالیٰ کو مخلوق میں سے کون زیادہ پسند ہے؟ انہوں نے کہا: مجھے معلوم نہیں۔ پھر جبرئیل علیہ السلام آسمان کی طرف چلے گئے اور پھر واپس تشریف لائے اور کہنے لگے: اللہ تعالیٰ کو مخلوق میں سے سب سے محبوب جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت ہیں۔ جبرئیل عذاب بپا کرنے والا اور انبیاء علیہم السلام پر وحی لانے والا ہے۔ میکائیل بارش لانے، ہر پتہ کو اگانے اور ہر پتہ کو گرانے والا ہے۔ ملک الموت بر و بحر میں ہر ذی روح کی روح کو قبض کرنے والا ہے اور اسرافیل اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان امین ہے۔

فرشتوں کے سردار اور ان میں افضل حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ اللہ

تعالیٰ کا فرمان ہے:

تَعْرِجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ۝

سورة المعارج: 4

ترجمہ: فرشتے اور روح (حضرت جبرئیل علیہ السلام) اس کی طرف ایک ایسے دن میں چڑھ جاتے ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔

علامہ سید ابو الثناء محمود آلوسی آفندی بغدادی الحنفی (ت 1270ھ) اس

آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

أَيُّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَمَا ذَهَبَ إِلَيْهِ الْجَمُّهُورُ أَفَرَدًا بِالَّذِي كَرِهَ لِمَتَابِهِ وَفَضْلِهِ  
بِنَاءً عَلَى الْمَشْهُورِ مِنْ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَفْضَلُ الْمَلَائِكَةِ.

روح المعانی: ج 29 ص 56

ترجمہ: "تَعْرِجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ" اس آیت میں روح سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جیسا کہ جمہور کا موقف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو فرشتوں سے الگ کر کے ذکر کیا ہے ایک تو ان کے خاص امتیاز کی وجہ سے اور دوسرا اس مشہور موقف کی بنا پر کہ جبرئیل علیہ السلام تمام ملائکہ سے افضل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ

سورة التکویر: 21

ترجمہ: یہ (قرآن) ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا ہے جو بڑی قوت رکھتا ہے، عرش والے کے ہاں بلند مرتبہ کا مالک ہے، وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے اور وہ باعتماد بھی ہے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کو "مُطَاع" (کہ ان کا حکم فرشتوں میں مانا جاتا

ہے) کہنا ان کے سردار ہونے کی دلیل ہے۔



فائدہ نمبر 8: ارواح کو قبض کرنے والے فرشتے ملک الموت ہیں۔ کسی مرفوع حدیث میں ان کا نام ”عزرائیل“ نہیں آیا البتہ بعض آثار میں ان کا نام ”عزرائیل“ منقول ہے۔

حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر دمشقی شافعی (ت 774ھ) لکھتے ہیں:

وَأَمَّا مَلَكُ الْمَوْتِ فَلَيْسَ بِمُصَوَّرٍ بِاسْمِهِ فِي الْقُرْآنِ وَلَا فِي الْأَحَادِيثِ الصَّحَاحِ وَقَدْ جَاءَ تَسْمِيَّتُهُ فِي بَعْضِ الْأَثَارِ بِعُزْرَائِيلَ.

البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: ج 1 ص 106

ترجمہ: ملک الموت کا صراحت سے نام نہ تو قرآن مجید میں آیا ہے اور نہ ہی احادیث صحیحہ میں ہے۔ ہاں البتہ بعض آثار میں ان کا نام ”عزرائیل“ منقول ہے۔ ان آثار میں ملک الموت کا نام ”عزرائیل“ منقول ہے:

1: عَنْ وَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى قَالَ: ..... يَقُولُ عَزَّ وَجَلَّ: هَاتِ مَا وَكَّلْتُكَ بِهِ يَا عَزْرَائِيلَ. فَيَقُولُ: نَعَمْ يَا رَبِّ قَبِضْتُ رُوحَ كَذَا وَكَذَا إِنْشِيٍّ وَكَذَا وَكَذَا جَبِيٍّ، وَكَذَا وَكَذَا شَيْطَانٍ وَكَذَا وَكَذَا غَرِيبٍ، وَكَذَا وَكَذَا حَرِيبٍ، وَكَذَا وَكَذَا كَافِرٍ، وَكَذَا وَكَذَا شَهِيدٍ وَكَذَا وَكَذَا هَدِيدٍ وَكَذَا وَكَذَا لَدِيغٍ وَكَذَا وَكَذَا فِي سَهْلٍ، وَكَذَا وَكَذَا فِي جَبَلٍ، وَكَذَا وَكَذَا ظَبْرٍ، وَكَذَا وَكَذَا هَوَآمٍّ، وَكَذَا وَكَذَا وَخَشٍ فَذَلِكَ كَذَا، وَكَذَا جُمْلَتُهُ كَذَا وَكَذَا

کتاب العظمتہ لابی الشیخ الاصبہانی: ج 3 ص 847

ترجمہ: حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ (معروف تابعی، ایک طویل روایت نقل کرتے ہوئے) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اے عزرائیل! میں نے جس کام پر تم کو مقرر کیا ہے وہ میرے پاس لاؤ (یعنی جو تم نے سرانجام دیا ہے اس کی

کارروائی لاؤ!) عزرائیل کہتے ہیں: جی میرے رب! میں اتنے انسانوں، اتنے جنات، اتنے شیاطین، اتنے غرق ہونے والوں، اتنے جلنے والوں، اتنے کافروں، اتنے شہیدوں، اتنے دب کر مرنے والوں، اتنے ڈسے جانے والوں، اتنے میدانوں میں مرنے والوں، اتنے پہاڑوں پر مرنے والوں، اتنے پرندوں، اتنے حشرات، اتنے وحشی جانوروں کی ارواح کو قبض کر لایا ہوں۔

فائدہ: امام ابو الشیخ کا مکمل نام ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر بن حیان الانصاری ہے۔ آپ ”ابو الشیخ الاصبہانی“ کے نام سے معروف ہیں۔ سن 274 ہجری میں اصبہان میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے علم حدیث حاصل کرنے کا شوق تھا۔ اس مقصد کے لیے آپ نے مختلف ممالک کے اسفار بھی کیے اور شیوخ حدیث سے احادیث حاصل کیں۔ اساتذہ میں امام محمود بن الفرغ، امام ابراہیم بن سعدان، امام محمد بن عبد اللہ بن الحسن الہمدانی، امام محمد بن اسعد المدینی، امام عبد اللہ بن محمد بن زکریا رحمہم اللہ شامل ہیں۔ شاگردوں میں امام ابن مندہ، امام ابن مردویہ، امام ابو سعد المالینی، امام ابو نعیم الحافظ، امام ابو بکر احمد بن عبد الرحمن الشیرازی، امام محمد بن علی بن محمد بن سیبویہ رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں۔ ائمہ جرح و تعدیل نے آپ کو حافظ، ثقہ، ثبت، مامون قرار دے کر توثیق فرمائی ہے۔ آپ صاحب التصانیف عالم تھے۔ آپ کی تصانیف میں کتاب السنۃ، کتاب العظمت، طبقات المحرثین باصبہان، اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب السنن، کتاب ثواب الاعمال اہم کتب ہیں۔ آپ کی وفات سن 396 ہجری میں اصبہان میں ہوئی۔

2: عَنْ أَشْعَثَ قَالَ: "سَأَلَ إِبْرَاهِيمُ صَلَّى اللَّهُ عَلَى نَبِيِّنَا وَعَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا مَلَكَ الْمَوْتِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاسْمُهُ عِزْرَائِيلُ، وَلَهُ عَيْنَانِ عَيْنٌ فِي وَجْهِهِ وَعَيْنٌ فِي قَفَاةٍ فَقَالَ: يَا مَلَكَ الْمَوْتِ! مَا تَصْنَعُ إِذَا كَانَتْ نَفْسٌ بِالْمَشْرِقِ

وَنَفْسٌ بِالْمَغْرِبِ، وَوَقَعَ الْوَبَاءُ بِأَرْضِ، وَالتَّقَى الزَّحْفَانِ كَيْفَ تَصْنَعُ؟ قَالَ:  
أَدْعُوا الْأَرْوَاحَ بِإِذْنِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فَتَكُونُ بَيْنَ أَصْبُعَيْ هَاتَيْنِ. قَالَ: وَدَحِيتُ لَهُ  
الْأَرْضَ فَتَرَكْتُ مِثْلَ الطَّسْتِ يَتَنَاوَلُ مِنْهَا حَيْثُ شَاءَ. قَالَ: وَهُوَ الَّذِي بَشَّرَهُ  
بِأَنَّهُ خَلِيلُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ "

کتاب العظمتہ لابی الشیخ الاصہبانی: ج 3 ص 908

ترجمہ: حضرت اشعث ( بن اسلم تبع تابعی رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت ہے کہ  
حضرت ابراہیم صلی اللہ علی نبینا وعلیہ وسلم نے ایک بار ملک الموت علیہ السلام سے پوچھا  
جن کا نام عزرائیل ہے اور ان کی دو آنکھیں ہیں، ایک آنکھ سر میں اور ایک آنکھ گدی  
میں، انہوں نے پوچھا کہ اے ملک الموت! ایک شخص مشرق میں ہو اور ایک مغرب  
میں ہو اور پوری زمین میں باپھیل جائے اور لوگ دھڑا دھڑا مرنے لگیں تو اس وقت تم  
کیا کرتے ہو؟ ملک الموت نے جواب دیا: میں ارواح کو اللہ عز و جل کے حکم سے بلاتا  
ہوں اور وہ میری ان دو انگلیوں کے درمیان آجاتی ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ ملک الموت  
کے لیے زمین سیڑھی دی جاتی ہے اور وہ ایک تھال کی طرح بن جاتی ہے جس میں سے  
ملک الموت جہاں سے چاہتے ہیں ارواح قبض کر لیتے ہیں۔

فائدہ نمبر 9: انسانوں اور فرشتوں میں باہمی فضیلت

اکابرین و اسلاف کی عبارات کے پیش نظر درج ذیل موقف رائج معلوم ہوتا ہے۔

- 1: خواص بشر (انبیاء و رسل علیہم السلام) خواص ملائکہ (مقرنین یعنی جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، ملک الموت، حاملین عرش وغیرہ) سے افضل ہیں۔
- 2: خواص ملائکہ؛ دیگر ملائکہ اور عام بشر (اولیاء، اتقیاء، صلحاء) سے افضل ہیں۔
- 3: عام بشر (اولیاء، اتقیاء، صلحاء) عام ملائکہ سے افضل ہیں۔
- 4: عام ملائکہ فاسق فاجر انسانوں سے افضل ہیں۔

یہ موقف اکابرین کی ان عبارات سے مستفاد ہے۔

✽ علامہ محمد علی بن محمد بن علان بن ابراہیم البکری الصدیقی الشافعی (ت 1057ھ) لکھتے ہیں:

وَمَعْلَى تَفْضِيلِ الْبَشَرِ عَلَيْهِمْ أَنَّ خَوَاصَّهُمْ وَهُمْ الْأَنْبِيَاءُ أَفْضَلُ مِنْ خَوَاصِّ الْمَلَائِكَةِ وَهُمْ جِبْرِيلُ وَإِسْرَافِيلُ وَمِيكَائِيلُ وَعِزْرَائِيلُ وَحَمَلَةُ الْعَرْشِ وَالْمَقَرَّبُونَ وَالْكُرُوبِيُّونَ وَالرُّوحَانِيُّونَ وَخَوَاصَّهُمْ أَفْضَلُ مِنْ عَوَامِّ الْبَشَرِ إِجْمَاعًا بَلْ صَرُورَةً وَعَوَامِّ الْبَشَرِ وَهُمْ الصُّلَحَاءُ دُونَ الْفَسَقَةِ - كَمَا قَالَ الْبَيْهَقِيُّ وَغَيْرُهُ - أَفْضَلُ مِنْ عَوَامِّهِمْ.

دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین: ج 1 ص 25

ترجمہ: بشر کے فرشتوں پر افضل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خواص بشر یعنی انبیاء، خواص ملائکہ یعنی جبریل، اسرافیل، میکائیل، عزرائیل، حاملین عرش، مقربین، کروہین اور روحانین فرشتوں سے افضل ہیں اور خواص ملائکہ عام بشر سے اجماع کی وجہ سے یا ضرورت کی وجہ سے افضل ہیں (خواص ملائکہ کو وہ کام سونپے گئے ہیں جو عام بشر کو نہیں سونپے گئے، اس دلیل کے پیش نظر خواص ملائکہ کی عام بشر پر افضلیت لازم ہے۔ یہی ”ضرورت“ ہے) اور عام بشر جو بقول امام بیہقی وغیرہ نیک صالح لوگ ہیں نہ کہ فاسق و فاجر لوگ، یہ عام ملائکہ سے افضل ہیں۔

یہاں خواص بشر سے مراد اولیاء ہیں۔ اس عبارت سے موقف بالا کا جزء نمبر

1، 2 اور 3 صراحتاً ثابت ہوئے اور جزء نمبر 4 مفہوماً ثابت ہوا کہ جب فاسق لوگ عام فرشتوں سے افضل نہیں تو لازماً مفضول ہوں گے۔

✽ ابو العباس احمد بن محمد بن المہدی الحسنی الفاسی (ت 1224ھ) لکھتے ہیں:

وَالْتَّحَقُّ فِي الْمَسْأَلَةِ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ وَالرُّسُلَ أَفْضَلُ مِنْ خَوَاصِّ الْمَلَائِكَةِ

كَالْمُقَرَّبِينَ، وَخَوَاصُّ الْمَلَائِكَةِ - وَهُمْ الْمُقَرَّبُونَ - أَفْضَلُ مِنْ خَوَاصِّ الْبَشَرِ  
كَأَوْلِيَاءِ، وَخَوَاصُّ الْبَشَرِ أَفْضَلُ مِنْ عَوَامِ الْمَلَائِكَةِ، وَعَوَامُّ الْمَلَائِكَةِ  
أَفْضَلُ مِنْ عَوَامِّ الْبَشَرِ.

تفسیر البحر المید: ج 1 ص 598 تحت قولہ لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ

يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ سورة النساء: 172

ترجمہ: اس مسئلہ میں تحقیقی بات یہ ہے کہ انبیاء و رسل؛ خواص ملائکہ یعنی مقرب  
فرشتوں سے افضل ہیں اور خواص ملائکہ خواص بشر مثلاً اولیاء اللہ سے افضل ہیں اور  
خواص بشر عام ملائکہ سے افضل ہیں اور عام فرشتے عام بشر سے افضل ہیں۔

اس عبارت میں خواص بشر سے مراد اولیاء ہیں۔ اس سے موقف بالا کا جزء

نمبر 1، 2، 3 اور 4 ثابت ہوئے۔

✽ علامہ ابو الثناء محمود آلوسی آفندی بغدادی الحنفی (ت 1270ھ) احناف،  
اکثر شوافع اور اشاعرہ کا موقف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

إِنَّ الرُّسُلَ مِنَ الْبَشَرِ أَفْضَلُ مُطْلَقاً ثُمَّ الرُّسُلُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ عَلَى مَنْ سِوَاهُمْ  
مِنَ الْبَشَرِ وَالْمَلَائِكَةِ ثُمَّ عُمُومُ الْمَلَائِكَةِ عَلَى عُمُومِ الْبَشَرِ وَهَذَا مَا عَلَيْهِ  
أَصْحَابُ الْإِمَامِ أَبِي حَنِيفَةَ عَلَيْهِ الرَّحْمَةُ وَكَثِيرٌ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ وَالْأَشْعَرِيَّةِ.

روح المعانی: ج 15 ص 120 تحت قولہ تعالیٰ ”وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ“ سورة الاسراء: 70

ترجمہ: رسل بشر علی الاطلاق افضل ہیں، پھر رسل ملائکہ انبیاء کے ماسوا باقی بشر اور  
دیگر فرشتوں سے افضل ہیں، پھر عام ملائکہ عام بشر سے افضل ہیں۔ یہ موقف اصحاب  
ابی حنیفہ علیہ الرحمۃ، اکثر شوافع اور اشاعرہ کا ہے۔

اس عبارت میں عوام بشر سے مراد اولیاء ہیں (تصریح آگے آرہی ہے) اس

سے موقف بالا کا جزء نمبر 1، 2 اور 4 ثابت ہوئے۔

✽ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی (ت 1369ھ) فرماتے ہیں:

”حنفیہ کی رائے یہ نقل کی ہے کہ رسل بشر، رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ (باستثنائے رسل بشر کے) باقی تمام فرشتوں اور آدمیوں سے افضل ہیں اور عام فرشتوں کو عام آدمیوں پر فضیلت حاصل ہے۔ واللہ اعلم“

تفسیر عثمانی: ج 1 ص 889 تحت قولہ تعالیٰ ”وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ“ سورة الاسراء: 70

اس عبارت میں بھی عام آدمیوں سے مراد اولیاء ہیں۔ اس سے موقف بالا کا جزء نمبر 1، 2 اور 4 ثابت ہوئے۔

وضاحت: علامہ آلوسی بغدادی اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہما اللہ کی عبارات میں ”عوام بشر“ اور ”عام آدمیوں“ سے مراد اولیاء، اتقیاء اور صلحاء ہیں۔ یہ مفہوم اس عبارت سے مستفاد ہے۔ چنانچہ شیخ علامہ ابوالحسن محمد بن عبد الہادی السندی الحنفی (ت 1138ھ) ”عوام“ کی مراد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَهَذَا مُوَافِقٌ لِمَذْهَبِ أَهْلِ السُّنَّةِ مِنْ أَنَّ خَوَاصَّ الْبَشَرِ أَفْضَلُ مِنْ خَوَاصِّ الْمَلَائِكَةِ وَعَوَامُّ الْبَشَرِ أَفْضَلُ مِنْ عَوَامِّ الْمَلَائِكَةِ، قَالُوا: الْمُرَادُ بِالْعَوَامِّ الْأَوْلِيَاءُ الْأَتَقِيَاءُ وَالصُّلَحَاءُ.

شرح سنن ابن ماجہ: جزء 7 ص 317 تحت رقم الحدیث 3947

ترجمہ: یہ بات اہل السنۃ کے مذہب کے موافق ہے کہ خواص بشر خواص ملائکہ سے افضل ہیں اور عوام بشر عوام ملائکہ سے افضل ہیں۔ اہل السنۃ کا کہنا ہے کہ عوام بشر سے مراد اولیاء، اتقیاء اور صلحاء ہیں۔

قَوْلُهُ: وَكُتِبَہ

آسمانی کتب پر ایمان:

فائدہ نمبر 1: اللہ تعالیٰ نے جن و انس کی ہدایت کے لیے مختلف زمانوں میں

اپنے نبیوں کو کتب اور صحائف عطا فرمائے۔ جس زمانے میں جس نبی پر جو کتاب نازل ہوتی رہی وہ برحق اور سچی تھی۔

فائدہ نمبر 2: قیمت تک کے لیے واجب الاتباع اور نجات کا مدار صرف قرآن مجید ہے۔ باقی تمام کتب منسوخ ہو چکی ہیں۔

فائدہ نمبر 3: تمام آسمانی کتب پر ایمان لانے کا معنی ہے کہ ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ یہ کتب اپنے اپنے دور میں برحق اور صحیح تھیں۔ انہیں برحق ماننے کا مطلب ان پر عمل کرنا نہیں۔ اپنے اپنے زمانے میں انہیں سچا سمجھنا الگ بات ہے اور ان پر عمل کرنا بالکل دوسری بات ہے۔

فائدہ نمبر 4: انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی کتب اور صحائف کی تعداد ایک سو چار منقول ہے۔ ان میں چار کتب، تورات، انجیل، زبور اور قرآن نازل ہوئیں اور باقی ایک سو صحیفے نازل ہوئے۔ جن کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس، حضرت ادریس علیہ السلام پر تیس، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کے نزول سے قبل دس صحائف نازل ہوئے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللَّهِ! كَمْ كِتَابًا أَنْزَلَهُ اللَّهُ؟ قَالَ: مِائَةٌ كِتَابٍ، وَأَرْبَعَةٌ كُتِبَ، أَنْزَلَ عَلَى شِيثٍ خَمْسُونَ صَحِيفَةً، وَأَنْزَلَ عَلَى أَخْنُوخَ ثَلَاثُونَ صَحِيفَةً، وَأَنْزَلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ عَشْرَ صَحَائِفَ، وَأَنْزَلَ عَلَى مُوسَى قَبْلَ التَّوْرَةِ عَشْرَ صَحَائِفَ، وَأَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَالزَّبُورَ وَالْقُرْآنَ".

صحیح ابن حبان: رقم الحدیث 361

ترجمہ: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے کتنی کتب نازل فرمائیں؟ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ایک سو صحیفے اور چار کتابیں نازل فرمائیں۔ حضرت شیت علیہ السلام پر پچاس صحیفے، حضرت اَحْنُوخ علیہ السلام (یعنی حضرت ادریس علیہ السلام) پر تیس صحیفے، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کے نزول سے قبل دس صحائف نازل فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے کتب میں تورات، انجیل، زبور اور قرآن کو نازل فرمایا۔

فائدہ: اس حدیث مبارک میں اَحْنُوخ سے مراد حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔

علامہ ناصر الدین ابوسعید عبد اللہ بن عمر شیرازی البیضاوی (ت 685ھ) سورۃ مریم کی آیت نمبر 56 **وَ اذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِذْ رِیْسٌ** کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَ اذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِذْ رِیْسٌ" وَهُوَ سِبْطُ شِیْثٍ وَجَدَّ اٰدَمَ نُوْحٌ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَاسْمُهُ اَحْنُوْحُ.

التفسیر البیضاوی: ج 1 ص 22

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: کتاب میں ادریس کا تذکرہ کیجیے۔ حضرت ادریس؛ حضرت شیت کے پوتے اور حضرت نوح کے والد کے دادا ہیں۔ ان کا نام احنوخ ہے۔

قَوْلُهُ: وَرُسُلُهُ

رسولوں پر ایمان:

اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام ہدایت دنیا میں بھیجنے کے لیے انسانوں میں سے ایک لاکھ چوبیس ہزار ہستیوں کا انتخاب فرمایا۔ یہ منتخب شخصیات اللہ تعالیٰ کا پیغام اپنی اپنی امت کو پہنچاتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو اس کے بندوں تک پہنچانے والے اس واسطے کا نام ”نبوت“ ہے۔ سلسلہ نبوت کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا۔



## فائدہ نمبر 1: نبی کی تعریف

إِنْسَانٌ مَّبْعُوثٌ مِّنَ اللَّهِ مَعْصُومٌ عَنِ الْخَطَا مَفْرُوضٌ الْإِيتِبَاعِ.

ترجمہ: نبی اس انسان کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھیجا گیا ہو، خطا سے معصوم ہو اور اس کی پیروی کرنا فرض ہو۔

اس تعریف میں مذکور چند الفاظ کو سمجھ لینا ضروری ہے:

## (1): انسان

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی (ت 1230ھ) سورۃ الحجر آیت نمبر 28 "وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ" کی تشریح میں فرماتے ہیں:

”بشر وہ جو بدن رکھے کہ ہاتھ سے پکڑا جاوے اور روح رکھے ہوشیار۔ اگلے مخلوقات یا حیوان تھے جن کو ہوش نہیں، یا فرشتے یا جن تھے جن کا بدن نہ پکڑا جاوے“

موضح القرآن از شاہ عبدالقادر محدث دہلوی: ص 341

اس کا حاصل یہ ہے کہ انسان وہ ہوتا ہے جو محسوس اور ذوق عقل ہو۔

ذوق عقل کی دو قسمیں ہیں: 1: کامل 2: ناقص - ذوق عقل کامل ”مرد“ اور ناقص ”عورت“ ہے۔

نبی کے لیے ”انسان کامل“ ہونا ضروری ہے یعنی انسان ہو اور انسان بھی مرد ہو۔ اس لیے عورت نبی نہیں بن سکتی کیونکہ عورت ناقص العقل اور ناقص دین ہوتی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَخْطَى أَوْ فِطْرٍ إِلَى الْمَصَلَّى فَمَرَّ عَلَى

النِّسَاءِ فَقَالَ: "يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ! تَصَدَّقْنَ فَإِنِّي أُرِيْتُكُمْ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ" فَقُلْنَ: وَبِمَا يَأْرُسُوكَ اللَّهُ؟ قَالَ: "تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ، مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِينٍ أَذْهَبَ لِلْبَّيِّنِ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ". قُلْنَ: وَمَا نُقْصَانُ دِينِنَا وَعَقْلِنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: "أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلُ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ؟" قُلْنَ: بَلَى! قَالَ: "فَذَلِكَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا، أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تَصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟" قُلْنَ: بَلَى! قَالَ: "فَذَلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِينِهَا".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 304

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے لیے عید گاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے پاس سے گزرے تو فرمانے لگے: اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ و خیرات کیا کرو، مجھے دکھایا گیا ہے کہ جہنم میں تمہاری تعداد زیادہ ہوگی۔ عورتیں کہنے لگیں: یا رسول اللہ! وہ کیوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ تم گالی گلوچ بہت زیادہ کرتی ہو اور خاوند کی نافرمانی کرتی ہو، میں نے دین اور عقل میں تم سے زیادہ ایسا ناقص کوئی نہیں دیکھا جو ایک اچھے بھلے شخص کی عقل کو خراب کر دے۔ عورتیں کہنے لگیں: یا رسول اللہ! ہمارے دین اور ہماری عقل میں نقص کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا عورت کی گواہی مرد کی نصف گواہی کے برابر نہیں؟ کہنے لگیں: کیوں نہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو یہ اس کی عقل کا نقصان ہے اور جب کسی عورت کو ایام آجائیں تو کیا وہ نماز اور روزہ نہیں چھوڑتی؟ عورتیں کہنے لگیں: کیوں نہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی اس عورت کے دین کا نقصان ہے۔

(2): مبعوث من اللہ

کوئی انسان اپنی عبادت و ریاضت اور اعمال سے نبی نہیں بنتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے

انتخاب سے نبی بنتا ہے۔ نبوت وہی ہے نہ کہ کسبی، یہ سلیکشن سے ملتی ہے نہ کہ الیکشن سے۔ ”الیکشن“ کہتے ہیں جسے لوگ چنیں اور ”سلیکشن“ کہتے ہیں جسے حکومت چنے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يُنْزِلُ الْمَلَكَةُ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ

سورۃ النحل: 2

ترجمہ: وہ اس وحی کو اپنے جس بندے پر چاہتا ہے اپنے حکم سے فرشتوں کے ذریعے نازل فرما دیتا ہے۔

(3): معصوم عن الخطأ

”معصوم“ یہ مفعول کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے ”بچایا ہوا“ ہم یہ نہیں کہتے کہ نبی گناہوں سے خود بچتا ہے بلکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو گناہوں سے بچاتا ہے۔

نوٹ: عصمت انبیاء علیہم السلام پر دلائل آگے آرہے ہیں۔ ان شاء اللہ

(4): مفروض الاتباع

لفظ ”إِتِّبَاع“ یہ ”تَبِيعَةُ“ سے ہے اور ”تَبِيعَةُ“ جانور کے اس بچے کو کہتے ہیں جو ماں کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ ماں کدھر جاتی ہے، یہ نہیں دیکھتا کہ ماں کیوں جاتی ہے؟ نبوت کی اتباع بھی یوں کی جائے کہ ہر حکم کو من و عن تسلیم کر کے عمل کیا جائے، سمجھ میں آئے تب بھی مانیں اور سمجھ میں نہ آئے تب بھی مانیں۔ نبوت کی بات کو عقل پر نہیں پرکھا جائے گا بلکہ عقل کو چھوڑ کر نبوت کی بات کو ترجیح دی جائے گی۔

## فائدہ نمبر 1: نبی و رسول میں فرق

مولانا عبد العزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ (ت 1239) لکھتے ہیں:

قَالَ الرَّسُولُ: مَنْ جَاءَ بِبَشَرٍ جَدِيدٍ وَالنَّبِيُّ: مَنْ لَمْ يَأْتِ بِهِ.

النبراس شرح شرح العقائد: ص 54، 282

ترجمہ: جو نئی شریعت لائے وہ رسول ہے اور جو نئی شریعت نہ لائے وہ نبی ہے۔

## فائدہ نمبر 2: تعداد انبیاء و رسل علیہم السلام

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ أَبُو ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! كَمْ وَقَاءُ عِدَّةِ الْأَنْبِيَاءِ؟ قَالَ: مِائَةُ أَلْفٍ وَارْبَعَةٌ وَعِشْرُونَ أَلْفًا، أَلْرُّسُلُ مِنْ ذَلِكَ ثَلَاثَ مِائَةٍ وَخَمْسَةِ عَشَرَ بَشَرًا غَيْرًا.

مشکوٰۃ المصابیح: ص 511 باب بدء الخلق وذكر الانبياء

ترجمہ: حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: یا رسول اللہ! انبیاء کی پوری تعداد کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار، ان میں سے رسولوں کی تعداد تین سو پندرہ ہے جو کہ ایک بہت بڑی تعداد ہے۔

## فائدہ نمبر 3: نبی کی ذات بشر، صفت نور

نبی اپنی ذات کے اعتبار سے بشر اور انسان ہوتے ہیں اور اپنی صفت کے لحاظ سے نور ہوتے ہیں۔ جن آیات اور احادیث میں انبیاء علیہم السلام کو ”بشر“ فرمایا گیا وہاں مراد ذات نبوت ہے اور جہاں ”نور“ فرمایا گیا وہاں مراد صفت نبوت ہے۔

1: قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا

سورۃ بنی اسرائیل: 93

ترجمہ: کہہ دیجیے کہ میرا رب پاک ہے، میں تو ایک بشر ہوں جسے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

2: قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ إِلَهُ وَاحِدٌ

سورة الکہف: 110

ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ میں تو تمہاری طرح ایک بشر ہوں، مجھ پر یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

3: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أُنْسِي كَمَا تَنْسُونَ فَإِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُونِي.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 401

ترجمہ: بے شک میں بشر ہوں، میں بھی بھول جاتا ہوں جیسے تم بھول جاتے ہو۔ اس لیے جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلادیا کرو!

4: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عَهْدًا لَنْ تُخْلِفَنِيهِ فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ فَأَيُّ الْمُؤْمِنِينَ آذَيْتُهُ شَتَمْتُهُ لَعَنْتُهُ جَلَدْتُهُ فَاجْعَلْهَا لَهُ صَلَاةً وَرَكَاةً وَقُرْبَةً تَقَرِّبُهُ إِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2601

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میں آپ سے عہد کرتا ہوں (امید ہے کہ) آپ اس عہد کے خلاف نہیں کریں گے۔ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ایک بشر ہوں۔ جس مومن کو میں کوئی تکلیف دوں، برا بھلا کہوں، لعنت کروں یا سزا دوں تو اسے اس کے لیے رحمت اور پاکیزگی بنا دیجئے اور ایسی قربت کا ذریعہ بنا دیجئے جس کے باعث وہ قیامت کے دن

آپ کا مقرب بن جائے۔

5: قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ

سورۃ المائدہ: 15

ترجمہ: تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور اور واضح کتاب آچکی ہے۔

6: وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا

سورۃ الاحزاب: 46

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حکم سے اسی کی طرف بلانے والے اور روشن کرنے والے آفتاب ہیں۔

فائدہ:

تقریر بالا ”نبی کی ذات بشر اور صفت نور ہے“ سے ان آیات و احادیث جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کا ذکر ہے اور جن میں نور ہونے کا ذکر ہے دونوں میں تطبیق ہو جاتی ہے، نہ آیات بشریت؛ آیات نور کے خلاف ہوتی ہیں نہ آیات نور؛ آیات بشریت کے خلاف ہوتی ہیں، دونوں میں تعارض باقی نہیں رہتا۔

فائدہ نمبر 4: خدائی اختیارات و صفات نبی کے لیے ثابت نہیں

نبی کے لیے خدائی اختیارات اور صفات خاصہ ثابت کرنا جائز نہیں جیسے علم غیب، حاضر ناظر، مختار کل وغیرہ۔ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔

صفت علم الغیب:

عالم الغیب ہونا خدائی صفت ہے، نبی کے لیے ثابت نہیں۔

1: وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ

الانعام: 59

ترجمہ: اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

2: قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ

سورۃ النمل: 65

ترجمہ: کہہ دیجیے کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے علاوہ کوئی غیب نہیں جانتا۔

3: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ... مَنْ حَدَّثَكَ اَنْهُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ فَقَدْ كَذَبَ وَهُوَ يَقُوْلُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 7380

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے تو وہ شخص جھوٹا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے کہ اللہ کے علاوہ غیب کوئی نہیں جانتا۔

صفتِ حاضر ناظر:

حاضر ناظر ہونا خدائی صفت ہے، نبی کے لیے ثابت نہیں۔

1: وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ

سورۃ البقرۃ: 115

ترجمہ: مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، جس طرف پھر جاؤ ادھر اللہ تعالیٰ کا رخ ہے۔

2: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَبِيْعًا بَصِيْرًا

سورۃ النساء: 58

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

3: عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَبَعَلَ النَّاسُ يَجْهَرُوْنَ بِالتَّكْبِيْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

"أَيُّهَا النَّاسُ ارْزِعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ إِنَّكُمْ لَيْسَ تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا، إِنَّكُمْ تَدْعُونَهُ سَمِيعًا قَرِيبًا وَهُوَ مَعَكُمْ."

صحیح مسلم: ج 2 ص 346 باب استجاب خفض الصوت بالذكر

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، لوگ اونچی آواز سے تکبیریں کہنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنی جانوں پر نرمی کرو! تم بہرے وغائب کو نہیں پکار رہے، تم جسے پکار رہے ہو وہ سننے والا، قریب اور تمہارے ساتھ ہے۔

### صفتِ مختارِ کل:

مختار کل ہونا خدائی صفت ہے، نبی کے لیے ثابت نہیں۔

1: قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ

یونس: 49

ترجمہ: (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجیے میں تو خود اپنی ذات کو بھی نہ کوئی نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہوں نہ فائدہ پہنچانے کا، سب کچھ اللہ کی چاہت پر موقوف ہے۔

2: إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ

سورة القصص: 56

ترجمہ: آپ جس کو ہدایت دینا چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جسے ہدایت سے نوازنا چاہے نواز سکتا ہے۔ اللہ کو معلوم ہے کہ کون لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

3: عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أَنْزَلَ اللَّهُ " وَ أَنْذِرَ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ " قَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَوْ كَلِمَةً مَحْوَهَا اشْتَرَوْا أَنْفُسَكُمْ لَا أُغْنِي



عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا يَا عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَيَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللَّهِ لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ سَلِيلِي مَا شِدَّتْ مِنْ مَالِي لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 4771، صحیح مسلم: رقم الحدیث 206

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب اور ابو سلمہ بن عبد الرحمن رحمہما اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جب آیت مبارکہ "وَ أَتَذَرُ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ" [آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو خدا کے عذاب سے ڈرائے] نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے خاندانِ قریش! - یا اس قسم کا کوئی جملہ ارشاد فرمایا - اپنے آپ کو (توحید و رسالت کا اقرار کر کے جہنم کے عذاب سے) بچاؤ! میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں نہیں بچا سکتا! اے خاندان بنو عبد مناف! میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں نہیں بچا سکتا! اے عباس بن عبد المطلب! میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں نہیں بچا سکتا! اے میری پھوپھی صفیہ! میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں نہیں بچا سکتا! اے میری بیٹی فاطمہ! جس چیز کا میں مالک ہوں (مالی، ضروریاتِ زندگی وغیرہ) وہ تو مجھ سے مانگ لو لیکن میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں نہیں بچا سکتا!

فائدہ نمبر 5: نبی اور نبی الانبیاء علیہم السلام

”نبی“ اسے کہتے ہیں جس کا کلمہ امت پڑھے اور ”نبی الانبیاء“ اسے کہتے ہیں جس کا کلمہ امت بھی پڑھے اور انبیاء علیہم السلام بھی پڑھیں۔ باقی انبیاء علیہم السلام صرف ”نبی“ ہیں جبکہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نبی بھی ہیں اور نبی الانبیاء بھی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْنَاكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ

سورۃ آل عمران: 81

ترجمہ: اور جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت دوں، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو تمہارے پاس موجود کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ہوگی۔

گزشتہ انبیاء علیہم السلام سے ميثاق لیتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے پر مامور ہیں۔

فائدہ نمبر 6: امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ معراج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھائی ہے اور ”امام الانبیاء“ کے لقب سے سرفراز ہوئے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے معراج کی طویل حدیث مروی ہے۔ اس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثُمَّ دَخَلْتُ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَجُمِعَ لِي الْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فَقَدَّمَنِي جِبْرِيلُ حَتَّى أَمَّتْهُمْ.

سنن النسائي: رقم الحديث 451

ترجمہ: پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا تو تمام انبیاء علیہم السلام کو میرے لیے جمع کیا گیا۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے آگے (مصلے پر) کھڑا کر دیا تو میں نے ان کو نماز پڑھائی۔

تفسیر ابن کثیر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

فَلَمْ أَلْبَسْ إِلَّا يَسِيرًا حَتَّى اجْتَمَعَ نَاسٌ كَثِيرٌ، ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ".  
 قَالَ: "فَقُمْنَا صُغُوفًا نَنْتَظِرُ مَنْ يُؤْمِنَا، فَأَخَذَ بِيَدِي جَبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ،  
 فَقَدَّمَنِي فَصَلَّيْتُ بِهِمْ. فَلَمَّا انْصَرَفْتُ قَالَ جَبْرِيلُ: يَا مُحَمَّدُ، أَتَدْرِي مَنْ صَلَّى  
 خَلْقَكَ؟" قَالَ: "قُلْتُ: لَا. قَالَ: صَلَّى خَلْقَكَ كُلُّ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ".

تفسیر ابن کثیر: ج 5 ص 13

ترجمہ: مجھے بیت المقدس میں کچھ دیر ہی گزری تھی کہ وہاں بہت زیادہ لوگ جمع ہو گئے۔ مؤذن نے اذان دی اور نماز کی اقامت کہی گئی۔ ہم صف میں کھڑے ہو گئے، اس انتظار میں تھے کہ کون نماز پڑھائے گا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آگے (مصلے پر) کھڑا کر دیا تو میں نے ان کو نماز پڑھائی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا: اے محمد! آپ جانتے ہیں کہ آپ کے پیچھے کن لوگوں نے نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا کہ مجھے تو معلوم نہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ کے پیچھے ہر اس نبی نے نماز ادا کی ہے جسے اللہ عز و جل نے مبعوث فرمایا ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جو نماز پڑھی تھی جو اجسام اور ارواح دونوں کے مجموعے کے ساتھ پڑھی تھی۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری الہروی الحنفی (ت 1014ھ) لکھتے ہیں:

فَإِنَّ حَقِيقَةَ الصَّلَاةِ وَهِيَ الْإِثْيَانُ بِالْأَفْعَالِ الْمُخْتَلِفَةِ إِمَّا تَكُونُ لِلْأَشْبَاحِ لَا لِلْأَرْوَاحِ.

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ج 10 ص 571 باب فی المعراج

ترجمہ: نماز کی حقیقت اس کے مختلف افعال کو وجود میں لانا ہے اور یہ اجسام ہی کا کام ہو سکتا ہے نہ کہ صرف ارواح کا۔

فائدہ نمبر 7: افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہے۔  
قرآن و سنت سے دلائل درج ذیل ہیں:

دلیل نمبر 1:

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَى بَعْضٍ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا

سورة الاسراء: 55

ترجمہ: ہم نے بعض انبیاء کو بعض دوسرے انبیاء پر فضیلت عطا کی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی ہے۔

حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر دمشقی شافعی (ت 774ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

وَلَا خِلَافَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُهُمْ.

تفسیر ابن کثیر: ج 5 ص 88

ترجمہ: اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام میں سب سے افضل ہیں۔

دلیل نمبر 2:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا

سورة الاعراف: 158

ترجمہ: (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کا دائرہ نبوت محدود تھا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کی نبوت کا دائرہ غیر محدود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالمی نبی ہیں جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کی دلیل ہے۔

دلیل نمبر 3:

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَمَاعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ ظَهْرًا وَمَسْجِدًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 522

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تمام انبیاء علیہم السلام پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے، رعب سے میری مدد کی گئی، میرے لیے غنیمت کا مال حلال کر دیا گیا، میرے لیے تمام زمین نماز کو پڑھنے کی جگہ اور پاک کرنے کا ذریعہ بنا دیا گیا، مجھے تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر ہی سلسلہ نبوت کو ختم کیا گیا۔

علمائے امت کا موقف:

1: امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازی الشافعی (ت 606ھ) فرماتے ہیں:

الْحُجَّةُ النَّاسِعَةُ: أَنَّ دِينَ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَفْضَلُ الْأَدْيَانِ، فَيَلْزَمُ أَنْ يَكُونَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلَ الْأَنْبِيَاءِ.

التفسير الكبير ج 6 ص 212 تحت قوله تعالى تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ سورة البقرة: 253

ترجمہ: نویں دلیل یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین چونکہ تمام انبیاء علیہم السلام کے دین سے افضل ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔

2: امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی (ت 671ھ) لکھتے ہیں:  
 فِي هَذِهِ الْآيَةِ دَلِيلٌ عَلَى جَوَازِ اتِّبَاعِ الْأَفْضَلِ لِلْمَفْضُولِ لِمَا تَقَدَّمَ فِي الْأُصُولِ  
 وَالْعَمَلِ بِهِ. وَلَا دَرَكَ عَلَى الْفَاضِلِ فِي ذَلِكَ، لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 أَفْضَلُ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ، وَقَدْ أُمِرَ بِالْإِقْتِدَاءِ بِهِمْ فَقَالَ ﴿فِيهِدْهُمْ  
 اقْتِدَاهُ﴾ وَقَالَ هُنَا: ﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا﴾.

الجامع لاحکام القرآن: ج 2 ص 1810 تحت قوله تعالى ثُمَّ أَوْحَيْنَا

إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا سورة النحل: 123

ترجمہ: اس آیت میں دلیل ہے کہ افضل اپنے سے مفضول کی اتباع کرے اور اس  
 کی رائے پر عمل کرے تو جائز ہے جیسا کہ اصول میں گزرا اور اس میں فاضل کے لیے  
 کوئی عار بھی نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء ہیں، اس کے  
 باوجود آپ کو سابقہ انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:  
 پچھلے انبیاء کی راہ کی اقتداء کریں۔

3: علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی العروف ”علامہ الخازن“  
 (ت 741ھ) فرماتے ہیں:

أَنَّ اللَّهَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَفْضَلَ الْأَنْبِيَاءِ لِمَا اجْتَمَعَ فِيهِ مِنْ هَذِهِ الْخُصَالِ  
 الَّتِي كَانَتْ مُتَفَرِّقَةً فِي جَمِيعِهِمْ.

تفسیر الخازن: ج 2 ص 157 تحت قوله تعالى أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدْهُمْ اقْتِدَاهُ سورة الانعام: 90

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں کیونکہ آپ میں  
 وہ تمام خصوصیت اور فضائل یکجا جمع ہیں جو دیگر انبیاء علیہم السلام میں متفرق طور پر جمع  
 تھے۔

4: حافظ عماد الدین عمر بن کثیر دمشقی شافعی (ت 774ھ) فرماتے ہیں:

وَلَا خِلَافَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُهُمْ.

تفسیر ابن کثیر: ج 5 ص 88 تحت قولہ تعالیٰ وَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَى بَعْضٍ سُوْرَةُ الْاِسْرَاءِ: 55 ترجمہ: اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام میں سب سے افضل ہیں۔

5: امام مسعود بن عمر بن عبد اللہ المعروف سعد الدین تفتازانی (م 793ھ) فرماتے ہیں:

وَأَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى أَنَّ أَفْضَلَ الْأَنْبِيَاءِ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَنَّ أُمَّتَهُ خَيْرُ الْأُمَمِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا﴾ وَتَفْضِيلُ الْأُمَّةِ مِنْ حَيْثُ أَنَّهَا أُمَّةٌ تَفْضِيلٌ لِلرَّسُولِ الَّذِي هُمْ أُمَّتُهُ وَلَا تَكُنْ مَبْعُوثٌ إِلَى الثَّقَلَيْنِ.

شرح المقاصد فی علم الکلام للتفتازانی: ج 2 ص 192

ترجمہ: تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں افضل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لیے کہ آپ کی امت تمام امتوں میں بہترین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالے گئے ہو، (مزید ارشاد ہے) اسی طرح ہم نے تم کو معتدل امت بنایا ہے۔ امت کا بحیثیت امت کے فضیلت والا ہونا اس امت کے نبی کی فضیلت کی دلیل ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن و انس کی طرف بھیجا گیا ہے۔

فائدہ نمبر 8: نبی العالمین صلی اللہ علیہ وسلم

پہلے انبیاء علیہم السلام کسی خاص قوم، بستی یا شہر کی طرف بھیجے جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ایسی ہے جو تمام عالمین کی طرف مبعوث ہوئی ہے۔ پہلے

انبیاء علیہم السلام کی نبوت؛ نبوت عامہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت؛ نبوت خاصہ ہے۔

1: وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا

سورة النساء: 79

ترجمہ: ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا اور اللہ تعالیٰ بطور گواہ کافی ذات ہے۔

2: قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا

سورة الاعراف: 158

ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔  
3: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَضَّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ؛ أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِي النَّبِيُّونَ."

صحیح مسلم: رقم الحديث 1195

ترجمہ: مجھے چھ اعزازات دے کر دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی: (۱) مجھے جوامع الکلم دیے گئے (۲) رعب عطا فرما کے میری مدد کی گئی (۳) مال غنیمت کو میرے لیے حلال کیا گیا (۴) پوری زمین کو میرے لیے ”طہور“ یعنی پاک کرنے کا ذریعہ بنا دیا گیا (۵) پوری زمین کو میرے لیے سجدہ گاہ بنا دیا گیا اور (۶) مجھے پوری مخلوق کا نبی بنا دیا گیا۔ ان تمام اعزازات کی وجہ یہ ہے کہ مجھے آخری نبی بنایا گیا ہے۔

اس حدیث میں ”وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً“ کا جملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی نبوت عامہ کی دلیل ہے۔



فائدہ نمبر 9: خاتم الانبیاء علیہم السلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ ختم نبوت ایک اجماعی عقیدہ ہے جس کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

1: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا

الاحزاب: 40

ترجمہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔

2: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَضَّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بَسِيتٍ، أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُجِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِي النَّبِيُّونَ."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 1195

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے چھ اعزازات دے کر دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی:

(۱) مجھے جوامع الکلم دیے گئے۔ (۲) رعب عطا فرما کے میری مدد کی گئی۔ (۳) مال غنیمت کو میرے لیے حلال کیا گیا۔ (۴) پوری زمین کو میرے لیے ”طہور“ یعنی پاک کرنے کا ذریعہ بنا دیا گیا۔ (۵) پوری زمین کو میرے لیے سجدہ گاہ بنا دیا گیا اور (۶) مجھے پوری مخلوق کا نبی بنا دیا گیا۔ اور ان تمام اعزازات کی وجہ یہ ہے کہ مجھے آخری نبی بنایا گیا ہے۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری اللہ روی الخفی (ت 1014ھ) فرماتے ہیں:



وَدَعَا إِلَى النَّبُوَّةِ بَعْدَ نَبِيِّنَا صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفْرًا بِالْإِجْمَاعِ.

شرح الفقہ الاکبر: ص 451

ترجمہ: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور شخص کا دعویٰ نبوت کرنا کفر ہے اور اس پر اجماع ہے۔

فائدہ: بانی دارالعلوم دیوبند قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (ت 1297ھ) نے اپنی کتاب ”تخذیر الناس“ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی ایسی جامع اور دلنشین تشریح فرمائی ہے کہ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کامل اور مکمل طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے:

أَنَّ الْخَاتَمِيَّةَ جِنْسٌ تَحْتَهُ نَوَعَانِ، أَحَدُهُمَا خَاتَمِيَّةُ زَمَانِيَّةٌ وَهُوَ أَنْ يَكُونَ زَمَانٌ نُبُوَّتِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَأَخِّرًا مِّنْ زَمَانٍ نُبُوَّةُ جَمِيعِ الْأَنْبِيَاءِ وَيَكُونَ خَاتَمًا لِنُبُوَّتِهِمْ بِالزَّمَانِ، وَالثَّانِي: خَاتَمِيَّةٌ ذَاتِيَّةٌ وَهِيَ أَنْ يَكُونَ نَفْسُ نُبُوَّتِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُتِمَتْ بِهَا وَانْتَهَتْ إِلَيْهَا نُبُوَّةُ جَمِيعِ الْأَنْبِيَاءِ وَكَمَا أَنَّ خَاتَمَ النَّبِيِّينَ بِالذَّاتِ فَإِنَّ كُلَّ مَا بِالْعَرَضِ يَخْتِمُ عَلَى مَا بِالذَّاتِ وَيَنْتَهِي إِلَيْهِ وَلَا تَتَعَدَّاهُ وَلَمَّا كَانَ نُبُوَّتُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالذَّاتِ وَنُبُوَّةُ سَائِرِ الْأَنْبِيَاءِ بِالْعَرَضِ لِأَنَّ نُبُوَّتَهُمْ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ بِوَاسِطَةِ نُبُوَّتِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الْفَرْدُ الْأَكْمَلُ الْأَوْحَدُ الْأَجْبَلُ قُطْبُ دَائِرَةِ النَّبُوَّةِ وَالرِّسَالَةِ وَوَاسِطَةُ عَقْدِهَا فَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ ذَاتًا وَزَمَانًا.

وَلَيْسَ خَاتَمِيَّتُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْحَوَرَّةً فِي الْخَاتَمِيَّةِ الزَّمَانِيَّةِ فَإِنَّهُ لَيْسَ كَبِيرَةٌ فَضْلٍ وَلَا زِيَادَةٌ رَفْعَةٍ أَنْ يَكُونَ زَمَانُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَأَخِّرًا مِّنْ زَمَانِ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلَهُ بَلِ السِّيَادَةُ الْكَامِلَةُ وَالرَّفْعَةُ الْبَالِغَةُ وَ

الْمَجْدُ الْبَاهِرُ وَالْفَخْرُ الزَّاهِرُ تَبْلُغُ غَايَتَهَا إِذَا كَانَ خَاتَمِيَّتُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتًا وَزَمَانًا وَأَمَّا إِذَا افْتُصِرَ عَلَى الْخَاتَمِيَّةِ الزَّمَانِيَّةِ فَلَا تَبْلُغُ سَيَادَتُهُ وَرَفَعَتُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا لَهَا وَلَا يَحْصُلُ لَهُ الْفَضْلُ بِكُلِّيَّتِهِ وَجَامِعِيَّتِهِ.

المہند علی لہند: ص 70 تا ص 72

ترجمہ: خاتمیت ایک جنس ہے جس کی دو انواع ہیں۔ ایک خاتمیت باعتبار زمانہ کے ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے زمانہ کے بعد ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ کے اعتبار سے تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے خاتم ہیں۔ دوسری نوع خاتمیت باعتبار ذات ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی نبوت پر تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت ختم اور منتهی ہوئی ہے اور جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ کے اعتبار سے خاتم النبیین ہیں اسی طرح ذات کے اعتبار سے بھی خاتم النبیین ہیں کیونکہ ہر بالعرض شے بالذات شے پر ختم ہو جاتی ہے، اس سے آگے سلسلہ نہیں چلتا۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بالذات ہے اور باقی تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت بالعرض ہے اس لیے کہ سارے انبیاء علیہم السلام کی نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی وجہ سے ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی فرد اکمل، یکتا، دائرہ رسالت و نبوت کے مرکز اور عقد نبوت کے واسطہ ہیں تو آپ علیہ السلام ذات اور زمانہ دونوں اعتبار سے خاتم النبیین ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت صرف زمانہ کے اعتبار سے نہیں ہے اس لیے کہ یہ کوئی بڑی فضیلت اور زیادہ اعزاز کی بات نہیں کہ آپ علیہ السلام کا زمانہ تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کے زمانہ کے بعد ہے بلکہ کامل سرداری و بلندی مقام اور انتہاء درجہ کی عظمت و فضیلت اسی وقت ثابت ہوگی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت ذات اور زمانہ دونوں اعتبار سے ہو ورنہ محض زمانہ کے اعتبار سے خاتم الانبیاء ہونے سے

نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت و رفعت کمال کو پہنچے گی اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جامعیت و فضیلت کلی حاصل ہوگی۔

قَوْلُهُ: وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

آخرت پر ایمان:

اس سے مراد دوسرا جہان اور دوسری زندگی ہے۔ اس سے قیامت کا دن مراد نہیں کیونکہ اس کے لیے ”وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ“ آگے مستقل آ رہا ہے۔

فائدہ نمبر 1: اہل اسلام کا نظریہ ہے کہ ایک زندگی ہم اس جہان میں گزار رہے ہیں۔ جب موت آتی ہے تو انسان بالکل فنا نہیں ہوتا بلکہ اس جہان سے دوسرے جہان میں منتقل ہوتا ہے۔ اسلام میں اس جہان کی طرح دوسرے جہان کا بھی تصور موجود ہے۔ اس کے برعکس کفار کا نظریہ یہ ہے اس جہان کے اختتام پر انسان فنا ہو جاتا ہے اور اس کے بعد دوسرے جہان کا کوئی تصور نہیں ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ”وَالْيَوْمِ الْآخِرِ“ کہہ کر اہل اسلام کے نظریے کی تائید اور کفار کے نظریے کی تردید فرما رہے ہیں کہ دوسرے جہان کا تصور برحق ہے۔

شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی ہے یہ شامِ زندگی، صبحِ دوامِ زندگی  
پہلی اور دوسری زندگی کا ذکر ان الفاظ کے ساتھ قرآن مجید میں موجود ہے:

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ

سورۃ الواقعة: 62

ترجمہ: تمہیں تمہاری پہلی پیدائش کا علم ہے (کہ وہ ہماری قدرت سے وجود میں آئی) تو تم لوگ کیوں نہیں سمجھتے؟ (کہ ہم دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہیں)۔

دوسرے مقام پر ہے:

وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشْأَةَ الْآخِرَىٰ

سورة النجم: 47

ترجمہ: اور دوبارہ پیدا کرنا بھی اسی (خدا تعالیٰ) کے ذمہ ہے۔

پہلی آیت میں پہلی زندگی اور دوسری آیت میں دوسری زندگی مراد ہے۔

فائدہ نمبر 2: ایک زندگی موت کے بعد سے لے کر حشر تک ہے اور ایک زندگی حشر سے لے کر جنت اور جہنم تک کی ابدی زندگی ہے۔ موت کے بعد قیامت شروع ہو جاتی ہے البتہ موت سے لے کر حشر تک کی زندگی کو ”قیامت صغریٰ“ اور حشر کے بعد کی زندگی کو ”قیامت کبریٰ“ کہتے ہیں۔

فائدہ نمبر 3: موت کے بعد قبر میں سوال و جواب اجمالاً ہوں گے اور حشر میں تفصیلاً ہوں گے۔ اسی طرح موت کے بعد جزا و سزا اجمالاً ہوگی لیکن قیامت کبریٰ کے بعد جزاء و سزا تفصیلاً ہوگی۔ چنانچہ موت کے بعد قبر کی زندگی میں میت پر عرض جنت اور عرض نار ہوگا اور حشر کے بعد دخول جنت اور دخول نار ہوگا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ”وَالْيَوْمِ الْآخِرِ“ میں قیامت صغریٰ یعنی قبر کی زندگی اور ”وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ“ میں قیامت کبریٰ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

فائدہ نمبر 4: موت سے لے کر حشر تک کی زندگی کو ”قبر کی زندگی“ بھی کہا جاتا ہے اور ”عالم برزخ“ بھی۔ اس لیے اس مقام پر قبر اور برزخ کا معنی بیان کیا جاتا ہے۔

قبر کا معنی:

قبر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں میت یا اجزائے میت ہوں۔

1: وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ

سورة التوبة: 84

ترجمہ: آپ اس کی قبر پر کھڑے نہ ہوں۔  
2: وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ

سورۃ الحج: 7

ترجمہ: بے شک اللہ ان سب لوگوں کو اٹھا کھڑا کرے گا جو قبروں میں ہیں۔

3: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ قَالَ رَأَيْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَقِفُ عَلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا.

موطا امام مالک: ص 150 باب ماجاء فی الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: عبد اللہ بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر کھڑے دیکھا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج رہے تھے اور ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے لیے دعا مانگ رہے تھے۔

4: عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى قَبْرَيْنِ فَقَالَ: "إِنَّهُمَا لِيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ مِنْ كِبِيرٍ"، ثُمَّ قَالَ: "بَلَى أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَسْعَى بِالنَّمِيمَةِ وَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ" قَالَ: ثُمَّ أَخَذَ عُوْدًا رَطْبًا فَكَسَرَهُ بِأُثْنَتَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى قَبْرِ ثُمَّ قَالَ: "لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيَّبَسَا".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1378

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے قریب سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور ان کو کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا، بلکہ ایک کو تو اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ چغلی کیا کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کی چھینٹوں

سے نہیں بچتا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی ایک ترٹھنی لی اور اس کے دو ٹکڑے کیے، ان دو ٹکڑوں میں سے ہر ایک کی قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا، پھر ارشاد فرمایا: جب تک یہ خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔

وضاحت: قبر کا معنی ”جہاں میت یا اجزائے میت ہوں“ کرنے سے وہ تمام اشکالات حل ہو جاتے ہیں جو بعض لوگ کرتے ہیں کہ جب کسی میت کو جلا دیا گیا یا اس کی لاش کو پرندے کھا گئے، جانوروں نے نوچ ڈالا یا پانی میں بہا دیا گیا تو اس کو قبر کیسے ملی؟ جواب یہ ہے کہ اس کے اجزاء جہاں گئے ہیں وہی اس کی قبر ہے کیونکہ یہاں اجزاء کا احالہ ہوتا ہے مگر ازالہ نہیں ہوتا یعنی اجزاء تحلیل ہو کر دوسری شکل اختیار کر لیتے ہیں، بالکل ختم نہیں ہوتے۔

فائدہ نمبر 5: برزخ کا معنی:

”برزخ“ سے مراد دو چیزوں کا مجموعہ ہے: زمان اور مکان۔

۱: زمان.... موت سے لے کر حشر تک کا وقت

۲: مکان.... سحین سے لے کر علیین تک کی جگہ

”برزخ“ کا معنی سمجھ میں آجائے تو کئی اشکالات ختم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بعض لوگ اشکال کرتے ہیں کہ اگر موت کے بعد انسان برزخ میں چلا جاتا ہے تو فرعون اسی زمین پر موجود ہے اور ہم بھی اسی زمین پر موجود ہیں، اس اعتبار سے اسے تو برزخ نہ ملی کیوں کہ زمین پر موجود ہوتے ہوئے اسے برزخ میں مانا جائے تو لازم آئے گا کہ ہم بھی برزخ میں ہوں کیونکہ ہم بھی تو اسی زمین پر موجود ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرعون کو موت سے لے کر حشر تک کا زمان اور سحین سے لے کر علیین تک کا مکان ملا ہے لیکن ہمیں سحین سے لے کر علیین تک کا مکان تو ملا ہے لیکن موت سے لے کر حشر تک کا

زمانہ نہیں ملا۔ اس لیے فرعون تو برزخ میں ہے لیکن ہم برزخ میں نہیں ہیں۔

فائدہ نمبر 6: برزخ کے احوال:

برزخ کے تمام احوال پردے میں ہوتے ہیں۔ میت کے پیچھے پردہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنْ ذَرِّئِهِمْ بَزَّخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ

سورۃ المؤمنون: 100

ترجمہ: اور ان کے پیچھے ایک آڑ ہے (جس میں وہ) اٹھائے جانے کے دن تک (رہیں گے)۔

برزخ اور پردے کا ضابطہ یہ ہے کہ جو پردے کے پیچھے ہو وہ باہر والے کے

حالات دیکھ لے تو یہ پردے کے مخالف نہیں۔ اس لیے یہ جو روایت ہے کہ:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: "إِذَا مَرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ يَعْزِفُهُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَعَرَفَهُ وَإِذَا مَرَّ بِقَبْرِ لَا يَعْزِفُهُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ"

شعب الایمان للبیہقی: ج 7 ص 17 فصل فی زیارة القبور رقم الحدیث 9296

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ جب کوئی

شخص اس آدمی کی قبر کے قریب سے گزرتا ہے جس کو وہ پہچانتا تھا اور اس کو سلام کرتا

ہے تو صاحب قبر اس کو پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور جب کسی ایسے آدمی

کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ نہیں پہچانتا اور اس کو سلام کرتا ہے تو وہ بھی

اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

یہ روایت برزخ کے مفہوم کے خلاف نہیں۔ ہاں! اگر باہر والا اندر والے کو

دیکھ لے تو یہ برزخ کے خلاف ہے۔

یہاں یہ وضاحت سمجھ لینا ضروری ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو



روایت ہے کہ

كُنْتُ أَدْخُلُ بَيْتِي الَّذِي دُفِنَ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي فَأَصْعُقُ تَوْبِي فَأَقُولُ إِنَّمَا هُوَ زَوْجِي وَأَبِي فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ مَعَهُمْ فَوَاللَّهِ مَا دَخَلْتُ إِلَّا وَأَنَا مَشْدُودَةٌ عَلَى ثِيَابِي حَيَاءً مِنْ عُمَرَ.

مسند احمد: ج 18 ص 24 رقم الحديث 25536، مشکوٰۃ المصابیح: ص 154 باب زیارة القبور

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میرے گھر کے جس کمرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے والد (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کی قبریں تھیں میں وہاں اپنے سر پر دوپٹہ نہ ہونے کی حالت میں بھی چلی جاتی تھی کیونکہ میں سمجھتی تھی کہ یہاں صرف میرے شوہر اور میرے والد ہی تو ہیں، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھی وہاں تدفین ہوئی تو بخدا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حیا کی وجہ سے میں جب بھی اس کمرے میں گئی تو اپنی چادر اچھی طرح لپیٹ کر ہی گئی۔

اس پر یہ اشکال نہ ہونا چاہیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیسے دیکھ سکتے تھے؟ وجہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو برزخ میں تھے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ برزخ میں نہیں تھیں۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دیکھ لینا برزخ کے خلاف نہیں، ہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دیکھ لینا برزخ کے خلاف ہے۔

نیز اگر دنیا کا کوئی شخص برزخ میں دیکھ لے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا تھا:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَتَيْتُ وَفِي رِوَايَةٍ هَذَا مَرَرْتُ عَلَى مُوسَى لَيْلَةً أُسْرِي بِنِ عِنْدَ الْكَثِيبِ الْأَحْمَرِ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ.

صحیح مسلم: رقم الحديث 2375

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شب معراج میرا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سرخ ٹیلے کے قریب سے ہوا، تو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔

تو یہ خرق عادت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

قَوْلُهُ: وَالْبَعْثُ بَعْدَ الْمَوْتِ

بعث بعد الموت پر ایمان:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ”وَالْبَعْثُ بَعْدَ الْمَوْتِ“ فرمایا ہے، ”وَالْإِحْيَاءُ بَعْدَ الْمَوْتِ“ نہیں فرمایا کیونکہ جب موت آتی ہے تو اس کے بعد قبر میں حیات مل جاتی ہے، پھر حشر کو دوبارہ حیات نہیں ملتی بلکہ اس وقت بعثت ہوگی۔ اس لیے قیامت کے دن اٹھنے کا مطلب یہ ہے کہ قبر میں زندہ تھے مگر وہ حیات ظاہری نہ تھی اور اب اسی زندگی کے ظہور کے ساتھ میدان محشر میں جمع ہو گئے ہیں۔

قبر کی حیات نظر نہ آنے والی مخفی حیات ہوتی ہے، نہ آنکھ سے نظر آتی ہے اور نہ ہاتھ لگانے سے محسوس ہوتی ہے۔ قیامت کے دن جب انسانوں کو قبروں سے نکالا جائے گا تو اس کے لیے دو قسم کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں؛ بعثت اور احیاء۔

1: کبھی اس اٹھانے کو لفظ ”بعثت“ سے تعبیر کر دیا جاتا ہے یعنی جو شخص قبر میں ہے اس میں حیات ہے اگرچہ مخفی ہی کیوں نہ ہو، اب اسے حشر میں لا کر کھڑا کر دیا گیا۔

ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ تُبْعَثُونَ

سورة المؤمنون: 16

ترجمہ: پھر قیامت کے دن تمہیں اٹھایا جائے گا۔

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ

سورة المؤمنون: 100

ترجمہ: اور ان کے پیچھے ایک آڑ ہے (جس میں وہ) اٹھائے جانے کے دن تک (رہیں گے)۔

2: کبھی اس اٹھانے کو لفظ ”احیاء“ سے بھی تعبیر کر دیتے ہیں اور اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ قبر میں حیات مخفی تھی اور نظر نہیں آرہی تھی لیکن اب بعث کے بعد حیات ظاہر آئے اور نظر آرہی ہے۔ اس لیے لفظ ”احیاء“ سے قبر کی حیات کی نفی ہرگز نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بَعْضَهَا ۚ كَذَلِكَ يُخَيِّرُ اللَّهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ

سورة البقرة: 73

ترجمہ: ہم نے انہیں کہا کہ اس گائے کا کچھ حصہ اس میت کو لگاؤ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کریں گے اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتے ہیں تاکہ تم سمجھو!

إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَبُخَيْرٌ ۚ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

سورة فصلت: 39

ترجمہ: بے شک وہ ذات جو اس (زمین) کو زندہ کرتی ہے وہی مردوں کو بھی زندہ کرے گی کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اشکال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں نہ حیات ہوتی ہے اور نہ روح و جسم کا کوئی تعلق ہوتا ہے بلکہ قیامت کے دن اجساد کو زندگی عطا کی جائے گی اور روح و جسم کا تعلق بحال کیا جائے گا۔ یہ لوگ دلیل کے طور پر یہ دو آیتیں پیش کرتے ہیں:

وَسَلَّمَ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَ يَوْمَ يَمُوتُ وَ يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا

سورة مريم: 15

ترجمہ: سلامتی ہے اس پر جس دن وہ پیدا ہوا تھا اور جس دن اس کی وفات ہوگی اور جس دن اسے زندہ اٹھایا جائے گا۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی يَوْمٍ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا

سورۃ مریم: 33

ترجمہ: سلامتی ہے مجھ پر اس دن بھی جس دن میں پیدا ہوا تھا اور اس دن بھی جس دن میں فوت ہوں گا اور اس دن بھی مجھے زندہ اٹھایا جائے گا۔

”يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا“ اور ”يَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا“ کہنا دلیل ہے کہ قبر میں حیات نہیں ہے کیونکہ یہاں پہلے موت ہے اور پھر جب بعثت ہوگی تو اس وقت حیات حاصل ہوگی۔

جواب: دونوں آیتیں ایک طرز کی ہیں۔ ان میں سے پہلی آیت ”يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا“ میں ”يُبْعَثُ“ کی ضمیر مستتر ”هُوَ“ ذو الحال ہے اور ”حَيًّا“ حال ہے اور دوسری آیت ”يَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا“ میں ”أُبْعَثُ“ کی ضمیر مستتر ”أنا“ ذو الحال ہے اور ”حَيًّا“ حال ہے۔ حال اور ذو الحال کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ حال کا زمانہ اور فعل ذو الحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے۔ مثلاً ایک جملہ ہے:

”جَاءَنِي زَيْدٌ رَاكِبًا“ کہ زید میرے پاس سوار ہو کر آیا۔

اس جملے میں ”زید“ ذو الحال ہے، ”مَجِيئًا“ فعل ہے اور ”رَاكِبًا“ حال ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ زید کے راکب (سوار ہونے) اور اس کے فعل مَجِيئ (آنے) کا زمانہ ایک ہے۔ یعنی جس وقت زید آ رہا تھا اس وقت سوار تھا۔ اس سے پہلے سوار تھا یا پیدل تھا اس بات کی وضاحت سے یہ جملہ خاموش ہے۔

اس اصول اور قاعدے کی روشنی میں اب آیت کا معنی سمجھیں۔ آیت ہے:

”يَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا“

اس میں ”أُبْعِثُ“ کی ضمیر ”اَنَا“ ذوالحال ہے، ”بعث“ فعل ہے اور ”حیا“ حال ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جی (زندہ) ہونے اور ان کے فعل بعث (یعنی اٹھنے) کا زمانہ ایک ہے۔ یعنی جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اٹھ رہے ہوں گے اس وقت ”جی“ ہوں گے۔ اس سے پہلے ”جی“ ہوں گے یا ”میت“ اس بات کی وضاحت سے یہ آیت خاموش ہے۔

بعض لوگوں کا استدلال تو اس وقت درست ہو گا جب یہ ثابت ہو کہ اٹھنے سے پہلے ”میت“ ہوں اور وہ ثابت نہیں۔ اس لیے حیات قبر کے خلاف اس آیت سے استدلال درست نہیں ہے۔

اشکال: بعض لوگ قرآن کریم کی اس آیت کو پیش کر کے ایک اشکال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قَالُوا رَبَّنَا آمَنَّا أَتُنَبِّئُنَا أَنَّ نَحْنُ مَوْتٌ قَدْ بَدَأْنَا بِحَدِيثِنَا وَلَمْ نَكُنْ بِأَعْيُنِنَا قَالُوا بَلْ لَكُمْ فِيهِ لَبْسٌ  
خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ

سورة المؤمن: 11

ترجمہ: (قیامت کے دن) کفار کہیں گے: اے ہمارے رب! آپ نے ہمیں دو مرتبہ موت دی تھی اور دو مرتبہ زندگی دی تھی۔ اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ کیا اب واپس جانے کی کوئی صورت ہے؟

یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم سے معلوم ہو رہا ہے کہ موتیں بھی دو ہیں اور حیاتیں بھی دو ہیں۔ جن کی تفصیل یوں ہے کہ ایک موت ماں کے پیٹ والی تھی کہ اس میں بے جان تھے۔ جب دنیا میں آئے تو ایک حیات ملی۔ دوسری موت دنیا میں متعارف موت ہے اور دوسری حیات حشر کے دن ملنے والی حیات ہے۔ اب اگر قبر میں بھی حیات کو مانا جائے تو یہ تین موتیں اور تین حیاتیں بنیں گی جو نص قرآنی کے خلاف

ہیں۔ اس لیے قبر کی حیات ثابت نہیں!

جواب: ایک ہوتی ہے ظاہری موت اور ظاہری حیات، اور ایک ہوتی ہے مخفی موت اور مخفی حیات۔ موت کے بعد سے لے کر حشر تک کی جو حیات ہے یہ حیات برزخ کی حیات ہے جو نظر نہیں آتی، یہ مخفی حیات ہے۔ اس لیے حیاتِ قبر کا ذکر لفظِ حیات سے نہیں کیا گیا۔

قبر کی حیات: چند نصوص ملاحظہ ہوں:

(1): اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ

ابراہیم: 27

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اس مضبوط بات (یعنی کلمہ ایمان) کے ذریعے دنیا کی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت کی زندگی میں بھی۔ اس آیت کی تفسیر میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل کی ہے:

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ قَالَ: نَزَلَتْ فِي عَذَابِ الْقَدْرِ، فَيُقَالُ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُولُ: رَبِّي اللَّهُ، وَنَبِيِّي مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَلِكَ قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ: يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ

صحیح مسلم: برقم الحدیث 2871

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت "يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ" کے متعلق فرمایا کہ یہ آیت عذابِ قبر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (میت کو جب قبر میں رکھا جاتا

ہے تو) اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اللہ تعالیٰ کے فرمان یُثَبِّتُ اللہُ الَّذِینَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیْوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ کا یہی مطلب ہے۔

اس آیت مبارکہ میں لفظ ”الْاٰخِرَةِ“ کا عطف لفظ ”الدُّنْیَا“ پر ہے۔ جس طرح ”الدُّنْیَا“ کا موصوف ”الحَیْوةِ“ ہے اسی طرح ”الْاٰخِرَةِ“ کا موصوف بھی ”الحَیْوةِ“ ہے۔ آیت کا معنی یہ ہو گا کہ ”اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس مضبوط بات (کلمہ ایمان) کے ذریعے دنیا کی زندگی اور قبر کی زندگی میں ثابت قدم رکھتا ہے۔“ اس سے قبر کی حیات ثابت ہوتی ہے۔

(2): عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى قَبْرَيْنِ فَقَالَ: "إِنَّهُمَا لِيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ مِنْ كَبِيرٍ" ثُمَّ قَالَ: "بَلَى! أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَسْعَىٰ بِالنَّسِيبَةِ وَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ" قَالَ: ثُمَّ أَخَذَ عُوْدًا رَطْبًا فَكَسَرَهُ بِأُثْنَتَيْنِ ثُمَّ غَوَزَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى قَبْرِ ثُمَّ قَالَ: "لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيَّبَسَا".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1378

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے قریب سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور ان کو کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا، بلکہ ایک کو تو اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ چغلی کیا کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔ پھر آپ نے کھجور کی ایک تر ٹہنی لی اور اس کے دو ٹکڑے کئے، ان دو ٹکڑوں میں سے ہر ایک کی قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا، پھر ارشاد فرمایا: جب تک یہ

خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔

(3): عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ وَجَبَتِ الشَّمْسُ فَسَمِعَ صَوْتًا فَقَالَ: "يَهُودٌ تَعَذَّبُ فِي قُبُورِهَا".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1375

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج غروب ہونے کے بعد نکلے۔ آپ نے ایک آواز سنی تو فرمایا: یہودیوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے۔

ان دو احادیث میں عذابِ قبر کا ذکر ہے۔ عذاب کہتے ہیں: "إِبْلَاهُ الْحَيِّ عَلَى سَبِيلِ الْهُوَانِ" کہ زندہ کو ذلت کے لیے تکلیف دینا۔ لفظ عذاب سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں حیات ہوتی ہے تبھی تو عذاب دیا جاتا ہے۔ اگر اس میں حیات نہ ہوتی تو عذاب دینے کا کوئی معنی نہیں بنتا۔

اشکال نمبر 1:

بعض لوگ اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف پر اشکال کرتے ہیں کہ آپ قبر کی حیات کے قائل ہیں جبکہ اس حیات کا ذکر قرآن میں ہے نہ حدیث مبارک میں۔

جواب:

قرآن و حدیث میں قبر کی حیات کا ذکر لفظ "حیات" کے ساتھ صراحتاً موجود ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ ۚ وَلَكِن لَّا تَشْعُرُونَ

سورۃ البقرۃ: 154



ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے گئے اُن کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تمہیں ان کی زندگی کا احساس نہیں ہوتا۔

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءُ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّونَ.

مسند ابی یعلیٰ الموصلی: ص 658 رقم الحدیث 3425 من حدیث انس بن مالک

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

## اشکال نمبر 2:

اس آیت اور حدیث میں تو شہداء اور انبیاء علیہم السلام کی حیات کا ذکر ہے جبکہ آپ لوگ تو ان دو کے ساتھ عام مؤمنین حتیٰ کہ کفار کو بھی قبروں میں زندہ مانتے ہیں؛ ان کی حیات کا ذکر صراحتاً تو کہیں بھی نہیں آیا!

## جواب:

قبر میں زندہ افراد چار قسم کے ہیں: ۱.... کفار، ۲.... عامۃ المؤمنین، ۳....

شہداء، ۴.... انبیاء علیہم السلام

ان میں سب سے اضعف حیات ”کفار“ کی ہے، ضعیف حیات ”عامۃ المؤمنین“ کی ہے، اس سے قوی حیات ”شہداء“ کی ہے اور سب سے قوی حیات ”انبیاء علیہم السلام“ کی ہے۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام اور شہداء کی حیات اقویٰ اور قویٰ ہے اس لیے اس کا ذکر صراحتاً کیا ہے۔ عامۃ المؤمنین کی حیات چونکہ ضعیف اور کفار کی حیات اضعف ہے اس لیے اس کے لیے رد و روح، عذابِ قبر وغیرہ کے الفاظ لائے۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فِي جَنَازَةِ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَأَنْتَهَيْنَا إِلَى الْقَبْرِ وَلَمَّا يُلْحَدُ فَجَلَسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ وَكَانَ عَلَى رُءُوسِنَا الظَّيْرُ وَفِي يَدِهِ عَوْذُ يَنْكُثُ فِي الْأَرْضِ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ اسْتَعِيدُوا بِاللَّهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ..... حَتَّى يُنْتَهَى بِهِ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: اكْتُبُوا كِتَابَ عَبْدِي فِي عِلِّيِّينَ وَأَعِيدُوهُ إِلَى الْأَرْضِ فَإِنِّي مِنْهَا خَلَقْتُهُمْ وَفِيهَا أُعِيدُهُمْ وَمِنْهَا أُخْرِجُهُمْ تَارَةً أُخْرَى. قَالَ: فَتَعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ فَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُولَانِ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُولُ: رَبِّي اللَّهُ. فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا دِينُكَ؟ فَيَقُولُ: دِينِي الْإِسْلَامُ. فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ؟ فَيَقُولُ: هُوَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَدِيثُ

مسند احمد: ج 14 ص 202 تا 204 رقم الحديث 18443

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری صحابی کے جنازے میں گئے۔ جب قبرستان پہنچے تو قبر ابھی تک تیار نہیں ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے تو ہم بھی آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ ہم اس طرح (خاموش اور باادب) بیٹھے تھے کہ گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں (کہ ہم نے ذرا بھی حرکت کی تو وہ اڑ جائیں گے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک تنکا تھا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین کرید رہے تھے۔ اسی اثناء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھایا اور فرمایا: عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرو! یہ جملہ دو یا تین بار فرمایا۔ (آگے طویل حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن اور کافر کی وفات کا ذکر فرمایا۔ مؤمن کی وفات کے تذکرہ میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں) مؤمن کی روح کو ساتویں آسمان تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ میرے بندے کا نام علیین میں درج کر دو اور اسے زمین کی

طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے اپنے بندوں کو اسی سے پیدا کیا ہے، اسی میں لوٹاؤں گا اور دوبارہ اسی سے نکالوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اس بندہ مؤمن کی روح اس کے جسم میں لوٹادی جاتی ہے۔ وہیں اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے: میرا دین اسلام ہے! پھر پوچھتے ہیں کہ جو شخص تم میں بھیجے گئے تھے وہ کون تھے؟ بندہ جواب دیتا ہے: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ وَجَبَتِ الشَّمْسُ فَسَمِعَ صَوْتًا فَقَالَ: "يَهُودُ تُعَذِّبُ فِي قُبُورِهَا".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1375

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج غروب ہونے کے بعد نکلے۔ آپ نے ایک آواز سنی تو فرمایا: یہودیوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے۔

تو جس طرح درجہ بدرجہ حیات ثابت ہے، اس کے بیان کے لیے الفاظ بھی اسی درجہ کے لائے ہیں۔

فائدہ نمبر 1:

جس طرح قرآن وحدیث میں قبر کی حیات کو مخفی ہونے کی وجہ سے ”رُقُود“ اور ”تَوَم“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

1: قَالُوا يَا إِلَهُنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا

سورۃ یٰسین: 52

ترجمہ: وہ کہیں گے کہ ہمیں ہماری خواب گاہ سے کس نے بیدار کر دیا۔

2: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا قُبِرَ الْمَيِّتُ أَوْ قَالَ أَحَدُكُمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَزْرَقَانِ يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا الْمُنْكَرُ وَالْآخَرُ النَّكِيرُ فَيَقُولَانِ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ فَيَقُولُ مَا كَانَ يَقُولُ هُوَ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَيَقُولَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ هَذَا ثُمَّ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُونَ ذِرَاعًا فِي سَبْعِينَ ثُمَّ يُنَوَّرُ لَهُ فِيهِ ثُمَّ يُقَالُ لَهُ نَمْ فَيَقُولُ أَرْجِعْ إِلَى أَهْلِي فَأُخْبِرْهُمْ فَيَقُولَانِ نَمْ كَنُومَةَ الْعَرُوسِ الَّذِي لَا يُوقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ.

سنن الترمذی: رقم الحديث 1071

ترجمہ: جب کسی شخص کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو سیاہ اور نیلے رنگ کے ہوتے ہیں۔ ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں۔ وہ اس شخص (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ بندہ جواب دیتا ہے کہ یہ تو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم تھا کہ تم یہی بات کہو گے۔ پھر اس کی قبر ستر ہاتھ طول و عرض میں کشادہ کر دی جاتی ہے اور اس کو روشن کر دیا جاتا ہے۔ پھر فرشتے اسے کہتے ہیں: سو جا! وہ شخص پوچھتا ہے کہ کیا میں گھر جا کر اپنے ان حالات کی خبر اپنے گھر والوں کو نہ دوں؟ تو فرشتے کہتے ہیں: سو جا جیسے پہلی رات کی دلہن سوتی ہے، جسے گھر والوں میں سے اس کا محبوب (یعنی خاوند) ہی بیدار کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ قبر میں حیات ہے لیکن ظاہری نہیں جس طرح سونے والے میں حیات ہوتی ہے لیکن جاگنے والے کی طرح نہیں ہوتی۔

لطیفہ علمیہ:

اس حدیث مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتہ کہتا ہے ”نَمْ كُنُومَاتِ الْعُرُوسِ“ کہ پہلی رات کی دلہن کی طرح سو جا! ”دلہن“ کا لفظ یہ بات سمجھانے کے لیے لائے ہیں کہ مثلاً کوئی عورت کسی مرد کو میج بھیجنا چاہے، فون کرنا چاہے، ملنا چاہے تو یہ تمام کام نہیں کر سکتی کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے اور خاندان اور معاشرے میں بدنامی کا خوف ہے لیکن یہی عورت جب کلمہ نکاح کے ساتھ دلہن بن کر اسی شخص کے کمرے میں آجائے تو جس خاندان کا ڈر تھا وہ باہر ہے لیکن اس عورت کو کمرے میں اب کوئی ڈر نہیں ہے، پہلے میج اور فون کا ڈر تھا لیکن اب اسی شخص کے ساتھ بغیر کسی خوف کے سوئی ہوئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اب یہ عورت اس کے پاس کلمہ نکاح کے ساتھ آئی ہے۔ بالکل اسی طرح قبر ظلمت اور وحشت کا گھر ہے، کیڑوں اور عذاب کا گھر ہے لیکن جب بندہ کلمہ ایمان کے ساتھ اس میں آجائے تو اسے بھی اب کوئی ڈر نہیں ہے۔ یہ بات لفظ ”دلہن“ کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتی تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ ”عروس“ ذکر فرمایا۔

اسی طرح احادیث میں ”نوم“ کو ”موت“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ خَدِّهِ ثُمَّ يَقُولُ: "اللَّهُمَّ بِأَسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا"، وَإِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ: "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 6314

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو بستر پر تشریف لاتے تو اپنے ہاتھ کو اپنے گال کے نیچے رکھتے اور یہ دعا پڑھتے: ”اے اللہ! میں تیرا ہی نام لے کر سوتا اور اٹھتا ہوں“ اور جب بیدار ہوتے تو یہ

دعا پڑھتے: ”تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں نیند کے بعد جگایا اور اسی کے پاس (ہم سب نے) اکٹھے ہونا ہے“

معلوم ہوا کہ موت کو سمجھنے کے لیے نیند کا سمجھنا ضروری ہے۔ جس طرح جاگنے کی حالت میں احوال بلا واسطہ، اصالت اور بالذات جسم پر اور بالواسطہ، ضمناً اور تبعاً روح پر آتے ہیں لیکن سونے کی حالت میں احوال بلا واسطہ، اصالت اور بالذات روح پر آتے ہیں اور بالواسطہ، ضمناً اور تبعاً جسم پر آتے ہیں اسی طرح موت کے بعد احوال بلا واسطہ، اصالت اور بالذات روح پر اور بالواسطہ، ضمناً اور تبعاً جسم پر آتے ہیں۔

## فائدہ نمبر 2:

شہداء کی حیات بعد المات کو بیان کرنے کے بعد "وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ" فرمایا، "وَلَكِنْ لَا تَعْلَمُونَ" نہیں فرمایا۔ کیونکہ شعور کہتے ہیں ادراک بالحواس کو اور علم کہتے ہیں ادراک بالوحی کو۔ قبر کی حیات چونکہ مخفی ہے اس لیے اس کا ادراک حواس سے نہیں بلکہ وحی سے ہوتا ہے۔

اس لیے فرمایا "وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ" کہ اس حیات کا ادراک تمہیں حواس سے نہیں ہو سکتا، یہ نہیں فرمایا کہ "وَلَكِنْ لَا تَعْلَمُونَ" کہ اس کا ادراک تمہیں وحی سے بھی نہیں ہو سکتا۔ معلوم ہو کہ حیات ہے لیکن مخفی ہے جس کا ادراک حواس سے نہیں ہو سکتا۔

## خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ خود قرآن کریم ہی سے قبر کی مخفی حیات ثابت ہو رہی ہے۔ "قَالُوا يٰوَيْلَتَنَا مَنِ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا" کفار کا کلام نقل ہوا ہے جس میں قبر کی زندگی کو "مرقد" (سونے کی جگہ) کہا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیات ہے

لیکن مخفی ہے۔ "وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ" مومنین شہداء کے بارے میں کہا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ حیات ہے لیکن مخفی ہے جو شعور (ادراک بالحواس) سے معلوم نہیں ہو سکتی۔

قَوْلُهُ: وَالْقَدَرِ خَبِيْرٌ وَشَرٌّ مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰی

تقدیر پر ایمان:

اس مقام پر تین باتیں سمجھنا ضروری ہیں:

(1): تقدیر کا معنی

تقدیر؛ علم الہی اور امر الہی کے مجموعے کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ وہ بندے کو اختیار دیں گے تو بندہ اپنے اختیار سے یہ کام کرے گا یہ علم الہی ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا کہ بندہ یہ کام کرے گا یہ امر الہی ہوا۔ اب علم الہی؛ امر الہی کے خلاف ہو یا امر الہی؛ علم الہی کے خلاف ہو ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو تقدیر صرف ”علم الہی“ کا نام نہیں بلکہ تقدیر علم الہی اور امر الہی کے مجموعے کا نام ہے۔ نیز بندہ مجبور محض بھی نہیں کیونکہ بندہ اپنے اختیار سے کام کر رہا ہے۔

(2): تقدیر خیر اور تقدیر شر

اللہ تعالیٰ کے جو فیصلے بندے کے نفس، خواہش اور مزاج کے موافق ہوں ان کو ”تقدیر خیر“ کہتے ہیں اور جو فیصلے بندے کے نفس، خواہش اور مزاج کے خلاف ہوں انہیں ”تقدیر شر“ کہتے ہیں جیسے کسی شخص کے ہاں اولاد کا ہونا یا ہونا پھر فوت ہونا۔ اللہ کے تمام فیصلے اپنی ذات میں بالکل درست اور خیر ہی ہوتے ہیں، انہیں خیر یا شر سے تعبیر کرنا یہ بندے کی طبیعت کی طرف نسبت کی وجہ سے ہے۔

## (3): تقدیرِ مبرم اور تقدیرِ معلق

تقدیر کی دو قسمیں ہیں:

۱.... تقدیرِ مبرم: وہ تقدیر ہے جس میں تغیر و تبدل واقع نہیں ہوتا۔ جو بات اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے وہ ہو کر رہتی ہے۔

۲.... تقدیرِ معلق: وہ تقدیر ہے جس میں تغیر و تبدل واقع ہو سکتا ہے۔ مثلاً تقدیر میں لکھا ہو کہ اگر فلاں شخص نے صدقہ دیا تو اس کو مرض سے شفا ملے گی، صدقہ نہ دیا تو شفا نہیں ملے گی۔

تقدیر کی یہ تقسیم مخلوق کے اعتبار سے ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں تقدیرِ مبرم ہی ہے۔ حافظ بدر الدین محمود بن احمد بن موسیٰ العینی الحنفی (ت 855ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ عَلِمَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ بِمَا سَيَقَعُ لَهُ مِنْ ذَلِكَ فَبِالنِّسْبَةِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى لَا زِيَادَةَ وَلَا نُقْصَانَ وَيُقَالُ لَهُ الْقَضَاءُ الْمُبْرَمُ وَإِنَّمَا يُتَصَوَّرُ الزِّيَادَةُ بِالنِّسْبَةِ إِلَيْهِمْ وَيُسَمَّى مِثْلُهُ بِالْقَضَاءِ الْمُعَلَّقِ.

عمدة القاری شرح صحیح البخاری: ج 15 ص 154 تحت رقم الحدیث 5985

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ (اس شخص کی زندگی میں) آئندہ کیا احوال رونما ہوں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہوئے دیکھا جائے تو تقدیر میں کمی آتی ہے نہ زیادتی۔ اسی کو ”تقدیرِ مبرم“ کہتے ہیں۔ ہاں کمی زیادتی کا رونما ہونا یہ مخلوق کے اعتبار سے ہوتا ہے جسے ”تقدیرِ معلق“ کہتے ہیں۔

قَوْلُهُ: وَالْحِسَابُ

حساب کتاب پر ایمان:

قیامت کے دن جب انسان اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو گا تو اس کے تمام



اعمال کا حساب ہو گا۔ جو چھوٹی سے چھوٹی نیکی اس نے دنیا میں سرانجام دی ہوگی یا چھوٹے سے چھوٹا گناہ جس کا ارتکاب کیا ہو گا اس کا حساب دینا بندے کے ذمہ ہو گا۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ

سورة الزلزال: 7، 8

ترجمہ: جس شخص نے ذرہ برابر بھی اچھائی کی ہوگی وہ اسے دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھے گا۔

فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ (٧) فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا (٨) وَيَنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا (٩) وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ (١٠) فَسَوْفَ يَدْعُوا ثُبُورًا (١١) وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا (١٢)

سورة الانشقاق: 7 تا 12

ترجمہ: جس شخص کو اس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا تو اس کا حساب بہت آسان ہو جائے گا۔ یہ شخص اپنے گھر والوں کی طرف خوش و خرم واپس لوٹے گا اور جس شخص کو اس کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں ملے گا تو وہ ہلاکت کو پکارے گا اور آگ میں جائے گا۔

قَوْلُهُ وَالْيَمِيزَانِ

وزن اعمال پر ایمان:

فائدہ نمبر 1: ترازو کو ”میزان“ کہتے ہیں۔ قیامت کے دن وزن کا اعمال کیا جانا یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَالْوِزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

الاعراف: 8

ترجمہ: قیامت کے دن اعمال کا وزن ہونا برحق ہے۔ جن کے ترازو کے پلڑے

بھاری ہوں گے تو وہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

وَنَضْعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۚ وَإِنْ كَانَ  
مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۚ وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ

الانبیاء: 47

ترجمہ: اور ہم قیامت کے دن ایسے ترازو قائم کریں گے جو سراپا انصاف ہوں گے۔ کسی پر کوئی ظلم نہیں ہو گا اور اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہو گا تو ہم اسے بھی سامنے لے آئیں گے اور حساب لینے کے لیے ہم کافی ہیں۔

فائدہ نمبر 2: میزان کی جمع ”موازين“ ہے۔ رائج قول کے مطابق اعمال کو تولنے کے لیے ایک ہی ترازو ہو گا لیکن وہ اتنا بڑا ہو گا کہ اس کے بڑے پن کو بیان کرنے کے لیے اسے جمع لاکر ”موازين“ بھی کہہ دیا جائے تو بھی درست ہے۔ گویا ایک ہی ترازو کو ”موازين“ کہنا عظمت اور بڑے پن کی وجہ سے ہے نہ کہ تعدد کی وجہ سے۔ حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت 852ھ) لکھتے ہیں:

وَالَّذِي يَتَرَجَّحُ أَنَّهُ مِيزَانٌ وَاحِدٌ.

فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج 13 ص 659 تحت رقم الحدیث 7563

ترجمہ: رائج یہی ہے کہ قیامت کے دن اعمال کو تولنے والا ترازو ایک ہی ہو گا۔

فائدہ نمبر 3: قیامت کے دن اعمال کو صرف گنا نہیں جائے گا بلکہ تولا بھی جائے گا۔ اس لیے اعمال کے وزن کی بنیاد حسن نیت ہو گی۔ جس شخص کے اعمال حسن نیت سے معمور ہوں گے اس کا میزان بھی بھاری ہو گا اور جس شخص کے اعمال ریا اور عجب کا شکار ہوں گے تو اس کا میزان ہلکا اور بے وزن ہو گا۔ اسی لیے قرآن کریم میں ہے:

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ  
الْغَفُوْرُ

سورة الملک: 2

ترجمہ: وہی ذات ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں جانچے کہ کس کے اعمال اچھے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے ”اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا“ نہیں فرمایا کہ کس کے اعمال زیادہ ہیں بلکہ ”اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا“ فرمایا کہ کس کے اعمال اچھے ہیں۔ حسنِ عمل؛ حسنِ نیت سے ہی معرضِ وجود میں آتا ہے۔ اس لیے اعمال سرانجام دیتے وقت حسنِ نیت کو بطورِ خاص ملحوظ رکھنا چاہیے۔

فائدہ نمبر 4: نبی کا عمل مقدار کے اعتبار سے بظاہر کم بھی ہو تب بھی وزن کے اعتبار سے امت کے تمام اعمال سے بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے کہ قیامت کے دن اعمال کو صرف گنا نہیں جائے گا بلکہ ان کا وزن بھی کیا جائے گا۔ وزن کی بنیاد تواضع، خشوع و خضوع، حسنِ نیت اور اخلاص پر ہوگی۔ تنہا پیغمبر کا عمل جس تواضع، خشوع و خضوع، حسنِ نیت اور اخلاص کے ساتھ ہوتا ہے پوری امت کے اعمال جمع بھی ہو جائیں تو اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

قَوْلُهُ: وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ

جنت و جہنم پر ایمان:

فائدہ نمبر 1: جہنم میں دخولِ ابدی کی بنیاد کفر ہے۔ اس لیے کافر شخص ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ مَا تُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ

النَّاسِ أَجْمَعِينَ خُلِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ

سورة البقرة: 161، 162

ترجمہ: بے شک جن لوگ نے کفر اختیار کیا اور کفر کی حالت ہی میں مرے تو ان پر اللہ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ اس میں رہیں گے، ان سے عذاب کم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی انہیں کوئی ڈھیل دی جائے گی۔

اشکال:

قرآن کریم کی آیت "خُلِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ" (سورة البقرة: 162) سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی جبکہ صحیح مسلم میں حدیث ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذُكِرَ عِنْدَهُ عَنْهُ أَبُو طَالِبٍ فَقَالَ: "لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُجْعَلَ فِي ضَحَضَاحٍ مِنْ نَارٍ يَبْلُغُ كَعْبِيِّهِ، يَغْلِي مِنْهُ دِمَاعُهُ."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 210

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ابو طالب کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید قیامت کے دن میری شفاعت سے انہیں نفع پہنچے گا تو انہیں مقام ضحضاح میں لے جایا جائے گا جہاں آگ میں ان کے پاؤں ہوں گے جس سے ان کا دماغ کھولے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ابو طالب کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔

اسی طرح ابو لہب کے بارے میں صحیح البخاری میں موجود ہے:

قَالَ عُرْوَةُ: وَثَوْبِيَّةٌ مَوْلَاةٌ لِأَبِي لَهَبٍ كَانَ أَبُو لَهَبٍ أَعْتَقَهَا فَأَرْضَعَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا مَاتَ أَبُو لَهَبٍ أُرِيَهُ بَعْضُ أَهْلِهِ بِشَرِّ حَبِئَةٍ قَالَ لَهُ: مَاذَا لَفِيتُ؟ قَالَ أَبُو لَهَبٍ: لَمْ أَلْقَ بَعْدَكُمْ غَيْرَ أَتَى سَقِيتُ فِي هَذِهِ بَعْتَا قَتِي ثَوْبِيَّةً.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 5101

ترجمہ: حضرت عروہ کہتے ہیں: ثویبہ ابو لہب کی باندی تھی جسے ابو لہب نے آزاد کر دیا تھا۔ ثویبہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔ جب ابو لہب فوت ہوا تو اس کے اہل خانہ میں سے کسی کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ انتہائی بری حالت میں ہے۔ خواب دیکھنے والے نے اس سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ تو ابو لہب نے جواب دیا: جب سے میں تم سے جدا ہوا ہوں (یعنی فوت ہوا ہوں) تو مجھے کبھی بھی آرام نہیں ملا، ہاں البتہ ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے مجھے اتنی سی مقدار (یعنی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان گڑھے کی مقدار کے برابر پانی) پلایا جاتا ہے۔

بظاہر یہ دونوں روایتیں اس آیت کے خلاف ہیں۔

جواب:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو عذاب جس جہنمی کے حق میں متعین ہو جائے اس میں کمی نہیں ہوگی اور ابوطالب اور ابو لہب کے حق میں اتنا ہی عذاب متعین ہے، لہذا اس میں کمی نہیں ہوگی۔ چنانچہ امام ابو عبد اللہ محمد بن محمد ابن عرقۃ المالکی (ت 803ھ) ابوطالب اور ابو لہب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(الْعَذَابُ) الَّذِي اسْتَحَقَّهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَنَزَلَ بِهِ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُ مِنْهُ.

تفسیر ابن عرفہ: ج 2 ص 481 تحت قولہ تعالیٰ ”لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ“ سورة البقرة: 162

ترجمہ: جس عذاب کی تخفیف نہیں ہوگی اس سے مراد وہ عذاب ہے جو ان دونوں (ابوطالب اور ابو لہب) کے حق میں متعین ہو چکا ہے اور انہیں مل رہا ہے اس میں کمی

نہیں کی جائے گی۔

مسلمان اگر اعمالِ بد کی وجہ سے جہنم میں چلا بھی گیا تو وہاں ہمیشہ ہمیشہ نہیں رہے گا بلکہ اپنے اعمالِ بد کی سزا پانے کے بعد جنت میں چلا جائے گا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ أَبْيَضُ وَهُوَ نَائِمٌ ثُمَّ أَتَيْتُهُ وَقَدْ اسْتَيْقَظَ فَقَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ مَاتَ عَلَى ذَلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ عَلَى رَعْمٍ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ وَكَانَ أَبُو ذَرٍّ إِذَا حَدَّثَ يَهْدًا قَالَ وَإِنْ رَعِمَ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ

صحیح البخاری: رقم الحدیث 5827

ترجمہ: میں ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت ایک سفید کپڑا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے۔ (اس وقت میں واپس چلا آیا لیکن پھر) میں دوبارہ حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بیدار ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا (یعنی اللہ کی وحدانیت کا سچے دل سے اقرار کیا) اور پھر وہ اسی حالت میں وہ فوت ہوا تو وہ ضرور جنت میں داخل ہو گا۔ میں نے عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے اور چوری کرے! میں نے دوبارہ عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے اور چوری کرے تب بھی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے اور چوری کرے! میں نے تیسری بار عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے! خواہ

بوذر کونا گوار گذرے۔

ما علی القاری (ت 1014ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فَفِيهِ بَشَارَةٌ لِّأَنِّ عَاقِبَتُهُ دُخُولُ الْجَنَّةِ، وَإِنْ كَانَ لَهُ ذُنُوبٌ حَقَّتْهُ، لَكِنَّ أَمْرَهُ إِلَى اللَّهِ إِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَأَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ، وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ بِقَدْرِ ذَنْبِهِ، ثُمَّ أَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ.

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج 1 ص 175 کتاب الایمان

ترجمہ: اس حدیث میں اس بات کی خوشخبری دی گئی ہے کہ اس (گناہ کبیرہ کے مرتکب کا) انجام یہ ہے کہ وہ جنت میں ضرور داخل ہو گا چاہے اس کے گناہ بہت زیادہ ہی کیوں نہ ہوں لیکن اس کا یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے معاف فرما کر جنت میں داخل فرما دے اور اگر چاہے تو اسے گناہوں کے بقدر سزا دے کر جنت میں داخل کر دے۔

فائدہ نمبر 2: کوئی کافر جنت میں ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں جائے گا۔ کافر کو جنت کی ہوا کا ایک جھونکا بھی نہیں ملے گا خواہ وہ معتدل کافر ہو یا مشدد۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ

سورۃ الاعراف: 40

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان کو ماننے سے منہ موڑا تو ایسے لوگوں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ جنت میں بھی داخل نہیں ہو پائیں گے جب تک کوئی اونٹ کسی سوئی کے ناکے میں داخل نہیں ہو جاتا۔ ہم مجرموں کو ایسے ہی بدلہ دیتے ہیں۔

فائدہ نمبر 3: جہنم میں کفار کو جو تکلیف ملے گی وہ بطور عذاب ہوگی اور مومن کو جو تکلیف ملے گی وہ برائے تزکیہ ہوگی۔ اس لیے کہ عذاب کہتے ہیں: ”إِبْلَاهُمُ الْحَيِّ عَلَى سَبِيلِ الْهُوََانِ“ (زندہ آدمی کو ذلیل کرنے کے لیے تکلیف دینا) مومن کو اللہ تعالیٰ ذلیل و رسوا نہیں فرمائیں گے۔ قرآن کریم میں ہے:

يَوْمَ لَا يُخْذِرِي اللَّهَ النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ

سورة التحريم: 8

ترجمہ: اس دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اور ان لوگوں کو جو نبی کے ساتھ ایمان لائے رسوا نہیں کرے گا۔

باقی فاسق مومنین کو جہنم میں داخل کرنے کی غرض محض تزکیہ ہو گا کہ انہیں پاک کر کے جنت میں بھیجا جائے کیونکہ جنت پاک لوگوں کی جگہ ہے۔ فاسق مسلمان اعمال بد سے ناپاک ہو چکے ہوں گے تو انہیں جہنم میں بھیج کر پاک کیا جائے گا اور پھر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

✽ حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) سورة الفرقان کی آیت ”وَيَخْلُدُ فِيْهِ مُهَانًا“ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

”مومن عاصی کے لیے تزايد اور خلود نہ ہو گا اور وہ تطهير و تزکیہ کے لیے معاقب ہو گا نہ کہ اہانت کے لیے۔“

بیان القرآن ج: 3 ص 23

✽ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی (ت 1369ھ) سورة البقرة کی آیت ”وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عذاب ذلت کے لیے نہیں ہوتا بلکہ مسلمانوں کو جو ان کے معاصی پر عذاب ہو گا گناہوں سے پاک کرنے کے لیے ہو گا نہ



بغرض تذلیل، البتہ کافروں کو بغرض تذلیل عذاب دیا جائے گا۔“

تفسیر عثمانی: ج 1 ص 95

✽ مفتی محمد شفیع عثمانی (ت 1396ھ) سورۃ سبأ کی اس آیت "وَهَلْ نُجْزِي إِلَّا الْكَفُورَ" کے تحت لکھتے ہیں:

”سزا بطور سزا تو صرف کافر کو دی جاتی ہے اور مومن گناہ گار کو جو تکلیف آگ وغیرہ کی دی جاتی ہے وہ صرف صورت سزا کی ہوتی ہے، درحقیقت اس کو گناہوں سے پاک کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے سونے کو بھٹی میں ڈال کر تپانے سے اس کا میل دور کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرح مومن کو اگر کسی گناہ کی پاداش میں جہنم میں ڈالا گیا تو اس لیے کہ اس کے بدن کے وہ اجزاء جل جائیں جو حرام سے پیدا ہوئے ہیں اور جب یہ ہو چکتا ہے تو وہ جنت میں جانے کے قابل ہو جاتا ہے، اس وقت جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے۔“

معارف القرآن: ج 7 ص 285

اشکال نمبر 1: بعض اکابر کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق مؤمنین کو بھی جہنم میں رسوا کرنے کے لیے ڈالا جائے گا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی سورۃ آل عمران کی آیت "رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”جو شخص جتنی دیر دوزخ میں رہے گا اسی قدر رسوائی سمجھو۔ اس قاعدہ سے دائمی رسوائی صرف کفار کے لیے ہے۔ جن آیات میں عامہ مؤمنین سے خِزِی (رسوائی) کی نفی کی گئی ہے وہاں یہ ہی معنی سمجھنے چاہئیں۔“

تفسیر عثمانی: ج 1 ص 359

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حقیقتاً رسوا کرنے کے لیے نہیں ہو گا بلکہ صورتاً

رسوائی ہوگی، اس لیے صورتاً رسوائی کی وجہ سے اس پر لفظ ”خزى“ اور ”رسوائی“ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے (جیسا کہ معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مومن گناہ گار کو جو تکلیف آگ وغیرہ کی دی جاتی ہے وہ صرف صورت سزا کی ہوتی ہے، درحقیقت اس کو گناہوں سے پاک کرنا مقصود ہوتا ہے۔ ج 7 ص 285)

اشکال نمبر 2: قرآن کریم کی آیت رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تَدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ [سورة آل عمران: 192] سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کو بھی جہنم میں داخل کیا جائے تو اسے رسوا ہی کیا جائے گا جبکہ ایک اور مقام پہ ہے: يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ [سورة التحريم: 8] کہ قیامت کے دن نبی اور مومنین کو رسوا نہیں فرمائیں گے۔ یہ بات ثابت ہے کہ گنہگار مومن جہنم میں تو جائے گا اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم رسوائی کی جگہ ہے تو بظاہر ان دونوں آیات میں تعارض ہے۔

جواب: مومن کا جہنم میں جانا حقیقتاً رسوا کرنے کے لیے نہیں ہو گا بلکہ یہ صورتاً رسوائی ہوگی۔ صورتاً رسوائی کی وجہ سے اس پر لفظ ”خزى“ کا اطلاق کر دیا گیا ہے۔

فائدہ نمبر 4: جہنم کے عذاب:

جہنم میں مختلف انواع و اقسام کا عذاب ہو گا۔

گندھک کا لباس:

وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ سُرَابِئِلُهُمْ مِنْ قَطْرَانٍ وَتَغْشَى وُجُوهُهُمْ النَّارُ

سورة ابراہیم: 49، 50

ترجمہ: آپ اس دن مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں

گے۔ ان کا لباس گندھک کا بنا ہو گا اور ان کے چہروں کو آگ نے ڈھانپا ہو گا۔

آگ کا لباس:

هٰذِهِ خَصَلَتِ اِخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ ۚ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِنْ نَارٍ  
يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ

سورۃ الحج: 19

ترجمہ: یہ دو فریق ہیں جو اپنے رب کے بارے میں آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔ (ان میں سے) جو کافر ہیں تو ان کے لیے آگ کے کپڑے کاٹ (کرتیا کر) لیے جائیں گے اور ان کے سروں کے اوپر کھولتا ہو پانی انڈیلا جائے گا۔

گلے میں طوق اور زنجیر:

اِذَا الْاَغْلُلُ فِيْ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلْسِلُ يُسْحَبُوْنَ

سورۃ المؤمن: 71

ترجمہ: ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی، انہیں گھسیٹا بھی جائے گا۔

گرم پانی اور پیپ:

لَا يَذُوقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا اِلَّا حَمِيْمًا وَغَسَّاغًا

سورۃ النبا: 24، 25

ترجمہ: جہنمی لوگ جہنم میں نہ ٹھنڈک چکھ سکیں گے اور نہ انہیں پینے کی کوئی چیز ملے گی سوائے گرم پانی اور پیپ کے۔

سانپ اور بچھو کا عذاب:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزٍّ الرَّبِيعِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ فِي النَّارِ حَيَّاتٍ كَأَمْثَالِ أَعْنَاقِ الْبُخْتِ تَلْسَعُ إِحْدَاهُنَّ اللَّسْعَةَ فَيَجِدُ حَمَوَتَهَا أَرْبَعِينَ خَرِيفًا وَإِنَّ فِي النَّارِ عَقَّارِبَ كَأَمْثَالِ الْبِغَالِ الْمُؤَكَّفَةِ تَلْسَعُ إِحْدَاهُنَّ اللَّسْعَةَ فَيَجِدُ حَمَوَتَهَا أَرْبَعِينَ سَنَةً."

مسند احمد: ج 13 ص 471 رقم الحديث 17643

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن حارث بن جزء الزبیدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم میں عجمی اونٹوں کی طرح بڑے بڑے سانپ ہوں گے جو جہنمیوں کو ڈستے ہوں گے۔ یہ سانپ ایسے زہریلے ہوں گے کہ اگر ایک مرتبہ کاٹ لیں تو چالیس سال تک ان کے زہر کا درد نہیں جائے گا۔ اسی طرح جہنم میں لگام لگائے ہوئے خچروں کے برابر بڑے بڑے بچھو ہوں گے جو جہنمیوں کو ڈنک مارتے رہیں گے۔ ان کے ایک مرتبہ ڈنک مارنے کی تکلیف چالیس سال تک باقی رہے گی۔

فائدہ نمبر 5: جہنم کے سات طبقات:

وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْعَلِينَ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِّكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ  
سورة الحجر: 43، 44

ترجمہ: جہنم ان لوگوں کے وعدے کی جگہ ہے۔ اس کے سات دروازے ہیں اور ان میں سے ہر دروازے کے لیے ایک حصہ مقرر ہوا ہے۔

اس کی تفسیر میں امام ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری (ت 310ھ) ابو الولید عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج المکی (ت 150ھ) کا یہ قول نقل کرتے ہیں:  
عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَوْلُهُ "لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ" قَالَ: أَوَّلُهَا جَهَنَّمُ، ثُمَّ لَظَى، ثُمَّ الْحُطْمَةُ، ثُمَّ السَّعِيرُ، ثُمَّ سَقَرٌ، ثُمَّ الْحَجِيمُ، ثُمَّ الْهَاقِيَةُ.

تفسیر جامع البیان للطبری: ج 14 ص 42 تحت قوله تعالى "لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ" سورة الحجر: 44:

ترجمہ: حافظ ابن جریج سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان جہنم کے سات دروازے ہیں، سے مراد یہ ہے کہ پہلا دروازہ جہنم، پھر لُظی، پھر حطمہ، پھر سعیر، پھر سقر، پھر جہیم اور آخری ہاویہ ہے۔

### 1: جہنم:

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سِتْغَلْبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۖ وَيُفْسَسُ الْبِهَادُ

سورة آل عمران: 12

ترجمہ: آپ کافروں کو فرمادیجیے کہ تم عنقریب (دنیا کی زندگی میں) مغلوب ہو جاؤ گے اور تمہیں (آخرت کی زندگی میں) جہنم کی طرف جمع کی جائے گا اور جہنم بہت برا ٹھکانہ ہے۔

### 2: سعیر:

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا

سورة النساء: 10

ترجمہ: جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں تو وہ دراصل اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب انہیں بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا۔

### 3: لُظی:

كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ۖ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰی

سورة المعارج: 15، 16

ترجمہ: ہرگز ایسا نہیں ہو گا (کہ فدیہ دے کر چھوڑ دیا جائے بلکہ) وہ تو ایک دکھتی ہوئی آگ ہے جو کھال تک اتار کے رکھ دے گی۔

4: سقر:

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمَصْلِينَ

سورة المذثر: 42 تا 44

ترجمہ: (اصحاب الیمین جب جہنمیوں سے پوچھیں گے) تمہیں کس وجہ سے جہنم میں آنا پڑا؟ تو جہنمی بتائیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

5: جمیم:

ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ

سورة المطففين: 16

ترجمہ: پھر یہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے۔

6: ہاویہ:

وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَةٌ تَارَةً حَامِيَةٌ

سورة القارعة: 8 تا 11

ترجمہ: جس شخص کے (اعمال کے) وزن ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہو گا۔ آپ کو کیا معلوم کہ ہاویہ کیا ہے؟ وہ دہکتی ہوئی آگ ہے۔

7: حطمة:

كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ تَارَةً الَّتِي تَطْلُعُ عَلَى  
الْأَفْئِدَةِ

سورة الهمزة: 4 تا 7

ترجمہ: ہر گز نہیں (کہ مال جمع کر کے رکھنے والے شخص کا مال اس کے پاس رہے) اسے ضرور بالضرور حطمہ میں ڈالا جائے گا۔ آپ کو کیا معلوم کہ حطمہ کیا ہے؟ یہ اللہ کی دہکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک پہنچ جائے گی۔

فائدہ نمبر 6: سب سے آخری طبقہ میں منافقین کو عذاب دیا جائے گا۔ قرآن کریم میں ہے:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ۝

سورۃ النساء: 145

ترجمہ: بے شک منافقین جہنم کے نچلے درجے میں ہوں گے اور آپ کسی کو بھی ان کا مددگار نہیں پائیں گے۔

اشکال: کفار احکام کے مکلف نہیں ہیں اس لیے اگر وہ اعمالِ بد کا مظاہرہ کریں تب بھی انہیں اس بد عملی کی وجہ سے دوزخ میں نہیں ڈالنا چاہیے لیکن قرآن کریم کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بد عملی کی وجہ سے جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمَصْلِيِّينَ وَلَمْ نَكُ نَطْعُمُ الْمَسْكِينِ ۝

سورۃ المدثر: 42 تا 44

ترجمہ: (اصحابِ ایمین جب جہنمیوں سے پوچھیں گے کہ) تمہیں کس وجہ سے جہنم میں آنا پڑا؟ تو جہنمی بتائیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

تو بظاہر یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔

جواب: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) اس کا بہت عمدہ

جواب دیتے ہیں:

”اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کفار مکلف بالفروع ہیں۔ ستر میں دو چیزیں ہوں گی: تعذیب و زیادتِ تعذیب۔ پس ممکن ہے کہ مجموعہ اعمال مذکورہ سبب ہو مجموعہ تعذیب و زیادتِ تعذیب کا اس طرح کہ کفر و تکذیب تو سبب ہو تعذیب کا اور ترکِ صلوٰۃ وغیرہ سبب ہو زیادتِ تعذیب کا، اور غیر مکلف بالفروع ہونے کے معنی یہ کہے جاویں گے کہ ان فروع پر نفسِ تعذیب نہ ہوگی اور زیادتِ تعذیب اس لیے ہو کہ ضمنِ اصول میں تو آخر ان فروع کے بھی مکلف ہیں۔ بس تکلیفِ ضمنی سبب ہو جاوے زیادتِ کا۔“

تفسیر بیان القرآن: ج 3 ص 611

فائدہ نمبر 7: جنت اور جہنم کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمادیا ہے اور یہ اب بھی موجود ہیں۔ قرآن وحدیث سے دلائل ملاحظہ ہوں:

### جنت کی تخلیق:

(1): وَ سَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ ۚ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ

آل عمران: 133

ترجمہ: اپنے رب کی جانب سے ملنے والی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، وہ متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔

(2): سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ

سورة الحديد: 21

ترجمہ: اپنے رب کی جانب سے ملنے والی بخشش اور اس جنت کی طرف ایک دوسرے سے بڑھ کر چلو جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کے برابر ہے، وہ ان لوگوں



کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔

## جہنم کی تخلیق:

(1): فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَكِنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَ  
الْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ

سورۃ البقرۃ: 24

ترجمہ: اگر تم یہ نہ کر سکو اور ہرگز ایسا نہ کر سکو گے تو پھر اس آگ سے بچو جس کا  
ابندھن لوگ اور پتھر ہیں جو کفار کے لیے تیار کی گئی ہے۔

(2): وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ

آل عمران: 131

ترجمہ: اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

(3): عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ: "اَشْتَكْتُ النَّارَ إِلَى رَبِّهَا فَقَالَتْ رَبِّ أَكَلْتُ بَعْضًا فَأَذِنَ لَهَا  
بِنَفْسَيْنِ نَفْسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفْسٍ فِي الصَّيْفِ فَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الْحَرِّ وَأَشَدُّ مَا  
تَجِدُونَ مِنَ الزَّمْهِيرِ."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 3260

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے ارشاد فرمایا: جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی۔ اس نے کہا کہ اے میرے  
رب! میرے ایک حصہ نے دوسرے حصہ کو کھا لیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے (سال  
بھر میں) دو سانس لینے کی اجازت دے دی۔ ایک سانس سردیوں میں اور ایک سانس  
گرمیوں میں۔ اس لیے تم جو گرمی اور سردی کی شدت دیکھتے ہو (تو یہ انہی سانسوں کا  
اثر ہے)۔

(4): عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذْ سَمِعَ وَجْبَةً، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "تَدْرُونَ مَا هَذَا؟" قَالَ: قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: "هَذَا حَجَرٌ رُمِيَ بِهِ فِي النَّارِ مُنْذُ سَبْعِينَ خَرِيفًا، فَهُوَ يَهْوِي فِي النَّارِ الْآنَ، حَتَّى انْتَهَى إِلَى قَعْرِهَا."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2844

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ایک زوردار آواز سنائی دی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کس چیز کی آواز ہے؟ ہم نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ایک پتھر کی آواز ہے جو ستر سال پہلے جہنم میں پھینکا گیا تھا اور وہ مسلسل دوزخ میں گر رہا تھا یہاں تک کہ وہ ابھی ابھی جہنم کی تہہ میں پہنچا ہے۔

فائدہ نمبر 8: جنت اور جہنم پیدائش کے بعد فنا نہیں ہوں گی بلکہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گی۔

جنت کا ہمیشہ رہنا:

1: وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا، وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

سورة النساء: 13

ترجمہ: جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اللہ اسے ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ لوگ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

2: جَزَاءُ لَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ عَدْنٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

خُلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَٰلِكَ لِمَنِ خَشِيَ رَبَّهُ

سورۃ البینہ: 8

ترجمہ: ان (اہل ایمان) کا انعام ان کے رب کے ہاں ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان باغات میں یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی اور یہ اللہ سے راضی ہوں گے۔ یہ انعامات اس شخص کے لیے ہیں جو اللہ سے ڈرتا ہو۔

3: عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يُجَاءُ بِالْمَوْتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُ كَبْشٌ أَمْلَحُ - زَادَ أَبُو كُرَيْبٍ - فَيُوقَفُ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ - وَاتَّفَقَا فِي بَاقِي الْحَدِيثِ - فَيُقَالُ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ هَلْ تَعْرِفُونَ هَٰذَا؟ فَيَشْرِبُونَ وَيَنْظُرُونَ وَيَقُولُونَ نَعَمْ هَٰذَا الْمَوْتُ - قَالَ - وَيُقَالُ يَا أَهْلَ النَّارِ! هَلْ تَعْرِفُونَ هَٰذَا؟ قَالَ: فَيَشْرِبُونَ وَيَنْظُرُونَ وَيَقُولُونَ نَعَمْ هَٰذَا الْمَوْتُ - قَالَ - فَيَوْمَرُ بِهِ فَيَذَخُ - قَالَ - ثُمَّ يُقَالُ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! خُلُودًا فَلَا مَوْتَ وَيَا أَهْلَ النَّارِ! خُلُودًا فَلَا مَوْتَ". قَالَ ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "وَأَنذَرَهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ" وَأَشَارَ بِبِيدهِ إِلَى الدُّنْيَا.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2849

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن موت کو چنگبرے رنگ کے مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا۔ حدیث کے راوی ابو کریم نقل کرتے ہیں کہ پھر اس موت کو جنت اور جہنم کے درمیان میں کھڑا کر دیا جائے گا۔ آگے حدیث کے راوی الفاظ پر متفق ہیں۔ پھر اعلان ہو گا: اے جنتیو! کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ جنتی لوگ اپنی گردنیں

اٹھا کر دیکھیں گے اور عرض کریں گے: جی ہاں! ہم اسے پہچانتے ہیں، یہ موت ہے۔ پھر اعلان ہو گا: اے جہنمیو! کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ لوگ بھی اپنی گردنیں اٹھا کر دیکھیں گے اور کہیں گے کہ ہاں! ہم اسے پہچانتے ہیں، یہ موت ہے۔ پھر اس موت کو ذبح کرنے کا حکم دیا جائے گا اور اسے ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر اعلان ہو گا: اے اہل جنت! (جنت میں) تمہاری ہمیشہ کی زندگی ہے، تمہیں موت کبھی نہیں آئے گی۔ اور اہل جہنم سے کہا جائے گا: اے اہل جہنم! (جہنم میں) تمہاری ہمیشہ کی زندگی ہے، تمہیں بھی موت کبھی نہیں آئے گی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی: "وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ" کہ اے پیغمبر! آپ انہیں حسرت والے دن سے ڈرائیں جب تمام معاملات کا فیصلہ کیا جائے گا لیکن یہ لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور اس بات کو نہیں مانتے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے دنیا کی طرف اشارہ فرمایا۔

ان آیات اور حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ جنتی جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جنت کے ہمیشہ رہنے کی دلیل ہے۔

جہنم کا ہمیشہ رہنا:

1: يُرِيدُونَ أَن يُخْرَجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ

سورۃ المائدہ: 37

ترجمہ: وہ (کافر) آگ سے نکلنا چاہیں گے لیکن نکل نہیں سکیں گے اور وہاں انہیں دائمی عذاب دیا جائے گا۔

2: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَ الْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ

سورة البینہ: 6

ترجمہ: اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا تو وہ آگ میں ڈالے جائیں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ مخلوق میں سے بدترین لوگ ہیں۔  
ان آیات اور سابق حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ جہنمی جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جہنم کے ہمیشہ رہنے کی دلیل ہے۔

اشکال: جنت و جہنم فنا نہیں ہوں گی، یہ عقیدہ قرآن کریم کی ان دو آیتوں کے خلاف ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

سورة الرحمن: 26

ترجمہ: اس زمین پر جو کوئی ہے وہ فنا ہونے والا ہے اور صرف تمہارے پروردگار کی جلال والی اور فضل و کرم والی ذات باقی رہے گی۔  
كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُزْجَعُونَ

سورة القصص: 88

ترجمہ: ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے، حکومت اسی کی ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔

جواب نمبر 1: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) سورة القصص آیت 88 "كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ" کو غیر اللہ کے مستحق عبادت نہ ہونے کی دلیل بناتے ہوئے اور مذکورہ اشکال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”پس طریانِ عدم دلیل ہے عدم قدم کی، اور عدم قدم دلیل ہے عدم وجود

کی، اور استحقاقِ عبادت کے لیے وجود شرط ہے اور شرط کا فوت؛ مستلزم فوتِ مشروط کو ہے۔ پس اس کے سوا کوئی مستحقِ عبادت نہ ٹھہرا۔ یہ مضمون توحید کا ہو گیا..... ف:

جن روایتوں میں جنت و دوزخ، عرش و کرسی کا فنا نہ ہونا آیا ہے جیسا درِ منثور میں ہے اگر وہ سند صحیح سے ثابت ہو جاویں تو بھی صحتِ دلیل و صحتِ استدلال میں کوئی اشکال نہیں۔ ہالک عام ہو جاوے گا ہالک الذات و ہالک الصفات کو اور صفات سب کی بدلتی ہیں بالخصوص تقید بالزمان کہ اس سے بجز منزه مطلق کے کوئی خالی نہیں، پس سب ہالک ہوئے اور محلِ حوادث چونکہ حادث ہوتا ہے اس لیے سب حادث ہوئے اور حدوثِ دلیل ہے عدم و وجوب کی، پس استدلال بھی عام رہا۔“

تفسیر بیان القرآن: ج 3 ص 105، 106

جواب نمبر 2: فنا کی دو قسمیں ہیں:

1: فنائے امکانی... یعنی ایک چیز کا فنا ہو سکرنا

2: فنائے عملی... یعنی ایک چیز کا فنا ہو جانا

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے فنائے امکانی اور فنائے عملی دونوں کی نفی ہے۔ باقی جنت، جہنم وغیرہ کے لیے جو عدم فنا ثابت ہے تو اس سے مراد فناِ عملی ہے یعنی عملاً یہ فنا تو نہیں ہوں گی لیکن فنائے امکانی ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو فنا کر سکتے ہیں گو فنا کریں گے نہیں۔

تنقیحاتِ متکلم اسلام

وضاحت:

علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی الشافعی (ت 911ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ آٹھ چیزیں اور بھی ہیں جو فنا نہیں ہوں گی؛

جنت، جہنم، عرش، کرسی، عجب الذنب (ریڑھ کی ہڈی)، ارواح، لوح اور قلم۔ ان آٹھ کو انہوں نے ایک شعر میں جمع کیا ہے۔ چنانچہ شیخ علامہ محمد امین بن عبد اللہ الأزمی العلوی الہریری الشافعی (ت 1441ھ / 2019ء) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ شعر نقل کرتے ہیں:

ثَمَانِيَةٌ حُكْمُ الْبَقَاءِ يَعْمُهَا      مِنْ الْخَلْقِ وَالْبَاقُونَ فِي حَيْزِ الْعَدَمِ  
هِيَ الْعَرْشُ وَالْكُرْسِيُّ وَكَأَزْ وَجَنَّةٌ      وَحَجَبٌ وَأَرْوَاحٌ كَذَا اللَّوْحُ وَالْقَلَمُ

تفسیر حدائق الروح والريحان: ج 21 ص 316 تحت قولہ تعالیٰ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ سورة القصص: 88

ترجمہ: آٹھ چیزیں باقی رہیں گی ان کے علاوہ باقی تمام مخلوق فنا ہو جائے گی۔ وہ آٹھ چیزیں یہ ہیں: عرش، کرسی، جہنم، جنت، ریڑھ کی ہڈی، ارواح، لوح اور قلم۔

فائدہ نمبر 9: جو شخص جہنم سے سب سے آخر میں نکلے گا اور جنت داخل ہو گا اسے دنیا سے دس گنا بڑی جنت ملے گی۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَأَعْلَمُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنْهَا وَآخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا. رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ كَبَوًّا فَيَقُولُ اللَّهُ: أَذْهَبَ فَأَدْخِلِ الْجَنَّةَ فَيَأْتِيهَا فَيَخِيلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلَأَى فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ يَا رَبِّ وَجَدْتُهَا مَلَأَى فَيَقُولُ أَذْهَبَ فَأَدْخِلِ الْجَنَّةَ فَيَأْتِيهَا فَيَخِيلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلَأَى فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ يَا رَبِّ وَجَدْتُهَا مَلَأَى فَيَقُولُ أَذْهَبَ فَأَدْخِلِ الْجَنَّةَ فَإِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْيَا وَعَشْرَةَ أَمْثَالِهَا أَوْ إِنَّ لَكَ مِثْلَ عَشْرَةِ أَمْثَالِ الدُّنْيَا فَيَقُولُ تَسَخَّرْ مِنِّي أَوْ تَصْحَكْ مِنِّي وَأَنْتَ الْمَلِكُ فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ وَكَانَ يَقُولُ ذَلِكَ أَذْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَذَلَّةً.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 6571، صحیح مسلم: رقم الحدیث 186

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس آدمی کو خوب اچھی جانتا ہوں جو جہنم سے سب سے آخر میں نکلے گا اور جنت میں سب سے آخر میں داخل ہو گا۔ ایک شخص ہو گا جو جہنم سے گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے نکلے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ! وہ شخص جنت کے قریب آئے گا لیکن اسے یوں محسوس ہو گا کہ جنت تو بھری ہوئی ہے۔ تو وہ واپس آئے گا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا کہ اے میرے رب! میں نے تو جنت کو دیکھا ہے، وہ تو بھری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے پھر فرمائیں گے کہ جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ! وہ دوبارہ جنت کے قریب آئے گا اور اس بار بھی اسے یوں محسوس ہو گا کہ جنت بھری ہوئی ہے۔ وہ واپس جا کر عرض کرے گا کہ اے میرے رب! میں نے تو جنت کو دیکھا ہے، وہ تو بھری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ! تمہیں دنیا اور اس جیسی دس گناہ جنت دی جاتی ہے یا اللہ تعالیٰ یوں فرمائیں گے کہ تمہیں دنیا کی طرح دس گنا دیا جاتا ہے۔ وہ شخص کہے گا: اے اللہ! آپ مجھ سے مذاق کرتے ہیں حالانکہ آپ تو مالک ہیں! حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اس بات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آگئی اور دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جنت میں سب سے کم درجے والا شخص ہو گا۔

فائدہ نمبر 10:

جہاں سکھ اور دکھ دونوں ہوں اسے ”دنیا“ کہتے ہیں۔ جہاں صرف سکھ ہوں اسے ”جنت“ کہتے ہیں اور جہاں صرف دکھ ہوں اسے ”جہنم“ کہتے ہیں۔



## توحید باری تعالیٰ کا مفہوم

وَاللَّهُ تَعَالَىٰ وَاحِدٌ لَا مِنْ طَرِيقٍ الْعَدَدِ وَلَكِنْ مِنْ طَرِيقٍ أَنَّهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایک ہے لیکن گنتی کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس اعتبار سے کہ اس کا کوئی شریک نہیں۔ (اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:) اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

توحید کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات والا صفات میں یکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا گنتی کے ایک کی طرح نہیں کیونکہ گنتی کا ایک اگرچہ ایک ہے لیکن ۱:.... یہ ”ایک“ کبھی ”دو“ کا آدھا ہوتا ہے۔

۲:.... کبھی یہ ”ایک“ نصف، تہائی، چوتھائی وغیرہ میں تقسیم بھی ہو سکتا ہے۔

۳:.... کبھی اس ”ایک“ کے بعد دوسرا عدد بھی آتا ہے۔

گنتی کے اس ”ایک“ کے یہ تمام مفاہیم اللہ تعالیٰ کی ذات کے کسی طرح مناسب مناسب و موزوں نہیں۔ اس لیے ایسا ”ایک“ جس کی تجزی و تقسیم ممکن ہو تو یہ حادث ہوتا ہے اور ذات باری تعالیٰ حادث ہونے سے پاک ہے۔ ایک کے بعد اگر دوسرے، تیسرے، چوتھے کا وجود ممکن ہو تو ”توحید“ باقی نہ رہے گی جبکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی الہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا

سورة الانبياء: 22

ترجمہ: اگر آسمان و زمین میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور معبود ہوتے تو آسمان و زمین تباہ ہو جاتے۔

اس لیے خدا تعالیٰ کی توحید اور یکتائیت کو گنتی کے ایک کی طرح بیان کرنا درست نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا اس اعتبار سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں، نہ ذات میں اور نہ صفات میں۔ توحید کا یہ مفہوم اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی سے مستفاد ہے:

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ

سورۃ الاخلاص

ترجمہ: کہہ دیجیے کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ذات ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

ان آیات کے شانِ نزول میں یہ روایت مروی ہے:

عَنْ أَبِي بَرْزَةَ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ الْمَشْرِكِينَ قَالُوا لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اُنْسِبْ لَنَا رَبَّكَ! فَأَنْزَلَ اللَّهُ: "قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ"

سنن الترمذی: رقم الحدیث 3364

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ اپنے رب کا نسب نامہ بیان کیجیے! تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ "قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ"

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی (ت 671ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ أَهْلَ التَّفْسِيرِ قَالُوا: نَزَلَتْ الْآيَةُ جَوَابًا لِأَهْلِ الشِّرْكِ لَمَّا قَالُوا لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صِفْ لَنَا رَبَّكَ، أَمِنْ ذَهَبٍ أَمْ مِنْ مِخَاسٍ أَمْ مِنْ صُفْرِ؟ فَقَالَ اللَّهُ جَلَّ وَعَزَّ رَدًّا عَلَيْهِمْ: "قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ"

الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ج 2 ص 3401

ترجمہ: مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ سورت مشرکین کے جواب میں نازل ہوئی جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ آپ اپنے رب کے بارے میں

بتائیں کہ وہ کس چیز کا بنا ہوا ہے، سونے کا ہے یا تانبے کا ہے یا پیتل کا؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کے رد میں یہ سورت نازل فرمائی کہ ”فرما دیجیے! اللہ ایک ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا کہ اس کی ذات ”احد“ ہے یعنی ترکیب، تجزی، تعدد اور دیگر اشیاء کی مشابہت سے یکسر پاک ہے۔ ”اللَّهُ أَحَدٌ“ میں ذات باری تعالیٰ کی وحدانیت کا تذکرہ فرمایا۔ اس میں مشرکین کے سوال کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ سونے کا بنا ہے نہ تانبے کا اور نہ ہی پیتل کا۔ کیونکہ اجزاء سے ترکیب پانے والی ذات مرکب ہوتی ہے جبکہ اللہ ”احد“ یعنی یکتا ہے اور ترکیب سے پاک ہے۔

آگے ”لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ“ میں صفات باری تعالیٰ میں یکتائیت کا تذکرہ فرمایا کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کے علم، قدرت، اختیارات وغیرہ میں بالکل برابری نہیں کر سکتی۔ یہ صفات میں وحدانیت ہے۔ نیز اس آیت میں مشرکین کے اس سوال کا بھی جواب ہے جو کہتے تھے کہ اپنے رب کا نسب نامہ بیان کریں۔ تو ان کو جواب دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نسب سے پاک ہے، نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ اس کا کوئی بیٹا ہے۔

خلاصہ یہ کہ توحید باری تعالیٰ ذات اور صفات دونوں جہت سے ثابت ہے۔

## اللہ تعالیٰ کا مخلوق کی مشابہت سے پاک ہونا

لَا يُشَبِّهُ شَيْئًا مِنَ الْأَشْيَاءِ مِنْ خَلْقِهِ وَلَا يُشَبِّهُهُ شَيْءٌ مِنْ خَلْقِهِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کے مشابہ نہیں اور نہ ہی مخلوق میں سے کوئی اس کے مشابہ ہے۔

یعنی جس طرح انسان دیکھنے میں آنکھ کا محتاج ہے، بولنے میں زبان کا محتاج

ہے، سننے میں کان کا محتاج ہے اور موجود ہونے میں اپنے جسم اور اجزائے جسم کا محتاج ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اس طرح نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا معاملہ مخلوق سے یکسر مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں لیکن دیکھنے میں آنکھ کے محتاج نہیں، سنتے ہیں لیکن سننے میں کان کے محتاج نہیں اور کلام فرماتے ہیں لیکن کلام فرمانے میں زبان کے محتاج نہیں۔

نوٹ:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ید، وجہ، عین، ساق وغیرہ کلمات استعمال ہوئے ہیں ان کے متعلق وضاحت یہ ہے کہ ان سے مراد اعضائے جسم نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جن کا معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اس کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

اشکال: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”لَا يُشْبِهُهُ شَيْئًا مِنَ الْأَشْيَاءِ مِنْ خَلْقِهِ“ کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کے مشابہ نہیں! لیکن قرآن و احادیث میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو مخلوقات سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ مِثْلُ نُّورٍ كَمِشْكُوتٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ ۚ

النور: 35

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کے نور کی مثال ایسے ہے جیسے ایک طاق ہو جس میں چراغ رکھا ہو۔

تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کو چراغ کے نور کے مشابہ قرار دیا ہے۔

جواب نمبر 1: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جو عقیدہ ذکر فرمایا ہے یہ قرآن مجید

کے موافق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ

سورۃ اشوریٰ: 11

ترجمہ: اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں، وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

جواب نمبر 2: یہاں دو باتیں الگ الگ ہیں: ایک ہے اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کے مشابہ ہونا اور دوسرا ہے اللہ تعالیٰ کی صفات کو سمجھانے کے لیے مثال دینا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جو عقیدہ بیان کیا ہے کہ ”لَا يُشَبِّهُ شَيْئًا مِنَ الْأَشْيَاءِ مَنْ خَلَقَهُ“ (اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں کسی کے مشابہ نہیں) تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی مشابہت سے پاک ہے، کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات جیسی نہیں ہو سکتی۔ باقی قرآن مجید میں جو مثال بیان ہوئی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نور کو چراغ کے نور کے مشابہ قرار دینے کے لیے بیان نہیں ہوئی بلکہ انسانی عقل و فہم اور بساط کے پیش نظر نور الہی کو محض سمجھانے کے لیے بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مخلوق کی طرح ہونا اور ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو سمجھانے کے لیے مثال دینا بالکل دوسری چیز ہے۔ دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

فائدہ: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) کا یہ فرمان اس بات کو سمجھنے کے لیے بہت مفید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں لیکن سمجھانے کے لیے مثال دی جاسکتی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”مثلاً جو دو کاغذ گوند سے چپکا دیے گئے ہیں وہ ایک دوسرے سے اتنے

قریب نہیں بلکہ گوند جو کہ واسطہ ہے وہ زیادہ قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ مثال سے پاک ہیں لیکن آخر میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں، پس جب اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہاری ہستی کے درمیان واسطہ ہیں تو وہ ہستی سے زیادہ قریب ہوئے۔ اور یہی حاصل تھا تمہارے

ساتھ بنسبت تمہاری جان ہونے کا۔ پس تم سے اتنے قریب ہوئے جتنے کہ خود تم بھی اپنے قریب نہیں جیسا کہ گوند کی مثال میں سمجھایا گیا۔ یہ بہت موٹی بات ہے کہ کوئی قیل و قال کی گنجائش نہیں۔“

خطبات حکیم الامت: ج 17 ص 431 عنوان: اقربیت کا مفہوم

### اسماء و صفات ذاتیہ و فعلیہ

لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ بِأَسْمَائِهِ وَصِفَاتِهِ الدَّائِمَةِ وَالْفَعْلِيَّةِ. أَمَّا الدَّائِمَةُ فَالْحَيَاةُ وَالْقُدْرَةُ وَالْعِلْمُ وَالْكَلَامُ وَالسَّمْعُ وَالْبَصَرُ وَالْإِرَادَةُ وَأَمَّا الْفَعْلِيَّةُ فَالتَّخْلِيقُ وَالتَّرْزِيقُ وَالْإِنْشَاءُ وَالْإِبْدَاعُ وَالصَّنْعُ وَغَيْرُ ذَلِكَ مِنْ صِفَاتِ الْفِعْلِ لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ بِصِفَاتِهِ وَأَسْمَائِهِ لَمْ يَخْدُثْ لَهُ صِفَةٌ وَلَا اسْمٌ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے اسماء اور صفات ذاتیہ اور فعلیہ کے ساتھ ہمیشہ سے متصف رہا ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ حیات، قدرت، علم، کلام، سمع، بصر اور ارادہ ہیں اور صفات فعلیہ میں پیدا کرنا، رزق دینا، وجود عطا کرنا، بغیر نمونہ سابق کے بنانا، خوش اسلوبی و حسن سلیقہ سے بنانا وغیرہ جیسی صفات شامل ہیں جن سے (اللہ تعالیٰ کے) فعل کا صدور معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ان صفات اور اسماء کے ساتھ ہمیشہ سے متصف ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت حادث ہے نہ کوئی نام۔

اسمائے باری تعالیٰ:

فائدہ نمبر 1: اللہ تعالیٰ کے اسماء کی دو قسمیں ہیں: ذاتی اور صفاتی۔ لفظ ”اللہ“ ذاتی نام ہے اور اس کے علاوہ باقی نام صفاتی نام ہیں۔

فائدہ نمبر 2: اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں کو ”اسمائِ حسنیٰ“ کہتے ہیں۔

فائدہ نمبر 3: قرآن و حدیث میں منقول تمام اسمائِ الہیہ کا اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے استعمال کرنا جائز ہے اور جو اسماء قرآن و حدیث میں وارد نہیں امام ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری الحنبلی (ت 324ھ) کے نزدیک ان کا استعمال ذاتِ باری کے لیے ناجائز ہے، جبکہ امام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی (ت 505ھ) اور امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسن الرازی الشافعی (ت 606ھ) کے نزدیک ذاتِ باری کے لیے ان کا استعمال بطورِ اسم کے ناجائز اور بطورِ وصف کے جائز ہے۔ مثلاً ”یَا قَدِیْمُ“ نہیں کہہ سکتے البتہ ”اَللّٰهُ قَدِیْمٌ“ کہہ سکتے ہیں۔

فائدہ نمبر 4: ہر زبان میں ذاتِ باری کے لیے ذاتی نام مقرر ہے۔ ان کا استعمال اسی زبان میں ذاتِ باری کے لیے جائز ہے۔ جیسے اردو اور فارسی میں ”خدا“ اور انگریزی میں ”God“ (بڑی G کے ساتھ) البتہ کفار میں ذاتِ باری کے لیے استعمال ہونے والے اسماء کے بارے میں جب تک یہ تحقیق نہ ہو کہ یہ ذاتی ہیں یا صفاتی اور صفاتی میں سے کس صفت کی ترجمانی کرتے ہیں، اس وقت تک ان کے استعمال سے احتراز کرنا چاہیے۔ جیسے فارسی میں لفظ ”یزدان“ اور ”اَہَرْمُنْ“ ہیں۔ ان الفاظ کا معنی معلوم ہے کہ ”یزدان“ کا معنی ہے ”خیر کا خدا“ اور ”اَہَرْمُنْ“ کا معنی ہے ”شر کا خدا“۔ ثنویہ (ایک مجوسی فرقہ) کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ”خیر کا خدا“ اور شیطان کو ”شر کا خدا“ کہتے تھے۔ خیر کے خدا کے لیے ”یزدان“ اور شر کے خدا کے لیے ”اَہَرْمُنْ“ کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔

علامہ محمد طاہر بن محمد بن محمد بن محمد بن عاشر التیونسی المالکی (ت 1393ھ) سورۃ الصافات آیت: 158 "وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نَسْبًا" وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ

إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ" [ان لوگوں نے اللہ اور جنات میں رشتہ مقرر کر رکھا ہے] کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ذکر کرتے ہیں:

أَنَّهُ إِشَارَةٌ إِلَى قَوْلِ الثَّنَوِيَّةِ مِنَ الْمَجُوسِ بِوُجُودِ إِلَهٍ لِّلْخَيْرِ هُوَ اللَّهُ، وَإِلَهٍ لِّلشَّرِّ هُوَ الشَّيْطَانُ وَهُمْ مِنْ مِلَلٍ مَّجُوسٍ فَارِسَ وَسَمَّوْا إِلَهَ الْخَيْرِ (يَزْدَانَ) وَإِلَهَ الشَّرِّ (أَهْرَمَنْ)

تفسیر التحریر والتنویر لابن عاشور: ج 23 ص 94

ترجمہ: (آیت میں) مجوسی فرقہ ثنویہ کے عقیدہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ خیر کا خدا؛ اللہ تعالیٰ اور شر کا خدا؛ شیطان ہے۔ ثنویہ؛ فارس کے مجوسیوں کا ایک فرقہ ہے۔ یہ لوگ خیر کے خدا کو ”یزدان“ اور شر کے خدا کو ”اھرمن“ کہتے تھے۔

یزدان کا لفظ ہمارے اکابرین اور مسلم مصنفین کی کتب میں اللہ تعالیٰ کے لیے مستعمل ہے اس لیے ذات باری تعالیٰ کے لیے اس کا استعمال جائز ہے البتہ اھرمن کا لفظ خدا تعالیٰ کے لیے کہیں مستعمل نہیں دیکھا گیا اس لیے ذات باری تعالیٰ کے لیے اس لفظ کے استعمال سے احتراز لازم ہے۔

تنبیہ:

غیر عربی زبان کا ایسا لفظ جو اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی ترجمانی تو کرے لیکن غیر اقوام کا شعار بن چکا ہو تو یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں۔ ہاں اگر شعار نہ بنا ہو تو اس کا استعمال درست ہے۔ فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی (ت 1416ھ) لکھتے ہیں:

”اس صورت میں ان ہی ناموں کو منع کیا جاسکتا ہے جو غیر قوم کا شعار ہیں اور جو شعار نہیں ان کو منع نہیں جاسکتا جیسے خدا، ایزد، یزداں کہ یہ نام کسی مخصوص غیر



مسلم کے شعار نہیں بلکہ بکثرت اہل اسلام کی تصانیف میں موجود ہیں۔“

فتاویٰ محمودیہ: ج 1 ص 271

فائدہ نمبر 5: بعض اسماء ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے بولے جاتے ہیں جیسے الرحمن، عالم الغیب، مختار کل، قادر مطلق، مشکل کشا، حاجت روا وغیرہ۔ ان اسماء کو مخلوق کے لیے بولنا جائز نہیں۔

فائدہ نمبر 6: بعض اسماء ایسے ہیں جو مخلوق پر بھی بولے گئے ہیں جیسے سمیع، بصیر، متکلم وغیرہ۔ مخلوق کے لیے ان اسماء کا معنی یہ ہے کہ مخلوق سننے میں کان کی، دیکھنے میں آنکھ کی، بولنے میں زبان کی محتاج ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ یوں نہیں ہے، اللہ تعالیٰ سمیع یعنی سنتے ہیں لیکن کان کے محتاج نہیں، بصیر یعنی دیکھتے ہیں لیکن آنکھ کے محتاج نہیں، متکلم یعنی بولتے ہیں لیکن زبان کے محتاج نہیں۔ تو ان اسماء کا جو معنی مخلوق کے لیے ہے وہ معنی اللہ تعالیٰ کے لیے ہرگز مراد نہیں۔ اس لیے معنی خاص کے اعتبار سے یہ اسماء بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔

فائدہ نمبر 7: اسمائے حسنیٰ میں سے کون سے اسماء بندوں کے لیے استعمال کے جاسکتے ہیں۔

اس بارے میں شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی تحقیق نہایت ہی قابل قدر ہے اور ہماری نظر میں اہل علم حضرات کے لیے کافی وافی ہے، ”فتاویٰ عثمانی“ سے من وعن نقل کی جاتی ہے۔

سوال: آج کل عموماً باری تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ ”عبد“ کے اضافے کے ساتھ نام رکھے جاتے ہیں، مگر عموماً غفلت کی وجہ سے مسمیٰ کو بدون ”عبد“ کے پکارا جاتا ہے، حالانکہ بعض اسماء باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، مثلاً عبد الرزاق

وغیرہ، اندریں احوال اپنی جستجو کے مطابق فیض الباری ج: ۴ ص: ۴۲۳ سے اسمائے حسنیٰ درج کر رہا ہوں، تحقیق فرمائیں کہ کون سے اسماء باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، کہ ان کو بدون ”عبد“ کے مخلوق کے لیے استعمال کرنا گناہ کبیرہ ہے، اگر ان کے علاوہ اور کوئی اسماء ہوں تو وہ بھی درج فرمائیں مع تحقیق کے، نیز اسماء کے شروع یا آخر میں ”محمد“ یا ”احمد“ یا ”اللہ“ کا اضافہ کیسا ہے؟ مثلاً محمد متکبر، خالق احمد، محمد اللہ، احمد رزاق۔

اللہ، الرحمن، الرحیم، الملک، القدوس، السلام، المؤمن، المہمین، العزیز، الجبار، المتکبر، الخالق، الباری، المصور، الغفار، القہار، التواب، الوہاب، الخلاق، الرزاق، الفتاح، الحلیم، العلیم، العظیم، الواسع، الحکیم، الحی، القيوم، السميع، البصير، اللطيف، الخبير، العلي، الكبير، المحيط، القدير، المولى، النصير، الكريم، الرقيب، القريب، المجيب، الحفيظ، البقيت، الودود، المجيد، الوارث، الشهيد، الولي، الحميد، الحق، المبين، الغني، المالك، القوى، المتين، لشدید، القادر، المقتدر، القاهر، الكافي، الشاكر، المستعان، الفاطر، البديع، الفاعل، الاول، الآخر، الظاهر، الباطن، الكفيل، الغالب، الحکم، العالم، الرفیع، الحافظ، المنتقم، القائم، المحیی، الجامع، الملیک، المتعالی، النور، الهادی، الغفور، الشکور، العفو، الرؤوف، الاکرام، الاعلیٰ، البر، الخفی، الرب الاله، الاحد، الصمد، الذی لم یلد، ولم یولد، ولم یکن له کفو احد۔

جواب: کسی کتاب میں یہ تفصیل تو نظر سے نہیں گزری کہ کون کون سے اسمائے حسنیٰ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہیں، اور کون سے اسماء کا اطلاق دوسروں پر ہو سکتا ہے، لیکن مندرجہ ذیل عبارتوں سے اس کا ایک اصول معلوم ہوتا ہے:-

تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

”وَذَكَرَ غَيْرَ وَاحِدٍ مِنَ الْعُلَمَاءِ أَنَّ هَذِهِ الْأَسْمَاءَ... تَنْقَسِمُ قِسْمَةً أُخْرَى إِلَى مَا لَا يَجُوزُ إِطْلَاقُهُ عَلَى غَيْرِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى كَاللَّهِ وَالرَّحْمَنِ وَمَا يَجُوزُ كَالرَّحِيمِ وَالْكَرِيمِ.

روح المعانی ج: 9 ص 123 تحت قولہ تعالیٰ وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا سورة الاعراف: 179  
ترجمہ: کئی علماء کا کہنا ہے کہ ان اسماء کی ایک اور تقسیم اس اعتبار سے بھی ہے کہ ان میں سے کس نام کا استعمال غیر اللہ کے لیے جائز نہیں جیسے اسم ”اللہ“ اور ”الرحمن“ اور کس نام کا استعمال غیر اللہ کے لیے جائز ہے جیسے اسم ”رحیم“ اور ”کریم“ اور رد المحتار میں ہے:

”وَجَازَ التَّنْسِيبَةُ بِعَلِيٍّ وَرَشِيدٍ مِنَ الْأَسْمَاءِ الْمُشْتَرِكَةِ وَيُرَادُ فِي حَقِّهَا غَيْرُ مَا يُرَادُ فِي حَقِّ اللَّهِ تَعَالَى. وَفِي رَدِّ الْمُحْتَارِ: الَّذِي فِي التَّاتِرْخَانِيَّةِ عَنِ السَّرَاجِيَّةِ التَّنْسِيبَةُ بِاسْمِ يُوجَدُ فِي كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى كَالْعَلِيِّ وَالْكَبِيرِ وَالرَّشِيدِ وَالْبَدِيعِ جَائِزَةٌ لِح“

شامی ج: 5 ص: 268 کتاب الخطر والاباحہ، فصل بکراہ اعطاء سائل المسجد إلا إذا لم يتخط رقاب الناس  
ترجمہ: کسی کا نام اسماء مشترکہ میں سے رکھنا جائز ہے جیسے ”علی“ اور ”رشید“۔ ان اسماء سے ہمارے حق میں وہ معنی مراد نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ کے لیے مراد ہوتا ہے۔ رد المحتار میں ہے کہ فتاویٰ تاترخانیہ میں فتاویٰ سراجیہ کے حوالے سے جو منقول ہے کہ ایسا نام رکھنا جائز ہے جو قرآن مجید میں پایا جاتا ہو جیسے علی، کبیر، رشید، بدیع وغیرہ الخ  
وَفِي الْفَتَاوَى الْهِنْدِيَّةِ: التَّنْسِيبَةُ بِاسْمِ لَمْ يَدْ كُرَّهَ اللَّهُ تَعَالَى فِي عِبَادَةٍ وَلَا ذَكَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا اسْتَعْمَلَهُ الْمُسْلِمُونَ تَكَلُّمًا فِيهِ، وَالْأَوَّلَى أَنْ لَا يَفْعَلَ كَذَا فِي الْمَحِيطِ.

ترجمہ: فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ ایسا نام رکھنے کے بارے میں علماء نے کلام کیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں ذکر نہیں کیا، نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر کیا ہے اور نہ ہی مسلمانوں میں رائج ہے اور بہتر یہی ہے کہ ایسا نام نہ رکھا جائے۔ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اسماء حسنیٰ میں بعض نام ایسے بھی ہیں جن کو قرآن و حدیث میں دوسرے لوگوں کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے اور بعض وہ ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کے لیے استعمال کرنا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔ تو جن ناموں کا استعمال غیر اللہ کے لیے قرآن و حدیث سے ثابت ہے وہ نام تو اوروں کے لیے بھی استعمال ہو سکتے ہیں جیسے رحیم، رشید، علی، کریم، عزیز وغیرہ۔ اور اسمائے حسنیٰ میں سے وہ نام جن کا غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں، ان کو غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا الحاد مذکور میں داخل اور ناجائز و حرام ہے۔

معارف القرآن ج: ۴ ص: ۱۳۲ سورہ اعراف: ۱۸

ان عبارتوں سے اس بارے میں یہ اصول مستنبط ہوتے ہیں۔

نمبر 1: وہ اسمائے حسنیٰ جو باری تعالیٰ کے اسم ذات ہوں یا صرف باری تعالیٰ کی صفات مخصوصہ کے معنی ہی میں استعمال ہوتے ہوں، ان کا استعمال غیر اللہ کے لیے کسی حال میں جائز نہیں، مثلاً: اللہ، الرحمن، القدوس، الجبار، المتکبر، الخالق، الباری، المصور، الرزاق، الغفار، القہار، التواب، الوہاب، الخلاق، الفتاح، القيوم، الرب، المحیط، المملک، الغفور، الاحد، الصمد، الحق، القادر المحیی۔

نمبر 2: وہ اسماء جو باری تعالیٰ کی صفات خاصہ کے علاوہ دوسرے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں اور دوسرے معنی کے لحاظ سے ان کا اطلاق غیر اللہ پر کیا جاسکتا ہو، ان میں

تفصیل یہ ہے کہ اگر قرآن و حدیث، تعامل امت یا عرف عام میں ان اسماء سے غیر اللہ کا نام رکھنا ثابت ہو تو ایسا نام رکھنے میں مضائقہ نہیں، مثلاً: عزیز، علی، کریم، رحیم، عظیم، رشید، کبیر، بدیع، کفیل، ہادی، واسع، حکیم وغیرہ اور جن اسمائے حسنی سے نام رکھنا قرآن و حدیث سے ثابت ہو اور نہ مسلمانوں میں معمول رہا ہو، غیر اللہ کو ایسے نام دینے سے پرہیز لازم ہے۔

نمبر 3: مذکورہ دو اصولوں سے اصول خود بخود نکل آیا کہ جن اسمائے حسنی کے بارے میں یہ تحقیق نہ ہو کہ قرآن و حدیث، تعامل امت یا عرف میں وہ غیر اللہ کے لیے استعمال ہوئے ہیں یا نہیں؟ ایسے نام رکھنے سے بھی پرہیز لازم ہے، کیونکہ اسمائے حسنی میں اصل یہ ہے کہ ان سے غیر اللہ کا نام رکھنا جائز نہ ہو، جواز کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔ ان اصولوں پر تمام اسمائے حسنی کے بارے میں عمل کیا جائے، تاہم یہ جواب چونکہ قواعد سے لکھا ہے اور ہر نام کے بارے میں اسلام کی کوئی تصریح احقر کو نہیں ملی، اس لیے اگر اس میں دوسرے اہل علم سے بھی استصواب کر لیا جائے تو بہتر ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

فتاویٰ عثمانی: ج 1 ص 52، 53

فائدہ نمبر 8: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ لِلَّهِ تَعَالَى تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مِائَةً غَيْرُ وَاحِدَةٍ مِنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ.

سنن الترمذی: رقم الحدیث 3506

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ جو انہیں یاد کر لے تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔

وہ مبارک نام یہ ہیں:

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ  
 الْمُهَيَّمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ  
 الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُدِلُّ  
 السَّيِّعُ الْبَصِيرُ الْحَكَمُ الْعَدْلُ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ الْحَلِيمُ الْعَظِيمُ الْغَفُورُ  
 الشَّكُورُ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ الْخَفِيْظُ الْمُقَيِّتُ الْحَسِيدُ الْجَلِيلُ الْكَرِيمُ الرَّقِيبُ  
 الْمَجِيبُ الْوَاسِعُ الْحَكِيمُ الْوَدُودُ الْمَجِيدُ الْبَاعِثُ الشَّهِيدُ الْحَقُّ الْوَكِيلُ الْقَوِيُّ  
 الْمَتِينُ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ الْمُحْصِي الْمُبْدِي الْمُعِيدُ الْمُحْيِي الْمُمِيتُ الْحَيُّ الْقَيُّومُ  
 الْوَاحِدُ الْمَجَادُّ الْوَاحِدُ الْأَحَدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْأَوَّلُ  
 الْآخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِي الْمُتَعَالَى الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّؤُوفُ  
 مَالِكُ الْمُلْكِ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِيُّ الْغَنِيُّ الْمَانِعُ الضَّارُّ  
 النَّافِعُ النَّوُّورُ الْهَادِي الْبَدِيعُ الْبَاقِي الْوَارِثُ الرَّشِيدُ الصَّبُورُ.

اس حدیث مبارک میں اسمائے باری تعالیٰ کا حصر مقصود نہیں بلکہ محض ان اسماء کے حفظ کی فضیلت کو بیان کرنا مقصود ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ان ننانوے کے علاوہ اور بھی ہیں۔ اس لیے ان اسماء کو یاد کرنے کی کوشش کی جائے۔

صفات باری تعالیٰ:

صفات محکمات کی دو قسمیں ہیں: صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ۔

صفات ذاتیہ

ان صفات کو کہتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو اور ان کی ضد کے

ساتھ موصوف نہ ہو۔

یہ صفات سات ہیں: جیسے حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔

☞ اللہ تعالیٰ صفتِ حیات کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد ”موت“ کے ساتھ نہیں۔

☞ صفتِ علم کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد ”جہل“ کے ساتھ نہیں۔

☞ صفتِ قدرت کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد ”عجز“ کے ساتھ نہیں۔

☞ صفتِ ارادہ (عزم و یقین) کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد تردد و بے یقینی کے ساتھ نہیں۔

☞ صفتِ سمع کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد ”صَمَّ“ (بہرا پن) کے ساتھ نہیں۔

☞ صفتِ بصر کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد ”عَمَى“ (نایابنا پن) کے ساتھ نہیں۔

☞ صفتِ کلام کے ساتھ موصوف ہے، اس کی ضد ”بُکْمَہ“ (گو نگا پن) کے ساتھ نہیں۔

## [1]: حیات

زندہ ہونا۔ اس کی ضد یعنی ”موت“ سے اللہ تعالیٰ پاک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد

فرماتے ہیں:

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ الْحَيُّ الْقَيُّومُ

سورة البقرة: 255

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ ہمیشہ سے زندہ اور سب کو تھامنے والا ہے۔

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں زندہ ماننا

شرک ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی صفت حیات میں شراکت لازم آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ہمیشہ زندہ ہوں اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی قبر، حشر اور جنت میں زندہ ہوں۔

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں زندہ ماننے سے اللہ تعالیٰ کی صفت حیات میں شراکت لازم نہیں آتی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی حیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں دو فرق ہیں:

پہلا فرق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ازلی (یعنی ایسی حیات جو ہمیشہ سے ہو) نہیں ہے بلکہ ابدی (یعنی ہمیشہ رہنے والی) ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی حیات ازلی بھی ہے اور ابدی بھی ہے۔ نیز یہ ابدی حیات تو جنت میں ہر مسلمان کو حاصل ہوگی۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات انقطاع کے ساتھ ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی حیات بغیر انقطاع کے ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں اور اہل جنت کو جنت میں زندہ ماننے سے اللہ تعالیٰ کی صفت حیات میں شراکت لازم نہیں آتی۔

## [2]: قدرت

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

سورة البقرة: 20

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔



فائدہ:

یہاں ایک بات بطور فائدہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو اس قدرت کا تعلق ممکنات کے ساتھ ہوتا ہے، واجبات اور محالات کے ساتھ نہیں ہوتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ واجب اور محال میں اپنے ماسوا کی تاثیر کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔ جیسے سورج میں یہ خاصیت ہے کہ وہ ہر چیز کو گرم کرتا ہے لیکن ایسا سنگ مرمر جس میں سورج کی تپش کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے وہ جون جولائی کی گرمی میں عین دوپہر کے وقت بھی ٹھنڈا رہتا ہے۔ اس لیے جب کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو یہ سوال پیدا نہ ہونا چاہیے کہ جب قادر ہے تو کیا اپنے جیسا اور خدا پیدا کرنے پر بھی قادر ہے یا اپنی ذات کو ختم کرنے پر بھی قادر ہے؟ - العیاذ باللہ - اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود واجب ہے اور خدائی صفات رکھنے والے کسی اور ”خدا“ کا وجود ممتنع اور محال ہے۔ اس لیے قدرت کا تعلق ان کے ساتھ ہو گا ہی نہیں اس لیے یہ سوال ہی بے جا تصور ہو گا۔

[3]: علم

اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا نہیں فرمایا تھا تب بھی اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ کس کس مخلوق کو پیدا کروں گا اور وہ کیا کام کرے گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو ازل سے لے کر اب تک کے تمام واقعات و احوال کا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

سورۃ آل عمران: 29

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔

## [4]: کلام

صفت کلام اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جو الفاظ اور حروف سے مرکب نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ازل سے قائم ہے۔ جسے ”کلام نفسی“ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

يُؤْتِيْنِي اِصْطَفَيْتُكَ عَلٰى النَّاسِ بِرِسْلَتِيْ وَبِكَلَامِيْ

سورة الاعراف: 144

ترجمہ: اے موسیٰ! میں نے اپنا پیغام پہنچانے اور کلام کرنے کے لیے لوگوں میں سے آپ کو چنا ہے۔  
کلام اصل میں ”کلام نفسی“ ہی ہوتا ہے۔ کلام لفظی اس کلام نفسی پر دلالت کرتا ہے۔

معروف شاعر غیاث بن غوث تغلبی المعروف اخطل (ت 98ھ) کا شعر ہے:

اِنَّ الْكَلَامَ لَفِي الْفَوَادِ وَاَمَّا جُعِلَ اللِّسَانُ عَلٰى الْفَوَادِ دَلِيْلًا

شرح المقاصد: ج 2 ص 102

ترجمہ: کلام تو دل میں ہوتا ہے اور زبان کو دل (کے اس کلام) پر دلیل بنایا گیا ہے۔  
کلام نفسی کو مخلوق تک پہنچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے الفاظ اور حروف کا لباس عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام نفسی بھی قدیم ہے اور اس پر الفاظ و حروف کا لباس بھی قدیم ہے البتہ مخلوق کا اس کو پڑھنا اور کتابت کرنا حادث ہے۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ مخلوق بھی کلام کرتی ہے اور باری تعالیٰ بھی کلام کرتے ہیں لیکن مخلوق کا کلام کرنا زبان، الفاظ، آواز وغیرہ کا محتاج ہے۔ اگر زبان نہ ہو، الفاظ نہ ہوں یا آواز نہ ہو تو مخلوق کلام نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا ایسے نہیں

بلکہ اللہ تعالیٰ کلام فرماتے ہیں لیکن زبان، الفاظ اور آواز کے محتاج نہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ

سورة الشورى: 11

ترجمہ: اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں، وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

[5]: سمع

اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کی نداء کو سنتے ہیں۔ یہ سننا بھی مخلوق کے سننے کی طرح نہیں کیونکہ مخلوق سننے میں کان کی محتاج ہے جبکہ اللہ تعالیٰ بغیر کان کے سنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

سورة البقرة: 224

ترجمہ: اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

[6]: بصر

مخلوق دیکھنے میں آنکھ اور بینائی کی محتاج ہے لیکن باری تعالیٰ کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں لیکن آنکھ اور قوت بصر کے محتاج نہیں بلکہ بغیر آنکھ کے دیکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ

سورة الملك: 19

ترجمہ: بے شک وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

[7]: ارادہ

اللہ تعالیٰ اپنے ارادے میں کسی زمان و مکان یا مخلوق کے پابند و محتاج نہیں بلکہ جس چیز کا جب ارادہ فرمائیں فرما سکتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائیں کہ فلاں شخص کو فلاں زمانے میں پیدا کرنا ہے تو یہ ارادہ مخلوق کا پابند نہیں کہ مخلوق چاہے گی تب فلاں شخص فلاں زمانے میں پیدا ہو گا بلکہ یہ ارادہ مخلوق کی پابندی اور احتیاجی کے بغیر ہی وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

فَعَالٌ لِّمَآ يُرِيدُ

سورۃ البروج: 16

ترجمہ: اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے کر ڈالتا ہے۔

مزید ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ

سورۃ یسین: 82

ترجمہ: اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے: ہو جا! بس وہ ہو جاتی ہے۔

اشکال: اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ارادہ فرما کر لفظ ”کُنْ“ ارشاد فرماتے ہیں تو وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مثلاً اللہ تعالیٰ کسی ماں کو بیٹا عطا کرنے کا ارادہ فرمائیں تو بچے کی پیدائش میں نو ماہ لگ جاتے ہیں۔ آسمان و زمین کو پیدا فرمانے کے لیے لفظ ”کُنْ“ فرمایا تھا تو فوراً بننا چاہیے تھا حالانکہ آسمان و زمین چھ دنوں میں بنے ہیں کما قال تعالیٰ:

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ

سورۃ الاعراف: 54

ترجمہ: آپ کا رب وہ ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔

جواب: اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتے ہوئے لفظ ”کُنْ“ ارشاد فرماتے ہیں تو اس میں اس چیز کے وقوع پذیر ہونے کی مدت بھی ملحوظ ہوتی ہے۔ جیسے کسی عورت کو بچہ عطا فرمانے کا ارادہ فرماتے ہیں تو لفظ ”کُنْ“ ارشاد فرماتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ بچہ مثلاً نو ماہ میں پیدا ہو جائے۔ اسی طرح جب آسمان و زمین کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو لفظ ”کُنْ“ کہنے میں چھ دنوں کی مدت بھی ملحوظ تھی۔ تو ارادہ کرنے میں لفظ ”کُنْ“ فرماتے ہوئے مدت بھی ملحوظ ہوتی ہے۔

قَوْلُهُ: وَأَمَّا الْفِعْلِيَّةُ فَالتَّخْلِيْقُ وَالتَّزْيِيْنُ وَالْإِنْشَاءُ

صفات فعلیہ:

وہ صفات ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو اور ان کی ضد کے ساتھ بھی موصوف ہو لیکن ان کا وقوع اللہ تعالیٰ کے غیر پر ہوتا ہو۔ صفات فعلیہ کئی ہیں جن میں سے چند ایک کا تذکرہ کیا جا رہا ہے:

[1]: تخلیق

تخلیق کا معنی ہے ”پیدا کرنا“۔ تخلیق سے مراد ایسی پیدائش عمل میں لانا ہے جس میں مخلوق کے متعلقات و ضروریات کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ مثلاً جب انسان کو پیدا فرمایا تو اس کی جسمانی ساخت، سر، دھڑ، ہاتھ، پاؤں وغیرہ، اسی طرح رزق، عزت، ذلت، بلندی، پستی جیسی چیزوں کو بھی مقرر فرمایا۔ نیز مخلوقات کو جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ان کی پیدائش بھی صفت تخلیق میں ملحوظ ہوتی ہے۔

اس کی طرف اس آیت میں اشارہ ملتا ہے:

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ

القمر: 49

ترجمہ: ہم نے ہر چیز کو ناپ تول کر پیدا فرمایا ہے۔

اسی طرح سے صفتِ تخلیق میں یہ بات بھی ملحوظ ہوتی ہے کہ جس چیز کو پیدا کیا جا رہا ہے اس کی کوئی مثال پہلے موجود نہ ہو۔ بغیر کسی مثال کے اشیاء کو بنانا تخلیق ہے۔ اس معنی کی طرف اشارہ اس آیت میں موجود ہے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ

سورة الانعام: 1

ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا (ان کی پیدائش سے پہلے کوئی مثال موجود نہ تھی)

اس لیے صفتِ تخلیق کا معنی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو ان کے متعلقات و ضروریات کے ساتھ پیدا فرمایا اور ایسی پیدائش عمل میں لائے کہ جس کی مثال پہلے موجود نہ تھی۔

فائدہ: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے صفت ”تخلیق“ ذکر فرمائی ہے نہ کہ صفت ”خلق“۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ”خلق“ کا لفظ اگرچہ فعل کے معنی میں بھی مستعمل ہے لیکن اس سے معنی مفعول ”مخلوق“ بھی مراد لیا جاتا ہے لیکن چونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد محض فعل کو بیان کرنا تھا اس لیے لفظ ”تخلیق“ ذکر فرمایا ہے۔

[2]: ترزلیق

”رزق عطا کرنا“۔ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو رزق عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ

ارشاد فرماتے ہیں:

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَآتَنِي

## تَوْفَكُونُ

سورة الفاطر: 3

ترجمہ: کیا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور تمہارا خالق ہے جو تمہیں آسمانوں اور زمین سے رزق دیتا ہو؟ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ تو تم کہاں بہکے جاتے ہو؟

[3]: انشاء

”انشاء“ سے مراد ایسی پیدائش ہے جس میں مخلوق کو وجود میں لانے کے ساتھ ساتھ اس میں نمو اور افزائش کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی چیز کو عدم سے وجود میں لا کر اس کی نشو و نما اور افزائش کا بھی خیال فرمائیں تو یہ صفت ”انشاء“ کا اظہار ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ

سورة الملک: 23

ترجمہ: فرمادیجئے کہ وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے لیکن تم لوگ بہت کم شکر ادا کرتے ہو!

فائدہ: ”انشاء“ کا ایک معنی مطلق پیدا کرنا بھی ہے چاہے اس چیز کا مواد اور نقشہ پہلے سے موجود ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ

سورة یسین: 79

ترجمہ: آپ فرمادیجئے ان (بوسیدہ ہڈیوں) کو وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا فرمایا تھا اور وہ تخلیق کے متعلق تمام امور جانتا ہے۔

یہاں ”انشاء“ کا لفظ اس پیدائش پر بولا گیا ہے جس کی مثال پہلے موجود نہیں

تھی۔ مواد اور مثال پہلے موجود ہو پھر پیدا کیا جائے تو اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ ہو:

وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشْأَةُ الْآخِرَىٰ

سورة النجم: 47

ترجمہ: اور دوسری مرتبہ زندگی دینے کی ذمہ داری بھی خدا کے سپرد ہے۔  
انسان اجزاء میں تبدیل ہو جائے تو انہی اجزاء کو دوبارہ جمع کر کے سابقہ شکل میں لانا خدا تعالیٰ ہی کا فعل ہے۔ جس شخص کو حیاتِ نو عطا کی جائے گی اس کا مادہ اور شکل و صورت پہلے سے موجود ہوگی۔

[4]: ابداع

کسی چیز کو از سر نو پیدا کرنا یعنی کسی چیز کا نمونہ پہلے موجود نہ ہو تو اسے وجود عطا کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

سورة البقرة: 117

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ ہی ہے) جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے۔

[5]: صنع

کسی چیز کو حسنِ سلیقہ اور کاریگری سے بنانا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْ اَتَقَنَ کُلَّ شَیْءٍ

سورة النمل: 88

ترجمہ: (یہ تمام چیزیں) اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہیں جس نے ہر چیز کو حسنِ سلیقہ سے پیدا فرمایا۔



## تخلیق، انشاء، ابداع اور صنع میں فرق

تمام ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا ”تخلیق“ ہے۔  
 بڑھوتری اور نمو کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا ”انشاء“ ہے۔  
 بغیر کسی سابق نمونہ کے کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا ”ابداع“ ہے۔  
 کسی چیز کو حسن سلیقہ سے عدم سے وجود میں لانا ”صنع“ ہے۔

قَوْلُهُ: وَغَيْرُ ذَلِكَ مِنْ صِفَاتِ الْفِعْلِ

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے صفات فعلیہ میں سے پانچ صفات ذکر فرما کر باقی صفات کی طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ جس طرح یہ صفات ہیں اسی طرح اور صفات فعلیہ بھی موجود ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہیں۔ دیگر صفات میں اِحیاء (زندہ کرنا)، اِمانت (مارنا)، اِنابت (پیدا کرنا)، اِهداء (ہدایت دینا)، اِضلال (گمراہ کرنا)، اِعزاز (عزت دینا) اور اِذلال (ذلت دینا)، اِنماء (پرورش کرنا اور بڑھانا)، اِرواء (سیراب کرنا) وغیرہ جیسی صفات شامل ہیں۔

سوال: بعض صفات ایسی ہیں جو متشابہات بھی نہیں ہیں اور محکمات کی دونوں قسموں یعنی ذاتیہ اور فعلیہ کے ساتھ بھی نہیں آتیں۔ مثلاً حکیم اور خبیر۔ اب یہ متشابہات بھی نہیں ہیں کیونکہ ان کا معنی واضح ہے اور انہیں محکمات بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ صفات ذاتیہ بھی نہیں کیونکہ ذاتیہ تو سات ہیں اور یہ صفات فعلیہ بھی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ صفت حکیم اور صفت خبیر کی ضد کے ساتھ موصوف نہیں ہو سکتے۔ تو ان صفات کو کون سی صفات کہیں گے؟

جواب: یہ جو سات صفات ذاتیہ ہیں یہ ”ام الصفات“ ہیں، باقی تمام صفات جو متشابہات نہیں اور محکمات فعلیہ بھی نہیں وہ ان سات صفات ذاتیہ کے تحت داخل ہو

جائیں گی جیسے صفت خیر، علیم یہ صفت ”علم“ کے تحت داخل ہیں۔

قَوْلُهُ: لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ بِصِفَاتِهِ وَأَسْمَائِهِ

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسماء اور صفات کے ساتھ ہمیشہ سے متصف ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی صفات ذاتیہ مثلاً حیات، قدرت، علم وغیرہ کے ساتھ ہمیشہ سے متصف رہا ہے۔ کوئی ایسا لمحہ نہیں گزرا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو موجود ہو لیکن اس میں حیات نہ ہو۔ معاذ اللہ۔ یا قدرت اور علم سے متصف نہ رہا ہو... ایسا ہر گز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ ہمیشہ سے متصف ہے۔ نیز صفات فعلیہ سے بھی ہمیشہ متصف رہا ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا۔

قَوْلُهُ: لَمْ يَحْدُثْ لَهُ صِفَةٌ وَلَا اسْمٌ

اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات و اسماء بھی قدیم ہیں۔

دلیل نمبر 1: اگر اللہ تعالیٰ کی صفات کو قدیم نہ مانا جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ پر ایک وقت ایسا گزرا ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود تھے لیکن صفت علم نہ تھی۔ معاذ اللہ۔ تو اس سے اللہ تعالیٰ کا صفات کمال کے بغیر ہونا لازم آئے گا اور یہ نقص ہے جبکہ اللہ تعالیٰ تمام نقائص سے پاک ہے۔

دلیل نمبر 2: اگر یہ کہا جائے کہ فلاں صفت اللہ تعالیٰ میں پہلے نہ تھی، بعد میں پیدا ہوئی ہے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ میں یہ صفت کسی عارض کی بنا پر نہ تھی، وہ عارض رفع ہوا یا موجود ہوا تب یہ صفت ظاہر ہوئی۔ تو اس میں احتیاج لازم آئے گی حالانکہ اللہ تعالیٰ محتاجی سے پاک صمد اور بے نیاز ذات ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کو تمام صفات و اسماء کے ساتھ ازلی اور ابدی ماننا لازم ہے اور یہ ماننا بھی لازم ہے کہ کوئی صفت ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ میں پہلے نہ ہو بعد میں پیدا ہوئی ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کو تمام صفات کے ساتھ قدیم ماننا لازم ہے۔

## اللہ تعالیٰ کی صفات کا ازلی ہونا

لَمْ يَزَلْ عَالِمًا بِعِلْمِهِ وَالْعِلْمُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَقَادِرًا بِقُدْرَتِهِ وَالْقُدْرَةُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَمُتَكَلِّمًا بِكَلَامِهِ وَالْكَلَامُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَخَالِقًا بِتَخْلِيْقِهِ وَالتَّخْلِيْقُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَفَاعِلًا بِفِعْلِهِ وَالْفِعْلُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَالْفَاعِلُ هُوَ اللَّهُ تَعَالَى وَالْفِعْلُ صِفَةٌ فِي الْأَزَلِ وَالْمَفْعُولُ مَخْلُوقٌ وَفِعْلُ اللَّهِ تَعَالَى غَيْرُ مَخْلُوقٍ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے علم کے ساتھ موصوف ہو کر عالم رہا ہے اور علم اس کی ازلی (دائمی) صفت ہے۔ وہ ہمیشہ اپنی قدرت کے ساتھ موصوف ہو کر قادر رہا ہے اور قدرت اس کی ازلی صفت ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے کلام کے ساتھ موصوف ہو کر متکلم رہا ہے اور کلام اس کی ازلی صفت ہے۔ وہ ہمیشہ اپنی صفتِ تخلیق کے ساتھ موصوف رہ کر خالق رہا ہے اور تخلیق اس کی ازلی صفت ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے فعل کے ساتھ موصوف ہو کر فاعل رہا ہے اور فعل اس کی ازلی صفت ہے۔ فاعل خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، فعل اس کی ازلی صفت ہے اور مفعول مخلوق ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا فعل مخلوق نہیں ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے قدیم ہونے کو تفصیل سے بیان فرما رہے ہیں۔ ماقبل میں دو قسم کی صفات کا تذکرہ کیا تھا: صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ۔ ان ہر دو قسم کی صفات کا تعلق چونکہ ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ ہے اس لیے ذات کی طرح یہ صفات بھی قدیم اور ازلی ہیں۔ چنانچہ علم، قدرت، کلام، تخلیق وغیرہ ایسی صفات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے موصوف رہا ہے اور یہ صفات ازلی اور دائمی ہیں۔

## وضاحت:

یہاں ایک بات کی وضاحت امام صاحب نے فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی فعل سرانجام دیتے ہیں تو ذاتِ باری تعالیٰ ”فاعل“ ہوئے اور جو فعل سرانجام دیا وہ ”صفت“ ہوئی۔ یہ صفت ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ ازل سے قائم ہونے کی وجہ سے ازلی ہے البتہ فعل کا صدور جس چیز پر واقع ہوا ہے یعنی ”مفعول“ وہ یقیناً حادث ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا فرمایا تو اللہ تعالیٰ خالق ہیں، تخلیق کا فعل یہ صفتِ باری تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ ازل سے اس صفت کے ساتھ موصوف ہیں اس لیے صفت تخلیق قدیم ہوئی البتہ جب اس صفت کا اظہار ہوا اور مخلوق معرض وجود میں آئی تو مخلوق حادث ٹھہری۔ ”مخلوق“ کے حادث ہونے کی بنا پر ذاتِ باری تعالیٰ اور صفاتِ باری تعالیٰ حادث نہیں کہلائیں گے بلکہ ذات و صفاتِ باری تعالیٰ قدیم ہی ہوں گے۔ یہی حال اللہ تعالیٰ کی باقی صفات کا ہے۔

## صفاتِ باری تعالیٰ کا مخلوق نہ ہونا

وَصِفَاتُهُ فِي الْأَزَلِ غَيْرُ مُحَدَّثَةٍ وَلَا مَخْلُوقَةٍ وَمَنْ قَالَ إِنَّهَا مَخْلُوقَةٌ أَوْ مُحَدَّثَةٌ أَوْ وَقَفَ أَوْ شَكَّ فِيهَا فَهُوَ كَافِرٌ بِاللَّهِ تَعَالَى

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی صفات ازلی ہیں، نہ حادث ہیں نہ مخلوق۔ اس لیے جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق ہیں یا حادث ہیں، یا ان کے بارے میں توقف اختیار کرے یا ان میں کسی قسم کا شک و شبہ ظاہر کرے تو ایسا شخص کافر اور خدا تعالیٰ کا منکر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح ازلی ہیں۔ اگر ان کے بارے

میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ یہ صفات بعد میں پیدا ہوئی ہیں، ازل سے موجود نہ تھیں یا اس بارے میں توقف کیا جائے یعنی خاموشی اختیار کی جائے یا شک کیا جائے کہ نامعلوم یہ ازل ہی یا بعد میں پیدا ہوئی ہیں تو یہ موقف ذات باری تعالیٰ کا انکار کرنے کے مترادف ہے اور کفر ہے۔

سوال:

ایک شخص اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق یا محدث مانے یا اس بارے میں توقف یا شک کرے کہ نامعلوم یہ مخلوق ہیں یا نہیں تو یہ ذات باری تعالیٰ کا انکار کیسے ہے؟ کیونکہ یہ شخص ذات کو تو مان رہا ہے۔

جواب:

صفات باری تعالیٰ کے مخلوق ہونے کا عقیدہ یا ان کے ازل ہونے میں توقف اور شک کا اعتقاد رکھنا دراصل باری تعالیٰ کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ ذات باری تعالیٰ کسی وقت صفات کمال سے متصف نہ تھے اور یہ بات یقیناً باری تعالیٰ کو باکمال نہ ماننے کے مترادف ہے، اس لیے اس کے کفر ہونے میں کوئی شک نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے انکار کرنے کا مطلب اللہ تعالیٰ کو باکمال ماننے کا انکار ہے۔

فائدہ:

اس عبارت میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس بات پر بھی تنبیہ فرما رہے ہیں کہ عقیدے کے معاملے میں انسان کو شکوک و شبہات اور توقفات سے بالکل دور رہنا چاہیے۔ صحیح عقیدہ کی حقانیت کا اعتقاد رکھتے ہوئے نہ دل سے اسے تسلیم کرنے میں ہی نجات اور کامیابی ہے۔

## قرآن مجید کی تعریف

وَالْقُرْآنُ كَلَامُ اللَّهِ تَعَالَى فِي الْبَصَاحِفِ مَكْتُوبٌ وَفِي الْقُلُوبِ مَحْفُوظٌ وَعَلَى  
الْأَلْسِنِ مَقْرُوءٌ وَعَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مُنْذَلٌّ

ترجمہ: قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو مصاحف میں لکھا گیا ہے، دلوں میں محفوظ  
ہے، زبانوں کے ذریعے اس کی تلاوت کی جاتی ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ  
وسلم پر نازل ہوا ہے۔

قَوْلُهُ: كَلَامُ اللَّهِ تَعَالَى

فائدہ نمبر 1: قرآن کریم کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف یہ ہے کہ یہ  
اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

فائدہ نمبر 2: کلام اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ میں سے ایک صفت ہے۔

فائدہ نمبر 3: ”کلام اللہ“ ازلی اور قدیم ہے۔ اس لیے قرآن مجید بھی صفتِ  
باری تعالیٰ ہونے کی وجہ سے ازلی اور قدیم ہے۔

قَوْلُهُ: فِي الْبَصَاحِفِ مَكْتُوبٌ

فائدہ نمبر 1: ”مصاحف“ مصحف کی جمع ہے۔ ”مصحف“ سے مراد اوراق کا وہ  
مجموعہ ہے جس میں قرآن مجید کو لکھا گیا تھا۔

فائدہ نمبر 2: ”الْبَصَاحِفِ“ پر الف لام عہد خارجی کا ہے۔

فائدہ نمبر 3: المصاحف سے مراد سات مشہور مصاحف ہیں جو قراء سبعہ نے  
جمع کیے ہیں۔

## قراء سبعہ کا تعارف:

قراء سبعہ کا مختصر آئذ کرہ درج ذیل ہے:

[1]: قاری عبد اللہ بن عامر بن یزید الیحصیبی الدمشقی الشامی

(ت 118ھ)

شامی اردن کے چھوٹے سے قصبے ”رحاب“ میں 21ھ میں پیدا ہوئے۔ کئی اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی ملاقات سے مشرف ہوئے جن میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان، حضرت نعمان بن بشیر، حضرت واثلہ بن الاسقع، حضرت ابو الدرداء اور حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ آپ ”امام اہل الشام“ اور ”شیخ القراء“ کے لقب سے معروف تھے۔ امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے دور خلافت سے پہلے اور بعد میں کئی سالوں تک دمشق کی جامع مسجد میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ فن قراءت کے ساتھ ساتھ فن حدیث میں بھی امامت اور ثقافت کا درجہ حاصل تھا۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ، مغیرہ بن ابی الشہاب الحزمی اور فضالہ بن عبید رحمہم اللہ شامل ہیں۔

آپ سے روایت کرنے والے دوراوی ہیں:

۱... امام عبد اللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان القرشی الدمشقی (ت 242ھ)

۲... امام ابوالولید ہشام بن عمار بن نصیر بن میسرۃ السلمی الدمشقی (ت 245ھ)

[2]: قاری ابو معبد عبد اللہ بن کثیر بن عمرو الداری المکی (ت 120ھ)

آپ 45ھ میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی جن میں حضرت ابویوب انصاری، حضرت عبد اللہ بن زبیر، حضرت عبد اللہ بن

سائب الخزومی اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ مکہ میں عطر فروشی کا کام کرتے تھے۔ اہل مکہ عطر فروش کو ”الداری“ کہتے تھے، اس لیے آپ ”الداری“ کے لقب سے معروف ہوئے۔ آپ اپنی وفات تک مکہ مکرمہ میں فن قرأت میں امامت کے درجہ پر فائز رہے۔ علم قرأت کے ساتھ ساتھ قرآن، حدیث اور لغت عربیہ میں بھی عمدہ مہارت کے حامل تھے۔ آپ نے علم قرأت صحابی رسول حضرت عبداللہ بن سائب الخزومی رضی اللہ عنہ اور دیگر جلیل القدر تابعین سے حاصل کیا جن میں امام مجاہد بن جبر المکی اور امام عکرمہ مولیٰ ابن عباس رحمہما اللہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

آپ سے روایت کرنے والے دوراوی ہیں:

۱.... امام احمد بن محمد بن عبداللہ البزازی (ت 250ھ)

۲.... امام محمد بن عبدالرحمن بن محمد المکی الخزومی المعروف ”قنبل“ (ت 291ھ)

[3]: قاری عاصم بن أبی النُّجُود الاسدی الکوفی (ت 127ھ)

آپ کے ابتدائی حالات مفقود ہیں۔ اتنا ضرور ملتا ہے کہ آپ کی پیدائش دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوئی اور آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کسب فیض کیا ہے۔ فن قرأت میں جلالتِ شان کی وجہ سے قراء سبعہ میں آپ کو اولین مقام حاصل ہے حتیٰ کہ آپ قاری حمزہ زیات اور امام کسائی جیسے سلاطین فن پر بھی فوقیت رکھتے تھے۔ پچاس برس تک امت کو فن قرأت سے فیض یاب کرتے رہے۔ فن قرأت کے ساتھ ساتھ قرآن، حدیث، علم فقہ، لغت عربیہ، صرف اور نحو میں بھی عمدہ مہارت کے حامل تھے۔ آپ کے اساتذہ میں امام ابو عبدالرحمن السلمی، ابو مریم زربن حبیش الاسدی، ابو عمرو الشیبانی، حارث بن حسان البکری رحمہم اللہ شامل ہیں۔ ایک امت



آپ کے علم سے فیض یاب ہوئی۔ مشہور تلامذہ آبان بن ابو ثعلب، آبان بن یزید، اسماعیل بن مجاہد، سفیان بن عیینہ، حمزہ بن حبیب اور سعید بن ابو عروبہ رحمہم اللہ ہیں۔  
آپ کی قرأت کے دوراوی مشہور ہیں:

۱... امام حفص بن سلیمان بن مغیرہ بن الاسدی الکوفی (ت 180ھ)

۲... امام ابو بکر شعبہ بن عیاش بن سالم الاسدی الکوفی (ت 193ھ)

[4]: قاری ابو عمرو زبّان بن العلاء بن عمار البصری (ت 154ھ)

آپ 68ھ یا 70ھ ہجری میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا بچپن بصرہ میں گزرا۔ آپ نے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی جن میں خصوصیت سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا نام ملتا ہے۔ آپ پروقار، بارعب اور عمدہ خصائل و صفات کی حامل شخصیت تھے۔ مشہور ادیب اور لغوی اصمعی فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں دیکھا۔ علم قرأت کے ساتھ ساتھ نحو اور فقہ میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد شمار سے باہر ہے کیونکہ آپ نے مکہ، مدینہ، کوفہ اور بصرہ کے جلیل القدر اعیانِ فن کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا ہے۔ اس لیے قراء سبعہ میں سب سے زیادہ اساتذہ آپ ہی کے شمار کیے جاتے ہیں۔ معروف اساتذہ حسن بن ابوالحسن بصری، حمید بن قیس الاعرج، سعید بن جبیر، شیبہ بن نصاح، عاصم بن ابی النجد، عبد اللہ بن کثیر مکی، عطاء بن ابی رباح، مجاہد بن جبر المکی، یحییٰ بن یعمر رحمہم اللہ ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والے دوراوی ہیں:

۱... امام ابو عمر حفص بن عمر بن عبد العزیز الدوری الازدی (ت 246ھ)

۲... امام صالح بن زیاد بن عبد اللہ بن سوسی (ت 261ھ)

[5]: قاری حمزہ بن حبیب بن عمارۃ الزیات الکوفی (ت 156ھ)

آپ خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے دور خلافت میں 80ھ میں حلوان میں پیدا ہوئے۔ بعض مؤرخین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی ہے، اس لیے انہوں نے آپ کو تابعین میں شمار کیا ہے۔ آپ عابد، زاہد، متقی اور پرہیزگار انسان تھے۔ آپ کی قرأت مستند ترین قرأتوں میں سے ایک ہے۔ فن قرأت کے علاوہ قرآن، حدیث، عربی ادب اور علم المیراث میں بھی عمدہ مہارت کے حامل تھے۔ آپ تیل کا کاروبار کرنے کی وجہ سے ”الزیات“ کہلائے۔ آپ زیتون کا تیل کوفہ سے حلوان لے جاتے اور واپسی پر حلوان سے پنیر اور اخروٹ کوفہ لاتے تھے۔ یہی آپ کا ذریعہ معاش تھا۔ آپ کے اساتذہ میں امام سلیمان بن مہران الاعمش، امام حمران بن انیس الشیبانی، امام محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ، اور امام ابو عبد اللہ جعفر الصادق رحمہم اللہ زیادہ معروف ہیں۔ مشہور شاگرد عبد اللہ بن مبارک، سفیان ثوری، یحییٰ بن مبارک اور علی بن حمزہ الکسائی رحمہم اللہ ہیں۔

آپ کی قرأت کے دوراوی معروف ہیں:

۱... امام ابو عیسیٰ خلاد بن خالد الشیبانی الکوفی (ت 220ھ)

۲... امام ابو محمد خلف بن ہشام بن ثعلب الاسدی البغدادی البزار (ت 229ھ)

[6]: قاری ابورؤیم نافع بن عبد الرحمن اللیثی المدنی (ت 169ھ)

آپ رحمۃ اللہ علیہ 70ھ کے قرب وجوار میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ عمر عزیز کے 70 سال فن قرأت کی خدمت میں گزار دیے۔ 60 سال تک مسجد نبوی میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ آپ زہد و تقویٰ، جو دو سخا اور اخلاق حسنہ میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ نے تقریباً 70 تابعین سے فن قرأت حاصل کیا۔ آپ

کے اساتذہ میں امام ابو جعفر، امام شیبہ بن نصاح، امام یزید بن رومان، امام محمد بن مسلم بن شہاب الزہری اور عبد الرحمن بن ہرمل الاعرج رحمہم اللہ جیسے اکابرین شامل ہیں۔ ایک عالم نے آپ سے کسب فیض کیا جن میں امام مالک، امام لیث بن سعد، امام ابو عمرو بن العلاء، امام عیسیٰ بن وردان، امام سلیمان بن مسلم بن جہاز رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں۔ قرأت میں آپ کے کئی شاگرد ہیں لیکن قرأت کو روایت کرنے والے مشہور شاگرد دو ہیں:

۱... امام عیسیٰ بن میناوردان قالون (ت 220ھ)

۲... امام عثمان بن سعید بن عبد اللہ ورش (ت 197ھ)

[7]: امام ابوالحسن علی بن حمزہ الکسائی النخوی الکوفی (ت 189)

آپ رحمۃ اللہ علیہ تقریباً 120ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ یہ اموی خلیفہ ہشام بن عبد الملک دور حکومت تھا۔ آپ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ قراءات سبعہ میں آپ کی قرأت کو خصوصی مقام حاصل ہے۔ آپ نے فن قرأت کے ساتھ ساتھ لغت عربی اور نحو میں بھی خوب مہارت حاصل کی اور درجہ امامت پر فائز ہوئے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ ”جو شخص فن نحو میں مہارت حاصل کرنا چاہتا ہو تو وہ امام کسائی کا محتاج ہے۔“

آپ نے علم قرأت کو خصوصی طور پر قاری حمزہ الزیات سے حاصل کیا اور ان کے نامور شاگردوں میں شمار ہوئے۔ اس کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں عیسیٰ بن عمر ہمدانی، محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ، ابو بکر بن عیاش الاسدی، امام سلیمان بن مہران الاعمش اور ابو حیوۃ شریح رحمہم اللہ بھی قابل ذکر ہیں۔

آپ کے شاگردوں میں ابو الحارث لیث بن خالد، ابو عمرو حفص الدوری،

نصیر بن یوسف الرازی، ابراہیم بن زاذان، قتیبہ بن مہران الاصفہانی، یعقوب الحضرمی، عبد اللہ بن ذکوان رحمہم اللہ زیادہ معروف ہیں۔

آپ کی قرأت کے راوی یہ ہیں:

۱.... ابو الحارث لیث بن خالد مروزی بغدادی (ت 240ھ)

۲.... امام ابو عمر حفص بن عمر بن عبد العزیز الدوری الازدی (ت 246ھ)

آپ خلیفہ ہارون الرشید کے ساتھ خراسان جا رہے تھے کہ فرشتہ اجل آن پہنچا۔ آپ نے مقام ”رے“ کے قریب مقام ”رنویہ“ میں 189ھ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 70 سال تھی۔ اسی دن نامور فقیہ اور آپ کے خالہ زاد بھائی امام محمد بن حسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی مقام پر وفات پائی۔ اس وقت خلیفہ ہارون الرشید نے ایک جملہ کہا تھا:

”كَفَنَّا الْفَقْهَ وَالنَّحْوَ فِي الرَّحَى فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ“

کہ ہم نے فقہ اور نحو کو ایک ہی دن مقام ”رے“ میں دفن کر دیا۔

فائدہ نمبر 5: ”فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوبٌ“ کی قید کا فائدہ یہ ہے اس سے وہ آیات قرآن ہونے سے خارج ہو گئیں جن کی تلاوت تو منسوخ ہے لیکن حکم منسوخ نہیں۔

مثال نمبر 1: ”الشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنِيَا فَأَرْجُوهُمَا الْبَتَّةَ“ اس لیے کہ یہ آیت ان مصاحف میں نہیں لکھی گئی۔

مثال نمبر 2: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں سورۃ المائدۃ آیت نمبر 89 ”فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تَطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ“ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ میں

یہ الفاظ منقول ہیں:

”فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ“

اس قرأت میں ”مُتَتَابِعَاتٍ“ (پے درپے روزے رکھنا) کے الفاظ چونکہ ان سات مصاحف میں لکھے ہوئے نہیں ہیں اس لیے انہیں قرآن نہیں کہیں گے۔  
قَوْلُهُ: وَفِي الْقُلُوبِ مَحْفُوظٌ

قرآن کریم وہ ہے جو دلوں میں محفوظ ہے۔ یعنی دل حافظہ کا مرکز ہے۔ اس کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ہے:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الَّذِي لَيْسَ فِي جَوْفِهِ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ كَالْبَيْتِ الْحَرِبِ.

سنن الترمذی: رقم الحدیث 2913

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پیٹ (دل) میں قرآن شریف کا کوئی حصہ محفوظ نہیں وہ (دل) بمنزل ویران گھر کے ہے۔

اس حدیث میں ”فِي جَوْفِهِ“ (پیٹ میں) کا لفظ ہے حالانکہ مراد اس سے ”فِي قَلْبِهِ“ (دل میں) یہ ایسے ہی ہے جیسے کلام عرب میں ظرف بول کر مظهر مراد لیا جائے۔ مثلاً ”النهر جار“ نہر بہہ رہی ہے حالانکہ بہتا پانی ہے۔ بالکل اسی طرح مقصود دل میں محفوظ ہونے کو بیان کرنا تھا تو لفظ ”جوف“ (پیٹ) لائے تو یہاں بھی مظهر (پیٹ) بول کر ظرف (دل) مراد لیا گیا ہے۔

حافظہ کا مرکز دل یا دماغ:

حافظہ کا مرکز دماغ ہے یا دل؟ اس حوالے سے ہماری رائے یہ ہے کہ دماغ

میں محفوظ ہونے کو عرف میں دل میں محفوظ ہونا کہہ دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دماغ تمام حواس کا مرکز ہے۔ جب کسی سے کوئی بات کہی جائے تو سننا کان کا کام ہے لیکن سنی ہوئی چیز دماغ کو منتقل ہو جاتی ہے۔ دیکھتی آنکھ ہے لیکن دیکھی ہوئی چیز دماغ میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح حواس خمسہ ظاہرہ سے حاصل شدہ چیزیں دماغ میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ اب اگر دماغ اس منتقل شدہ چیز کو اپنے پاس محفوظ رکھتے ہوئے دوسری جگہ محفوظ رکھنے کے لیے دل کے حوالے بھی کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ چونکہ دماغ اور دل کا باہمی ربط قوی ہے اس لیے دل میں فہم اور حفظ کی صلاحیت بھی اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب دماغ کام کر رہا ہو اور بیدار ہو۔ اس لیے باوجودیکہ سمجھتا دل ہے لیکن اس ربط کی وجہ سے فہم کی نسبت بعض مرتبہ دماغ کی طرف بھی کر دی جاتی ہے جیسے کم فہم شخص کو کہہ دیا جاتا ہے کہ ”تیرا دماغ نہیں، اس لیے تو بات نہیں سمجھتا!“ مقصد یہ ہوتا ہے کہ دماغ کے بغیر دل سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

تو قرآن پاک کان کے واسطے سے دماغ میں منتقل ہو اور دماغ اسے اپنے پاس محفوظ رکھتے ہوئے دل کے حوالے کر دے اور یہ دل بھی اسے محفوظ رکھ لے تو یہ عین ممکن ہے۔

قَوْلُهُ: وَعَلَى الْأَلْسُنِ مَقْرُوءٌ

فائدہ نمبر 1: قرآن مجید کی زبان کے ذریعے تلاوت کی جاتی ہے۔

فائدہ نمبر 2: قرآن مجید کی تلاوت حروف اور کلمات سے کی جاتی ہے۔

قَوْلُهُ: وَعَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مُنْزَلٌ

قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔

فائدہ نمبر 1: ”مُنْزَلٌ“ کا لفظ تنزیل سے ہے۔ اس کا معنی ہے تھوڑا تھوڑا کر کے

اتارا ہوا۔ قرآن مجید بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام کے واسطے سے ضرورت و

مصلحت کے تحت مختلف اوقات میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا ہے۔

فائدہ نمبر 2: ”مُنْزَّل“ کی قید سے غیر آسمانی کتابوں کو خارج کر دیا گیا۔

فائدہ نمبر 3: ”عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ“ کی قید سے ان کتب سماویہ کو خارج کر دیا گیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں جیسے تورات، زبور اور انجیل۔

فائدہ نمبر 4: قرآن کریم نے اپنے نزول کے لیے دو قسم کے الفاظ بیان کیے ہیں: انزال اور تنزیل

انزال:

”انزال“ کا معنی ”یکبارگی اتارنا“۔ قرآن کریم میں جہاں انزال کا لفظ ذکر ہوا ہے اس سے مراد قرآن کریم کا ”لوح محفوظ“ سے آسمان دنیا کی طرف نزول ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ

سورة القدر: 1

ترجمہ: ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں اتارا۔

تنزیل:

لفظ ”تنزیل“ تدریجی (موقع بموقع) نزول کے لیے استعمال ہوا ہے۔ قرآن کریم میں جہاں تنزیل کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں قرآن کریم کا بیت العزت یعنی آسمان دنیا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کی طرف نزول مراد ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ

سورة البقرة: 97

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجیے کہ جو کوئی جبرئیل علیہ السلام کا دشمن ہو تو اسے یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ جبرئیل نے تو یہ کلام اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر اتارا ہے جو اپنے سے پہلے نازل شدہ کتب کی تصدیق کرتا ہے اور مؤمنین کے لیے سراپا ہدایت اور خوشخبری ہے۔

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الشامی الطبرانی (ت 360ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فِي قَوْلِهِ: "إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ" قَالَ: أَنْزَلَ الْقُرْآنَ جُمْلَةً وَاحِدَةً حَتَّى وُضِعَ فِي بَيْتِ الْعِزَّةِ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا وَنَزَّلَهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

المعجم الكبير للطبرانی، ج 6 ص 32 رقم الحديث: 12213

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سورة القدر کی تفسیر میں فرماتے ہیں: (لوح محفوظ سے) مکمل قرآن کریم آسمان دنیا کے بیت العزۃ میں اتارا گیا پھر حضرت جبرائیل امین علیہ السلام (واقعات کے مطابق موقع بموقع) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کرتے رہے۔

فائدہ نمبر 5: قرآنی آیات کی ترتیب دو قسم کی ہے: ترتیب نزولی اور ترتیب وضعی۔

ترتیب نزولی: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے سورة العلق کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں، پھر سورة المزمل کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ اسی طرح



یکے بعد دیگرے جس ترتیب سے آیات نازل ہوتی رہیں اس ترتیب کو ”ترتیب نزولی“ کہتے ہیں۔ ترتیب نزولی کے اعتبار سے پہلی وحی سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات ہیں۔ یہ سب سے پہلے نازل ہوئیں۔

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ  
الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ

تفسیر القرآن الکریم لابن کثیر: ج 6 ص 492

ترتیب نزولی کے اعتبار سے آخری آیت سورت البقرۃ کی آیت نمبر 281 ہے "وَ اتَّقُوا يَوْمًا تُزْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ"

تفسیر القرآن الکریم لابن کثیر: ج 1 ص 157، الاتقان فی علوم القرآن للسيوطی: ج 1 ص 65

ترتیب وضعی: قرآن مجید کے نزول کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم فرماتے تھے کہ اس سورت کو فلاں سورت سے پہلے یا بعد میں رکھ لیں۔ اس آیت کو فلاں آیت کے آگے یا پیچھے رکھ دیں۔ یہ ترتیب وضعی ہے۔ اس ترتیب کے اعتبار سے سورۃ الفاتحہ پہلی سورت ہے:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ  
إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ  
الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ

اور آخری سورت سورۃ الناس ہے:

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ إِلَهِ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ  
الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ

فائدہ نمبر 6: قرآن کریم کے پانچ نام ہیں جو درج ذیل آیات میں مذکور ہیں:

1: الکتاب:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ مُفِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ

سورة البقرة: 2

ترجمہ: یہ (قرآن کریم) ایسی کتاب ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے یہ باعث ہدایت ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

2: الذکر:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَآلِهَ لَحٰفِظُوْنَ

سورة الحجر: 9

ترجمہ: یقینی بات ہے کہ یہ ذکر (قرآن کریم) ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

3: القرآن:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنْ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا

سورة الاسراء: 9

ترجمہ: یقینی بات ہے کہ یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے اور جو لوگ (اس قرآن کریم پر) ایمان لا کر نیک عمل کرتے ہیں یہ (قرآن) انہیں خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔

4: الفرقان:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا

سورة الفرقان: 1

ترجمہ: بہت برکتیں دینے والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر حق و باطل کا فیصلہ کر دینے والی یہ کتاب نازل فرمائی تاکہ وہ دنیا جہان کے لوگوں کو باخبر کر سکے۔

5:التنزیل:

تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ

سورۃ یس: 5

ترجمہ: یہ (قرآن کریم) اس ذات کی طرف سے اتارا جا رہا ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے اور اس کی رحمت بھی کامل ہے۔

فائدہ: بعض حضرات نے قرآن کریم کے نام زیادہ ذکر فرمائے ہیں۔ چند تصریحات ملاحظہ ہوں:

1: علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی الشافعی (ت 911ھ) لکھتے ہیں:

وَقَالَ أَبُو الْمَعَالِي عَزِيزِيُّ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ الْمَعْرُوفُ بِـ "شَيْذَلَةَ" فِي كِتَابِ الْبُرْهَانِ: اَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ سَمَّى الْقُرْآنَ بِخَمْسَةِ وَخَمْسِينَ اسْمًا.

الاتقان فی علوم القرآن للسيوطی: ج 1 ص 178 النوع السابع عشر

ترجمہ: علامہ ابو المعالی عزیزی بن عبد الملک المعروف ”شیدلہ“ [م 494ھ] اپنی کتاب ”البرہان“ میں فرماتے ہیں: جان لیجیے! اللہ تعالیٰ نے قرآن کے پچپن نام ذکر کیے ہیں۔

2: علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی (ت 817ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ ذَكَرَ اللَّهُ تَعَالَى لِلْقُرْآنِ مِائَةً اسْمًا.

بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز لمجد الدین الفیروز آبادی: ص 61

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ایک سونام ذکر کیے ہیں۔

محاکمہ: دراصل ان حضرات نے ”اسماء القرآن“ اور ”صفات القرآن“ کو جمع کر دیا ہے، یعنی قرآن کریم کی صفات مثلاً مجید، کریم، حکیم وغیرہ کو نام ذکر کر کے تعداد اس حد تک پہنچائی ہے ورنہ درحقیقت قرآن کریم کے کل نام پانچ ہیں جو اوپر ذکر کر دیے گئے ہیں۔

فائدہ نمبر 7: قرآن کریم کا نام ”قرآن“ کیوں رکھا گیا ہے؟ اس کی دو وجوہات سامنے آئی ہیں۔

وجہ نمبر 1: قرآن؛ ”قراءة“ کی طرح مصدر ہے جس کا معنی ہے ”پڑھنا“۔ کلام عرب میں مصدر کو اسم مفعول کے معنی میں بکثرت استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے قرآن کو بھی ”قرآن“ اسی معنی میں کہا جاتا ہے یعنی ”پڑھی ہوئی چیز“۔ چنانچہ شیخ مناع بن خلیل القطان (ت 1420ھ) لکھتے ہیں:

”قَرَأَ“: تَأْتِي مَعْنَى الْجَمْعِ وَالصَّمِّ، وَالْقِرَاءَةُ ضَمُّ الْحُرُوفِ وَالْكَلِمَاتِ بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ فِي التَّرْتِيلِ، وَالْقُرْآنُ فِي الْأَصْلِ كَالْقِرَاءَةِ مَصْدَرٌ قَرَأَ قِرَاءَةً وَقُرْآنًا. قَالَ تَعَالَى: ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ أَيْ قِرَاءَتَهُ. فَهُوَ مَصْدَرٌ عَلَى وَزْنِ ”فُعْلَانٍ“ بِالصَّغَمِ: كَالْغُفْرَانِ وَالشُّكْرَانِ، تَقُولُ: قَرَأْتَهُ قِرَاءً وَقِرَاءَةً وَقُرْآنًا، مَعْنَى وَاحِدٍ. سُمِّيَ بِهِ الْمَقْرُوءُ تَسْمِيَةً لِلْمَفْعُولِ بِالْمَصْدَرِ.

مباحث فی علوم القرآن: ص 15

ترجمہ: ”قَرَأَ“ فعل ”جمع کرنے اور ملانے“ کے معنی میں آتا ہے۔ یوں ”قراءة“ کا معنی ہو گا: حروف اور کلمات کو ترتیل میں ایک دوسرے سے ملانا۔ قرآن بھی لغت میں ”قراءة“ کی طرح مصدر ہے یعنی ”قرء، یقرء، قرأنا“۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ“ [کہ اس قرآن کو یاد کرانا اور

پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے۔ اس لیے جب ہم اسے پڑھیں تو آپ بھی ساتھ ساتھ پڑھتے رہیں۔ [یہاں ”قرآن“ بمعنی ”پڑھنا“ ہے۔ ”قرآن“ یہ فعلان کے وزن پر مصدر ہے جیسے غفران اور شکران ہیں۔ جیسے آپ کہتے ہیں: ”قَرَأْتَهُ قَرَاءً وَقِرَاءَةً وَقَرَأْنَا“ تو تینوں کا ایک ہی معنی ہے۔ پڑھی ہوئی چیز کو ”قرآن“ کہہ دیا گیا ہے جیسا کہ مفعول کو کبھی کبھی مصدر کا نام دے دیتے ہیں۔ (یہاں پڑھی ہوئی چیز یعنی ”مقروء“ کو مصدر یعنی ”قرآن“ کہہ دیا گیا ہے)

وجہ نمبر 2: قرآن کا معنی ہے ”جمع کرنا“۔ قرآن کریم بھی سابقہ کتب کے ثمرات بلکہ تمام علوم کا جامع ہے اسی لیے اسے ”قرآن“ کہتے ہیں۔ چنانچہ شیخ مناع بن خلیل القطان (ت 1420ھ) لکھتے ہیں:

وَذَكَرَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ أَنَّ تَسْمِيَةَ هَذَا الْكِتَابِ قُرْآنًا مِنْ بَيْنِ كُتُبِ اللَّهِ لِكُونِهِ جَامِعًا لِثَمَرَةٍ كُتِبَ، بَلْ لِحَمْعِهِ ثَمَرَةٌ جَمِيعِ الْعُلُومِ كَمَا أَشَارَ تَعَالَى إِلَى ذَلِكَ بِقَوْلِهِ: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَقَوْلِهِ: مَا فَزَّظْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ

مباحث فی علوم القرآن: ص 16

ترجمہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ قرآن کو قرآن اس لیے کہتے ہیں کہ یہ تمام کتب الہیہ کے ثمرات بلکہ تمام علوم کے ثمرات کی جامع کتاب ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے: ”وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ“ [ہم نے آپ پر وہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کو کھول کر بیان کرتی ہے] اس طرح اس ارشاد میں کہ ”مَا فَزَّظْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ“ [ہم نے کتاب میں کسی شئی کو بیان کرنے میں کمی نہیں کی۔]

## قرآن مخلوق نہیں

وَلَفَطْنَا بِالْقُرْآنِ مَخْلُوقٌ وَكِتَابُنَا لَهُ مَخْلُوقَةٌ وَقِرَاءَتُنَا لَهُ مَخْلُوقَةٌ وَالْقُرْآنُ غَيْرُ مَخْلُوقٍ

ترجمہ: قرآن کریم کے الفاظ جو ہم اپنی زبان سے ادا کرتے ہیں تو یہ الفاظ مخلوق ہیں، ہم جو قرآن لکھتے ہیں تو یہ لکھے ہوئے نقوش مخلوق ہیں، ہم جو اس کی قرأت کرتے ہیں تو ہمارا قرأت کرنا (یعنی فعل) مخلوق ہے لیکن خود قرآن مخلوق نہیں۔

فائدہ نمبر 1: اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ ”کلام“ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات بھی قدیم ہیں۔

دلائل:

(1): إِنَّ رَبَّكُمْ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشَىٰ اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ

سورۃ الاعراف: 54

ترجمہ: آپ کا رب وہ ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر مستوی ہوا۔ وہ اللہ دن کو رات کا لباس پہنا دیتا ہے کہ وہ دن کے پیچھے دوڑتی چلی آتی ہے۔ سورج، چاند اور تارے سب اسی کے حکم کے تابع چل رہے ہیں۔ خبردار! وہی ذات ہے جو پیدا کرتا ہے اور اسی کا حکم چلتا ہے۔ تمام جہانوں کو پالنے والی ذات بڑی ہی برکتوں والی ہے۔

اس آیت میں ”خلق“ اور ”امر“ کو عطف کے ساتھ الگ الگ ذکر کیا ہے۔ اصول ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں تغایر ہوتا ہے۔ اس تغایر کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق الگ ہو اور صفت امر (جو کہ کلام ہے لقولہ تعالیٰ: ”إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ“) الگ ہو۔ اگر کلام ہی کو مخلوق مانا جائے تو وہ صفت تخلیق کے تحت داخل ہو جائے گا، پھر ”خلق“ کے بعد ”امر“ لانے کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ ثابت ہوا کہ کلام اللہ مخلوق نہیں ہے۔

(2): إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ

سورۃ یسین: 82

ترجمہ: اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے: ہو جا! بس وہ ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرنے کے لیے کلام ”کُنْ“ ارشاد فرماتے ہیں۔ اگر کلام ”کُنْ“ کو مخلوق مانا جائے تو اسے پیدا کرنے کے لیے پھر لفظ ”کُنْ“ کہنا پڑے گا۔ یوں کلام ”کُنْ“ کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گا جو کہ تسلسل ہے اور تسلسل باطل ہے۔ لہذا کلام اللہ کا مخلوق ہونا بھی باطل ہے۔

(3): أَلَمْ يَخْلُقْ الْإِنْسَانَ

سورۃ الرحمن: 1 تا 3

ترجمہ: رحمن نے قرآن کی تعلیم دی اور انسان کی تخلیق فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ”تعلیم“ کے ساتھ اور انسان کے وجود کو ”تخلیق“ کے ساتھ ذکر فرما کر دونوں میں فرق کیا۔ ثابت ہوا کہ ”قرآن مجید“ کی تخلیق نہیں ہوئی یعنی قرآن کریم مخلوق نہیں۔

(4): قُلْ إِنْ هَدَى اللَّهُ هُوَ الْهُدَىٰ وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي

جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۚ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا تَصْغِيرٍ

سورة البقرة: 120

ترجمہ: آپ فرمادیجیے کہ اللہ تعالیٰ کی (طرف سے ملنے والی) ہدایت ہی اصل ہدایت ہے اور اگر آپ نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد بھی ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو (پھر جان لیجیے کہ) آپ کو اللہ تعالیٰ سے بچانے والا نہ کوئی دوست ملے گا اور نہ کوئی مددگار۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خدا تعالیٰ کی طرف سے جو علم بصورتِ قرآن مجید آچکا ہے، اس کے آنے کے بعد منکرین کی خواہشات کی پیروی کرنا خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ”علم“ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اگر قرآن کو ”مخلوق“ مانا جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ پر ایسا زمانہ بھی گزرا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو موجود تھے لیکن اللہ تعالیٰ کا علم (قرآن مجید، صفتِ کلام) نہیں تھا۔ یہ عیب ہے جبکہ اللہ تعالیٰ عیب سے پاک ہے۔

(5): عَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيمٍ السُّلَمِيَّةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا تَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ نَزَلَ مَنْزِلًا ثُمَّ قَالَ أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ الثَّامَاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لَمْ يَصُرْ لَشَيْءٍ حَتَّى يَزْجَلَ مِنْ مَنْزِلِهِ ذَلِكَ."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2708

ترجمہ: حضرت خولہ بنت حکیم السلمیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جو شخص کسی جگہ پڑاؤ ڈالے اور یہ کلمات پڑھے: ”أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ الثَّامَاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ“ تو جب تک وہاں سے کوچ نہیں کر لیتا کوئی چیز بھی اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

اس حدیث مبارک میں ”أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ“ میں ”بَا“ برائے استعانت



ہے جو کلمات اللہ پر داخل ہے۔ اگر کلمات اللہ مخلوق ہوتے تو لازم آتا کہ - معاذ اللہ - آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق سے استعانت کی تعلیم دے رہے ہیں اور یہ محال ہے۔ ثابت ہوا کہ کلمات و کلام اللہ مخلوق نہیں۔

امام محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) اس طرح کی احادیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَفِي هَذَا دَلِيلٌ أَنَّ كَلَامَ اللَّهِ غَيْرُ مَخْلُوقٍ وَأَنَّ سِوَاهُ مَخْلُوقٌ.

خلق افعال العباد للبخاری: 96

ترجمہ: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز مخلوق ہے۔

فائدہ نمبر 2: اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف ”قرآن مخلوق نہیں“ میں قرآن سے مراد وہ کلام نفسی ہے جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے۔

فائدہ نمبر 3: ”کلام نفسی“ اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جو الفاظ اور حروف سے مرکب نہیں اور نہ ہی اس میں تقدم و تاخر ہے کہ فلاں لفظ پہلے اور فلاں بعد میں ہے۔ یہ کلام تقدم و تاخر کی نسبتوں سے پاک ہے کیونکہ تقدم و تاخر کی صفات حادث کی ہوتی ہیں کہ پہلے نہ ہو، بعد میں ہو جائے جبکہ صفات باری تعالیٰ قدیم ہیں۔

فائدہ نمبر 4: اللہ تعالیٰ کے کلام نفسی کو ہم حروف اور الفاظ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ہمارا فعل ”تلاوت کرنا“ حادث ہے۔ ہم اسے نقوش کی مدد سے لکھتے ہیں۔ ہمارا یہ ”لکھنا“ حادث ہے۔ جن مادی اشیاء سے مصحفِ قرآنی وجود میں آتا ہے مثلاً کاغذ، روشنائی، قلم، دوات وغیرہ تو یہ اشیاء بھی مخلوق اور حادث ہیں جبکہ خود ”کلام“ (کلام نفسی) قدیم ہے۔

گویا کلام باری تعالیٰ جو ”مقروء“ (پڑھا جانے والا) ہے وہ تو قدیم ہے لیکن

ہمارا اس کلام کو حروف اور الفاظ کے ساتھ پڑھنا، نقوش کے ساتھ لکھنا اور آواز کے ساتھ ادا کرنا یہ سب حادث ہے۔ علمائے متکلمین اسے ان الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں:

الْمَقْرُوءُ قَدِيمٌ وَالْقِرَاءَةُ حَادِثٌ.

شرح الفقہ الاکبر للملا علی القاری: ص 92

ترجمہ: جس کلام کی تلاوت کی جاتی ہے وہ تو قدیم ہے البتہ (ہمارا) قراءت کرنا حادث ہے۔

فائدہ نمبر 5: فرقہ معتزلہ قرآن مجید کو مخلوق کہتا ہے۔ اس پر وہ دو شبہ پیش کرتے ہیں۔

شبہ نمبر 1: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ

سورۃ الرعد: 16

ترجمہ: کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔

قرآن مجید بھی ایک چیز ہے، اس لیے اس کا خالق بھی اللہ ہے۔

جواب: آیت "قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ" میں لفظ "كُلِّ شَيْءٍ" عام ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف میں پیش کردہ دلائل سے قرآن مجید کو لفظ "كُلِّ" کے عموم سے خاص کر لیا گیا ہے جس طرح آیت "كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" میں لفظ "نَفْسٍ" عام ہے لیکن اس سے اللہ تعالیٰ کے نفس [کہا فی قولہ تعالیٰ: وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ] (آل عمران: 28) کو خاص کر لیا گیا ہے ورنہ لازم آئے گا کہ جب "كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" میں لفظ "نَفْسٍ" ہے اور اللہ بھی نفس ہیں تو اس عموم کے تحت اللہ تعالیٰ پر بھی موت آئے گی۔ معاذ اللہ۔ تو جس طرح "كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" میں "نَفْسٍ" سے مراد غیر خدا ہے اسی طرح "قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ" میں بھی

”تَنَجَّى“ سے مراد غیر قرآن ہے۔

شبہ نمبر 2: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِمْ مُّحَدَّثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ۚ

سورة الانبياء: 2

ترجمہ: ان کے پاس جب بھی ان کے رب کی جانب سے کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو وہ اس کے ساتھ ہنسی مذاق شروع کر دیتے ہیں۔

شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یہاں قرآن کریم کو ”مُحَدَّث“ (نیا کلام) کہا گیا جبکہ آپ کا دعویٰ ”قدیم“ ہونے کا ہے۔

جواب: ”مِّنْ ذِكْرٍ“ یہ ”مَا يَأْتِيهِمْ“ کا بیان ہے یعنی جو کلام لفظی و فقہ و فقہ سے نازل یعنی ظاہر ہو رہا ہے وہ کلام حادث ہے جبکہ ہم نے کلام نفسی کو قدیم کہا ہے اور یہ کلام لفظی اس کلام نفسی پر دال ہے۔ تو ”مُحَدَّث“ یہ نازل ہونے یعنی ظاہر ہونے والے الفاظ کی صفت ہے اور ان الفاظ کو ہم بھی حادث مانتے ہیں۔

امام فخر الدین الرازی الشافعی (ت 606ھ) اس کا جواب دیتے ہیں:

وَالْجَوَابُ: أَنَّ كُلَّ ذَلِكَ يَرْجِعُ إِلَى هَذِهِ الْأَلْفَاظِ وَنَحْنُ نُسَلِّمُ حُدُوثَهَا إِنَّمَا نَدَّعَى قَدَمَ أَمْرٍ آخَرَ وَرَاءَ هَذِهِ الْحُرُوفِ، وَلَيْسَ فِي الْآيَةِ دَلَالَةٌ عَلَى ذَلِكَ.

التفسير الكبير للرازي: ج 24 ص 493

ترجمہ: معتزلہ کے اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ اس سارے استدلال کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ جو الفاظ وقتاً فوقتاً نازل ہو رہے ہیں وہ حادث ہیں اور ہم تو خود اس بات کے قائل ہیں۔ ہم جو کلام اللہ کو قدیم کہتے ہیں تو اس سے مراد کچھ اور ہے (اور وہ کلام نفسی ہے) اور اس آیت میں اس (کلام نفسی) کے حادث ہونے پر کوئی دلیل نہیں پائی جا رہی۔

## قرآن مجید میں غیر اللہ کا کلام

وَمَا ذَكَرَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْقُرْآنِ حِكَايَةً عَنْ مُوسَى وَغَيْرِهِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ  
السَّلَامُ وَعَنْ فِرْعَوْنَ وَابْلِيسَ فَإِنَّ ذَلِكَ كُلَّهُ كَلَامُ اللَّهِ تَعَالَى إِنْخَبَارًا عَنْهُمْ  
وَكَلَامُ اللَّهِ تَعَالَى غَيْرُ مَخْلُوقٍ وَكَلَامُ مُوسَى وَغَيْرِهِ مِنَ الْمَخْلُوقِينَ مَخْلُوقٌ  
وَالْقُرْآنُ كَلَامُ اللَّهِ تَعَالَى فَهُوَ قَدِيمٌ لَا كَلَامُهُمْ.

ترجمہ: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے جو  
واقعات بیان فرمائے ہیں یا فرعون اور ابلیس کے جو حالات ذکر کیے ہیں تو یہ سب  
اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس کے ذریعے اللہ نے ان کے حالات و واقعات کی خبر دی  
ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور باقی مخلوقات  
کا کلام مخلوق ہے۔ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس لیے قدیم ہے لیکن مخلوق کا کلام  
قدیم نہیں (بلکہ حادث ہے)۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں جن و انس کی ہدایت  
اور کامیابی کے لیے مختلف اسلوب میں مختلف مضامین بیان فرمائے ہیں۔ ان مضامین  
میں اعتقادات، عبادات، اخلاقیات، معاشرت، معاملات، عقوبات، پند و نصائح، امثال  
و واقعات، وعدے و وعیدات، اہل حق کی کامیابی اور اہل باطل کی ناکامی، حضرات انبیاء  
علیہم السلام اور صلحائے سابقین کے واقعات، اہم سابقہ کے حالات، امورِ آخرت،  
جنت و جہنم وغیرہ کے حالات شامل ہیں۔

ان واقعات و حالات میں حضرات انبیاء سابقین علیہم السلام کے قصص کا بھی  
ذکر ہے اور دشمنانِ خدا جیسے ابلیس، فرعون، یہود و نصاریٰ اور مشرکین و منافقین  
وغیرہ کے حالات بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ جن احکام، اوامر و نواہی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی

طرف نسبت کر کے بیان فرمایا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور جو کلام انبیاء علیہم السلام یا ابلیس و فرعون وغیرہ کی طرف نسبت کر کے بیان فرمایا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول حکایت کرتے ہوئے فرمایا:

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً

سورۃ البقرۃ: 67

ترجمہ: اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کے واقعہ سے متعلق ابلیس کا قول حکایت کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ

سورۃ الاعراف: 12

ترجمہ: ابلیس نے کہا کہ میں اس (آدم) سے بہتر ہوں (کیونکہ) آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے۔

فرعون کا قول حکایت کرتے ہوئے فرمایا:

فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ

سورۃ النازعات: 24

ترجمہ: فرعون کہنے لگا کہ میں تمہارا بڑا خدا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام، ابلیس اور فرعون کا کلام اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جن الفاظ سے نقل کیا ہے یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے علم کامل کی بناء پر معلوم تھا کہ آئندہ زمانہ میں انبیاء علیہم السلام،

صلیٰ کرام، ابلیس، فرعون، یہود و نصاریٰ اور مشرکین و منافقین وغیرہ یہ کلام کریں گے۔ یہ الفاظ اور مقولات اللہ تعالیٰ کے کلام میں اس وقت سے تھے جب یہ مخلوقات پیدا بھی نہ ہوئی تھیں۔ تو علم ازلی کی بنا پر یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کا کلام نفسی ہیں، اس جہت سے قدیم ہیں البتہ جب مخلوقات پیدا ہوئیں اور اپنے اپنے وقت پر انہوں نے مذکورہ مقولات اور الفاظ کا تکلم کیا تو اس وقت مخلوق کا تکلم حادث ہے۔ یہی بات امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بیان فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ان مخلوقات کے کلام کو نقل کرنا قدیم ہے البتہ ان مخلوقات کا اس کلام کو اپنے وقت پر تکلم کرنا حادث ہے۔

### وضاحت:

یہاں ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ یہ کہنا بالکل درست نہیں کہ جب مخلوق نے کلام کیا تب اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کا کلام آیا اور اللہ نے قرآن کی صورت میں اسے نازل فرما دیا۔ وجہ یہ ہے کہ اگر یہی اعتقاد رکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے علم کا - معاذ اللہ - نامکمل اور ناقص ہونا لازم آتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کی صفت قدیمہ ہے۔ اس لیے صحیح اعتقاد یہی ہے کہ ان مخلوقات کی پیدائش سے قبل ہی اللہ کو ان کے اقوال کا علم تھا جسے اللہ تعالیٰ نے کلام نفسی کی صورت میں بیان فرما دیا جو کہ قدیم ہے۔

## اللہ کا کلام اور غیر اللہ کا کلام

وَسَمِعَ مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَلَامَ اللَّهِ تَعَالَىٰ كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَىٰ: ﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا﴾ وَقَدْ كَانَ اللَّهُ تَعَالَىٰ مُتَكَلِّمًا وَلَمْ يَكُنْ كَلَّمَ مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَدْ كَانَ اللَّهُ تَعَالَىٰ خَالِقًا فِي الْأَوَّلِ وَلَمْ يَخْلُقِ الْخَلْقَ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ فَلَمَّا كَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ كَلَّمَهُ بِكَلَامِهِ الَّذِي هُوَ لَهُ صِفَةٌ فِي الْأَوَّلِ.

ترجمہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ ہی کا کلام سنا تھا جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کیا (لیکن) اللہ تعالیٰ اس وقت بھی متکلم تھے جب کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام نہیں کیا تھا۔ (فرمان باری تعالیٰ ہے) اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ اس لیے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی تو اسی صفت کلام سے فرمائی جو ازل ہی سے خدا تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے۔

تمہید:

اس عبارت کو سمجھنے سے پہلے بطور تمہید ایک بات کا جاننا ضروری ہے: اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ازلی ہیں اور ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں۔ اللہ تعالیٰ قدیم ذات ہیں اس لیے اللہ کی صفات بھی قدیم ہیں۔ مثلاً تخلیق؛ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، یہ قدیم ہے اور باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے۔ جب اس صفت کا بالفعل اظہار ہو گا تو جو چیز تخلیق پائے گی یعنی مخلوق تو وہ حادث ہو گی۔ گویا صفت تخلیق قدیم ہے لیکن اس کا اظہار مخلوق کی پیدائش کے وقت ہوتا ہے۔

اب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کو سمجھیں کہ کلام جو کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے وہ ازلی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس صفت کے ساتھ ازل سے متصف ہو کر متکلم ہیں۔ اس صفت کا اظہار اس وقت ہو گا جب اللہ تعالیٰ بالفعل کسی سے کلام فرمائیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنا تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی اسی صفت کے ساتھ متکلم تھے جو ازل سے اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ ازل سے خالق ہیں اور تخلیق اللہ تعالیٰ کی صفت ازلی ہے۔ جب مخلوق کو وجود نہ ملا تھا اللہ تعالیٰ تب بھی اس صفت سے متصف تھے گو کہ اس صفت کا بالفعل اظہار اس وقت ہوا جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ صفت تکلم کے ساتھ ازل سے متصف ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گفتگو بھی اسی صفت کلام کے ساتھ فرمائی جو ازلی صفت ہے لیکن چونکہ صفت ازلی کلام نفسی ہے جس کا سنا مخلوق کے لیے ممکن نہیں اس لیے اللہ نے اس کلام نفسی پر حروف، الفاظ اور آواز کا پردہ ڈالا تاکہ موسیٰ علیہ السلام اس کلام کا سماع کر سکیں۔ تو صفت کلام ازلی ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس کا اظہار الفاظ و اصوات کی صورت میں اس وقت ہوا ہے جب موسیٰ علیہ السلام سے تکلم فرمایا ہے۔

مثال:

جس طرح ایک قاری قرآن جب خاموش ہو تب بھی قاری ہے البتہ جب قرآن کریم کی تلاوت شروع کرے تو اس کی صفت قرأت کا ظہور ہوتا ہے اور جب خاموش ہو تو صفت قرأت تب بھی موجود ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ صفت کا وجود اور ہے اور ظہور اور ہے۔



## صفات باری تعالیٰ کا یکتا و بے مثال ہونا

وَصِفَاتُهُ كُلُّهَا بِخِلَافِ صِفَاتِ الْمَخْلُوقِينَ يَعْلَمُ لَا كَعِلْمِنَا وَيَقْدِرُ لَا كَقُدْرَتِنَا وَيَرَى لَا كَرُؤُوتِنَا وَيَتَكَلَّمُ لَا كَكَلَامِنَا وَيَسْمَعُ لَا كَسَمْعِنَا وَنَحْنُ نَتَكَلَّمُ بِالْأَلَاةِ وَالْحُرُوفِ وَاللَّهُ تَعَالَى يَتَكَلَّمُ بِلَا أَلَةٍ وَلَا حُرُوفٍ وَالْحُرُوفُ مَخْلُوقَةٌ وَكَلَامُ اللَّهِ تَعَالَى غَيْرُ مَخْلُوقٍ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی تمام صفات مخلوق کی صفات سے بالکل مماثلت نہیں رکھتیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے لیکن اس طرح نہیں جس طرح ہم جانتے ہیں، وہ قدرت رکھتا ہے لیکن اس طرح نہیں جس طرح ہمیں کسی کام پر قدرت حاصل ہوتی ہے، وہ دیکھتا ہے لیکن اس طرح نہیں جس طرح ہم دیکھتے ہیں، وہ سنتا ہے لیکن اس طرح نہیں جس طرح ہم سنتے ہیں۔ ہم بولنے میں اسباب (زبان، قوت گویائی، گلا وغیرہ) اور حروف کے محتاج ہیں لیکن اللہ تعالیٰ بولنے میں ان اسباب اور حروف کے محتاج نہیں ہیں کیونکہ حروف مخلوق ہیں اور اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے۔

قَوْلُهُ: وَنَحْنُ نَتَكَلَّمُ بِالْأَلَاةِ وَالْحُرُوفِ

1: ”آلات“؛ آلہ کی جمع ہے۔ آلہ کا معنی اوزار اور ہتھیار ہے جس سے کوئی فعل سرانجام دیا جاسکے۔ مثلاً بولنے کا آلہ زبان ہے۔ کانٹے کا آلہ تلوار ہے۔ لکھنے کا آلہ قلم ہے۔

2: ”حروف“؛ حرف کی جمع ہے۔ حرف اس کلمہ کو کہتے ہیں جس کے معانی دوسرے لفظ کے ساتھ ملے بغیر سمجھ میں نہ آئیں جیسے من، الی وغیرہ۔ حروف کو جوڑنے سے الفاظ بنتے ہیں اور الفاظ کو ترکیب دینے سے جملے وجود میں آتے ہیں۔

3: اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں بے مثال اور یکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کی

صفات کی طرح نہیں ہیں بلکہ وہ مخلوق سے بالکل جداگانہ صفات کا مالک ہے۔

4: اللہ تعالیٰ کی صفت علم ہے لیکن مخلوق کی طرح نہیں۔ مخلوق کا علم، تجربہ، مشاہدہ، حواس اور کسی واسطے سے حاصل ہوتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی اور بلا واسطہ ہے۔

5: مخلوق کسی کام پر قدرت رکھتی ہے لیکن یہ قدرت اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارادے کی پابند ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس میں تاثیر پیدا فرمادے اور اگر چاہے تو تاثیر کو سلب کر دے جبکہ خود اللہ تعالیٰ کی قدرت کسی کے فیصلے اور چاہت کی پابند نہیں ہے۔

6: مخلوق دیکھتی ہے لیکن آنکھ اور بینائی کی محتاج ہوتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ دیکھنے میں ان چیزوں کے محتاج نہیں ہیں۔

7: مخلوق سنتی ہے لیکن آلہ سماع (کان) کی محتاج ہوتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ سنتے ہیں لیکن بغیر آلہ سماع کان کے۔ مخلوق کلام کرتی ہے لیکن مخلوق کا کلام کرنا آلات و اسباب کا محتاج ہے۔

8: اگر زبان نہ ہو یا قوت گویائی نہ ہو تو مخلوق تکلم نہیں کر سکتی جبکہ اللہ تعالیٰ تکلم فرماتے ہیں لیکن حروف و آلات کے محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں بلکہ یہ اس کی صفت قدیمہ ہے جبکہ مخلوق کا کلام خود مخلوق کی طرح حادث اور ختم ہونے والا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کی صفات سے بالکل جداگانہ حیثیت رکھتی ہیں۔

## اللہ تعالیٰ کا جسم سے پاک ہونا

وَهُوَ شَيْءٌ لَا كَالْأَشْيَاءِ وَمَعْنَى الشَّيْءِ الثَّابِتُ بِلَا جِسْمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَلَا عَرَضٍ  
وَلَا حَدِّ لَهُ وَلَا ضِدِّ لَهُ وَلَا نِدِّ لَهُ وَلَا مِثْلَ لَهُ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بھی ایک شے ہے لیکن دیگر اشیاء کی طرح نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو شے کہنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر جسم، جوہر اور عرض کے موجود ہے، نہ اللہ تعالیٰ کی کوئی حد ہے، نہ کوئی اس کا مخالف ہے، نہ کوئی مقابل ہے اور نہ ہی کوئی مثل ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ تجسیم کا رد فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شے ہے یعنی وجود رکھتے ہیں لیکن جسم اور صفات جسم سے پاک ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسم ہیں نہ جوہر، عرض رکھتے ہیں نہ کوئی حد، اللہ تعالیٰ کا کوئی مخالف و مقابل ہے نہ کوئی مثل۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں چند الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان کا معنی و مفہوم سمجھ لیا جائے۔

### 1: جسم

الْمَرْكَبُ مِنْ جُزْئَيْنِ فَصَاعِدًا.

احسن الفوائد فی شرح الفقہ الاکبر: ص 76

ترجمہ: دو یا دو سے زائد اجزاء سے مرکب چیز کو جسم کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جسم ہونے سے پاک ہیں۔ اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو جسم مانیں تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کم از کم دو چیزوں سے مل کر بنے ہوں۔ مختلف اجزاء سے ترکیب وہ پاتا ہے جو پہلے بنا ہوا نہ ہو۔ تو یہ صفت تو حادث ہونے کی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ قدیم ذات ہے۔ اس لیے جسم ہونے سے پاک ہے۔

## 2: جوہر

كُلُّ مُحْكِنٍ لَهُ قِيَامٌ بِذَاتِهِ أَيْ لَيْسَ تَحْيُوتُهُ تَابِعاً لِتَحْيِيَّتِهِ غَيْرُهُ.

احسن الفوائد فی شرح الفقہ الاکبر: ص 76

ترجمہ: ہر وہ ممکن چیز جوہر کہلاتی ہے جس کا قیام ذاتی ہو یعنی اس کا کسی جگہ میں ہونا کسی دوسری چیز کے اس جگہ میں ہونے کے تابع نہ ہو۔

جوہر کی تعریف میں بھی ”ممکن“ ہونے کی قید ملحوظ ہے۔ اس لیے اگر اللہ تعالیٰ کی ذات کو جوہر مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کا ممکن ہونا لازم آئے گا۔ تمام ممکنات حادث ہوتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ قدیم ذات ہے۔ اس لیے جوہر ہونے سے بھی پاک ہے۔

## 3: عرض

كُلُّ مُحْكِنٍ لَهُ قِيَامٌ بِالْغَيْرِ أَيْ يَكُونُ تَحْيُوتُهُ تَابِعاً لِتَحْيِيَّتِهِ الْغَيْرِ.

احسن الفوائد فی شرح الفقہ الاکبر: ص 76

ترجمہ: ”عرض“ ہر اس ممکن چیز کو کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کی وجہ سے قائم ہو، یعنی اس کا کسی جگہ میں ہونا کسی دوسرے چیز کے اس جگہ میں ہونے کے تابع ہو۔

اگر اللہ تعالیٰ کو عرض مانا جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کا وجود کسی دوسری چیز کے وجود کا تابع ہے کہ اگر دوسری چیز موجود ہو تب وجود باری تعالیٰ متحقق ہو گا۔ یہ دلیل احتیاج ہے جبکہ اللہ تعالیٰ صد اور بے نیاز ذات ہے۔ علامہ حافظ الدین ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی (ت 710ھ) ”صد“ کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لَا يَجْتَنِبُ إِلَى أَحَدٍ وَيَجْتَنِبُ إِلَيْهِ كُلُّ أَحَدٍ.

تفسیر المداہک للامام النسفی: ج 2 ص 842 تحت قولہ تعالیٰ: اللہ الصمد

ترجمہ: صد وہ ذات ہے جو کسی کی محتاج نہ ہو اور سارے اس کے محتاج ہوں۔  
اس لیے اللہ تعالیٰ عرض ہونے سے بھی پاک ہے۔

4: حد

الْمُهَيَّيَةُ هِيَ مَا بِهِ يَسِيرُ الشَّيْءُ ذُو الْكَيْفِيَّةِ إِلَى حَيْثُ لَا يُوجَدُ وَرَاءَ شَيْءٍ مِنْهُ.  
جواہر الفرائد شرح شرح العقائد: ص 197 مولانا مفتی محمد یوسف تاؤلی استاذ دارالعلوم دیوبند  
ترجمہ: کمیت والی چیز جب اس مقام تک پہنچ جائے کہ آگے اس کا وجود نہ ہو۔  
حد ماننے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا محدود ہونا لازم آئے گا جب کہ اللہ تعالیٰ  
کی ذات لا محدود ہے۔

فائدہ:

اللہ تعالیٰ حد سے پاک ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو صرف عرش  
پر ماننا درست نہیں۔ اس لیے کہ عرش مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ خالق ہے۔ مخلوق جتنی  
بھی بڑی ہو محدود ہی ہو گی جب کہ اللہ تعالیٰ غیر محدود ذات ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو  
صرف عرش پر مانا جائے تو عرش محدود ہے تو اللہ تعالیٰ جو غیر محدود ذات ہے وہ محدود  
میں کیسے سمائے گا؟!

تنبیہ:

اگر اللہ تعالیٰ کو محض عرش پر مانا جائے تو کئی سوالات پیدا ہوں گے۔  
[1]: یہ عقیدہ ان تمام آیات کے خلاف ہے جن سے اللہ تعالیٰ کا محض عرش پر  
ہونا ثابت نہیں ہو رہا بلکہ ان آیات سے تو ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جہت میں ہے،  
ہر ایک کے ساتھ ہے، آسمانوں اور زمین میں موجود ہے، معیت ذاتیہ کے ساتھ موجود

ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

1: وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ

سورة البقرة: 19

ترجمہ: اور اللہ کافروں کا احاطہ کرنے والے ہیں۔

2: وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُولُوْا فَثَمَّ وَجْهَ اللَّهِ ۚ

سورة البقرة: 115

ترجمہ: مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، جس طرف پھر جاؤ ادھر اللہ تعالیٰ کا رخ ہے۔

3: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۚ

سورة البقرة: 186

ترجمہ: جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو (کہہ دو کہ) میں تو تمہارے پاس ہی ہوں۔

4: يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ

النساء: 108

ترجمہ: یہ لوگوں سے [اپنی دغا بازیاں] چھپا سکتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے! وہ تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ راتوں کو اللہ کی ناپسندیدہ باتوں کے مشورے کر رہے ہوتے ہیں۔

5: وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ ۚ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ

سورة الانعام: آیت 3

ترجمہ: وہ اللہ آسمانوں میں بھی ہے اور زمینوں میں بھی وہ تمہاری پوشیدہ اور ظاہری

باتوں کو جانتا ہے اور جو تم کرتے ہو اسے بھی جانتا ہے۔

6: إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ

سورۃ ہود: 61

ترجمہ: بے شک میرا رب قریب ہے، قبول کرنے والا ہے۔

7: وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ

سورۃ الواقعة: 85

ترجمہ: تم سے زیادہ ہم اس کے قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں۔

8: وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ

سورۃ ق: 16

ترجمہ: ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔

[2]: اللہ تعالیٰ خالق ہے اور عرش مخلوق ہے، خالق ازل سے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو

عرش پر مانا جائے تو سوال پیدا ہو گا کہ جب عرش نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ کہاں تھے؟

[3]: حقیقتاً مستوی علی العرش ہونے کی تین صورتیں ہیں:

الف: اللہ تعالیٰ عرش کے محاذات میں ہوں گے۔

ب: عرش سے متجاوز ہوں گے۔

ج: عرش سے کم ہوں گے۔

اگر عرش کے محاذات میں مانیں تو عرش چونکہ محدود ہے لہذا اللہ تعالیٰ کا

محدود ہونا لازم آئے گا، اور متجاوز مانیں تو اللہ تعالیٰ کی تجزی یعنی تقسیم لازم آئے گی

(اور تجزی یعنی تقسیم جسم کی ہوتی ہے اور جسم حادث ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم

ہے) اور اگر عرش سے کم مانیں تو عرش یعنی مخلوق کا اللہ تعالیٰ یعنی خالق سے بڑا ہونا

لازم آئے گا، جبکہ یہ تینوں صورتیں محال اور ناممکن ہیں۔

[4]: اللہ تعالیٰ خالق ہے جو کہ غیر محدود ہے، عرش مخلوق ہے جو کہ محدود ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر مانا جائے تو غیر محدود کا محدود میں سمانا لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔

[5]: اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر حقیقتاً مانیں تو حقیقی وجود کے ساتھ کسی چیز پر ہونا یہ خاصیت جسم کی ہے اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں کیونکہ ہر جسم مرکب ہوتا ہے اور ہر مرکب حادث ہوتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ قدیم ہیں۔

[6]: اگر اللہ تعالیٰ کو حقیقتاً عرش پر مانیں تو عرش اللہ تعالیٰ کے لیے مکان ہو گا اور اللہ تعالیٰ مکین ہوں گے اور ضابطہ ہے کہ مکان مکین سے بڑا ہوتا ہے، اس عقیدے سے ”اللہ اکبر“ والا عقیدہ ٹوٹ جائے گا۔

[7]: اگر اللہ تعالیٰ کا فوق العرش ہونا مانیں تو جہت فوق لازم آئے گی جبکہ اللہ تعالیٰ جہات ستہ سے پاک ہیں کیونکہ جہت کو حد بندی لازم ہے۔ حد بندی محدود کی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ غیر محدود ہیں۔

[8]: حد بندی کو جسم لازم ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔

[9]: اگر اللہ تعالیٰ کو فوق العرش مانیں تو عرش اس کے لیے مکان ہو گا اور مکان اپنے مکین کو محیط ہوتا ہے اور مکین محاط ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ محیط ہیں محاط نہیں، قرآن کریم میں ہے:

وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کو صرف عرش پر ماننا درست نہیں۔

5: ضد

”ضد“ مخالف کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ضد اد سے پاک ہے۔ کوئی اللہ کا مخالف نہیں۔



## اشکال:

اللہ تعالیٰ کے ضد اور مخالف تو بہت ہیں جنہوں نے اللہ کی مخالفت کی ہے۔ تو یہ کہنا کیسے درست ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا مخالف اور ضد کوئی نہیں؟

## جواب:

اللہ تعالیٰ کی مخالفت تو کئی لوگوں نے کی ہے لیکن یہ لوگ مخالف بننے کے قابل نہیں ہیں کیونکہ حقیقی مخالف وہ ہوتا ہے جس کی مخالفت کا دوسرے فریق پر اثر بھی ہو اور اس کے پاس طاقت اور حیثیت بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرنے والوں کے پاس نہ طاقت ہے نہ حیثیت، اس لیے وہ لاشئ کے درجے میں ہیں۔  
وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ

الاخلاص: 4

ترجمہ: اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

## 5:ند

”ند“ شریک کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شریک سے بھی پاک ہے۔

اشکال: لوگوں نے تو اللہ تعالیٰ کے کئی شریک بنائے ہوئے ہیں۔ کسی کو عبادت میں، کسی کو اولاد دینے میں، کسی کو رزق دینے میں شریک ٹھہرایا ہوا ہے۔ تو یہ کہنا کیسے درست ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔

جواب: ”اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں“ اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کا شریک بننے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی۔ اس لیے کہ شراکت کی ضرورت اس کو ہوتی ہے جو محتاج ہو اور اپنے افعال اکیلا سرانجام نہ دے سکتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی کی

محتاج نہیں اس لیے اسے شرکاء کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

6: مثل

کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی مثل بھی نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ

سورۃ الشوری: 11

ترجمہ: اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں، وہ سنے والا اور دیکھنے والا ہے۔

شبہ: اس آیت "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں لیکن قرآن کریم کی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل ہے:

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكُوتٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ

النور: 35

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کے نور کی مثال ایسے ہے جیسے ایک طاق ہو جس میں چراغ رکھا ہو۔

تو بظاہر دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔

جواب: "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مثال موجود نہیں ہے اور "مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكُوتٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ" اللہ تعالیٰ کے نور کو سمجھانے کے لیے کہا گیا ہے۔ حقیقتاً مثل نہ ہونا اور ہے اور سمجھانے کے لیے مثال دینا اور ہے۔ لہذا دونوں آیات میں کوئی تعارض نہیں۔

## صفات متشابہات کے بارے میں موقف

وَلَهُ يَدٌ وَوَجْهٌُ وَنَفْسٌ كَمَا ذَكَرَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْقُرْآنِ فَمَا ذَكَرَهُ اللَّهُ فِي الْقُرْآنِ مِنْ ذِكْرِ الْوَجْهِ وَالْيَدِ وَالنَّفْسِ فَهُوَ لَهُ صِفَاتٌ بِلَا كَيْفٍ وَلَا يُقَالُ إِنَّ يَدَهُ قُدْرَتُهُ أَوْ نِعْمَتُهُ لِأَنَّ فِيهِ إِبْطَالَ الصِّفَةِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْقَدْرِ وَالْإِعْتِزَالِ وَلَكِنْ يَدُهُ صِفَتُهُ بِلَا كَيْفٍ وَغَضَبُهُ وَرِضَاهُ صِفَتَانِ مِنْ صِفَاتِ اللَّهِ تَعَالَى بِلَا كَيْفٍ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا يد، وجہ اور نفس ہے جیسا کہ اس نے خود قرآن میں ذکر فرمایا ہے لیکن اس نے قرآن میں جو وجہ، يد اور نفس کا ذکر فرمایا ہے تو یہ اس کی صفات بلا کیف ہیں۔ یوں نہیں کہنا چاہیے کہ ”يد“ سے مراد اللہ کی قدرت یا اس کی نعمت ہے کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی صفت کا ابطال لازم آتا ہے جو کہ قدریہ اور معتزلہ کا عقیدہ ہے (بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ) اللہ کا ”يد“ اس کی صفت بلا کیف ہے۔ اسی طرح اللہ کا غضب اور رضا بھی اس کی مجملہ صفات میں سے دو صفتیں ہیں جو بلا کیف ہیں۔

## صفات متشابہات:

صفات متشابہات وہ صفات ہیں جن کے معانی غیر واضح اور مبہم ہیں، عقل انسانی کی وہاں تک رسائی نہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے يد، وجہ، عین وغیرہ کلمات اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات ہیں۔

صفات متشابہات کی دو اقسام ہیں:

1: غیر معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے حروف مقطعات۔ ان صفات متشابہات کو ”متشابہات من کل الوجوه“ بھی کہتے ہیں۔

2: معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے استواء علی العرش اور ید، وجہ، عین، ساق، نفس وغیرہ جو کلمات اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ ان صفات متشابہات کو ”متشابہات من وجہ“ بھی کہتے ہیں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں چند ایک الفاظ (وجہ، ید، نفس) ذکر فرمائے ہیں جو مخلوق کے لیے اعضاء کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں جبکہ یہی الفاظ اگر اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوں تو ان سے صفات متشابہات مراد ہوتی ہیں۔

صفات متشابہات کے بارے میں چار موقف ہیں:

1: موقف اہل السنۃ والجماعۃ متقدمین

2: موقف اہل السنۃ والجماعۃ متاخرین

3: موقف معتزلہ

4: موقف غیر مقلدین

موقف نمبر 1: اہل السنۃ والجماعۃ متقدمین

یہ کلمات صفات متشابہات ہیں۔ ان کا معنی ہمیں معلوم نہیں۔ ہم ان کے معانی و مفاہیم کو اس اعتقاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ید، عین، ساق وغیرہ صفات ثابت ہیں مگر مخلوق کی مشابہت سے پاک ہیں۔

امام زین الدین قاسم بن قطلوبغا السودونی الجہالی الحنفی (ت 879ھ) لکھتے ہیں:

وَقَالَ سَلَفُنَا فِي جُمْلَةِ الْمُتَشَابِهَةِ: نُوْمِنُ بِهِ وَنُفَوِّضُ تَأْوِيلَهُ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى مَعَ تَنْزِيهِهِ عَمَّا يُوجِبُ التَّشْبِيهَ وَالْحُدُوثَ.

حاشیہ علی المسایرة للقطلوبغا: ص 45

ترجمہ: ہمارے سلف حضرات تمام متشابہات کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ ہم ان صفات پر ایمان لاتے ہیں اور ان کا معنی اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں اس اعتقاد کے

ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ان تمام امور سے پاک ہے جن سے تشبیہ اور حدوث ثابت ہوتا ہو۔  
علامہ عبدالعزیز پرہاروی الحنفی (ت 1239ھ) لکھتے ہیں:

وَعُلَمَاءُ السُّنَّةِ بَعْدَ إِجْمَاعِهِمْ عَلَى أَنَّ مَعَانِيَهَا الظَّاهِرَةَ غَيْرُ مُرَادَةٍ ذَهَبُوا  
مَذْهَبَيْنِ؛ أَحَدُهُمَا مَذْهَبُ السَّلَفِ وَهُوَ الْإِيمَانُ بِمَا أَرَادَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَقْوِيصُ  
عَلَيْهَا إِلَيْهِ تَعَالَى مَعَ تَنْزِيهِهِ عَنِ التَّجَسُّمِ وَالنَّشْبِ.

النبراس شرح شرح العقائد: ص 120

ترجمہ: علمائے اہل السنۃ اس بات پر اجماع کرنے کے بعد کہ ان الفاظ کا ظاہری  
معنی مراد نہیں، دو موقف رکھتے ہیں۔ ایک موقف علمائے سلف کا ہے کہ ان صفات  
سے اللہ تعالیٰ کی جو بھی مراد ہو ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کے  
سپر د کرتے ہیں اس اعتقاد کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ جسم رکھنے اور مشابہ ہونے سے پاک  
ہے۔

خلاصہ: مقتدیین اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف کا خلاصہ یہ ہے کہ ید، عین، ساق سے  
مراد:

- 1: اعضاء نہیں
- 2: یہ صفات ہیں
- 3: صفات متشابہات ہیں
- 4: ہمیں ان کا معنی معلوم نہیں
- 5: ان کا جو بھی معنی ہے بہر حال مخلوقات والا نہیں

موقف نمبر 2: اہل السنۃ والجماعۃ متاخرین

یہ کلمات صفات متشابہات ہیں اور ان کا حقیقی معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم

ہے۔ ہم ان کے معانی میں مناسب تاویل درجہ ظن میں کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کا معنی ”قدرت“ عین کا معنی ”حفاظت“ اور وجہ کا معنی ”ذات“۔

علامہ عبدالعزیز پرباڑوی الحنفی (ت 1239ھ) لکھتے ہیں:

وَمَذْهَبُ الْخَلْفِ تَفْسِيرُهَا بِمَا يَلِيْقُ بِهِ تَعَالَى لِأَشْتِهَارِ الْمَذَاهِبِ الْفَاسِدَةِ فِي زَمَانِهِمْ وَتَذْلِيلِ الْمُشَبَّهَةِ عَوَامِ الْمُسْلِمِينَ فَفَعَلُوا ذَلِكَ حِفْظًا لِلدِّينِ.

النہر اس شرح شرح العقائد: ص 120

ترجمہ: علمائے خلف (از اہل السنۃ) کا موقف یہ ہے کہ ان صفات کی ایسی تاویل کی جائے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہو کیونکہ خلف کے زمانے میں غلط نظریات عام ہو رہے تھے اور فرقہ مشبہ عامۃ المسلمین کو گمراہ کر رہا تھا، تو خلف حضرات نے صفات کی تاویل اس لیے کی تاکہ لوگوں کے اعتقادات کو فاسد ہونے سے بچایا جاسکے۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ متاخرین اہل السنۃ والجماعۃ نے صفات کی جو تاویل کی ہے یہ درجہ ظن میں ہے نہ کہ درجہ یقین میں۔ چنانچہ علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید سکندری الحنفی المعروف ابن الہمام (ت 861ھ) فرماتے ہیں:

”هَذَا التَّأْوِيلُ لِهَذِهِ الْأَلْفَاظِ لِمَا ذَكَرْنَا مِنْ صَرْفِ فَهْمِ الْعَامَّةِ عَنِ الْحُسْبِيَّةِ وَهُوَ يُمَكِّنُ أَنْ يُرَادَ وَلَا يُجْزَمَ بِإِلَازِمِهِ“

المسایرة مع المسامرة لابن الہمام ص 48 الاصل الثامن

ترجمہ: ان الفاظ کی یہ تاویل جو ہم نے ذکر کی ہے، عوام کی فہم کو ”عقیدہ جسمیت“ سے بچانے کے لیے ہے اور یہ ممکن ہے کہ (ان الفاظ کا تاویلی معنی) مراد لیا جائے اور اس پر جزم (یقین) نہ کیا جائے۔

فائدہ نمبر 1:

مقدمین اور متاخرین کے درمیان حد فاصل سن 300 ہجری ہے۔ چنانچہ سن

300 ہجری کے آخر تک کے محققین علماء ”سلف“ کہلائیں گے اور بعد کے ”خلف“۔

علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (ت 748ھ) فرماتے ہیں:

”فَالْحَدُّ الْقَاصِلُ بَيْنَ الْمُتَقَدِّمِ وَالْمُتَأَخِّرِ هُوَ رَأْسُ سَنَةِ ثَلَاثِ مِائَةٍ“

میزان الاعتدال للامام الذہبی: ج 1 ص 48، مقدمۃ المصنف

ترجمہ: متقدمین و متاخرین کے درمیان حدِ فاصل تین سو ہجری کا آخر ہے۔

فائدہ نمبر 2:

متقدمین اور متاخرین اہل السنۃ والجماعۃ کے مابین یہ نزاع لفظی ہے۔ اس کی

دو وجہیں ہیں:

(1): متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ صفات کے معنی مؤول کو درجہ یقین میں قبول

نہیں کرتے جبکہ متاخرین اہل السنۃ والجماعۃ معنی مؤول کو درجہ ظن میں قبول کرتے

ہیں۔

(2): بوقتِ ضرورت متشابہات میں تاویل کرنا متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ سے

بھی منقول ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ درجہ ظن میں تاویل کرنا ان کے موقف؛

تفویض کے خلاف نہیں۔

1: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (ت 68ھ)

حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی

(ت 852ھ) لکھتے ہیں:

وَأَمَّا السَّاقُ فَبَاءَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ

سَاقٍ قَالَ: عَنْ شِدَّةٍ مِنَ الْأَمْرِ.

فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج 13 ص 524، باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناظرۃ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے فرمان "يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ" کہ جس دن ساق کھول دی

جائے گی میں لفظ ”ساق“ کا معنی بیان کرتے ہوئے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (ت 68ھ) فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ جس دن سخت معاملہ رونما ہو گا۔

2: امام مجاہد بن جبر الملکی (ت 103ھ)

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) فرماتے ہیں:

وَقَالَ مُجَاهِدٌ "اسْتَوَى" عَلَا عَلَى الْعَرْشِ.

صحیح البخاری: کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء

ترجمہ: امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اسْتَوَى" کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر غالب ہوا۔

3: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی (ت 150ھ) فرماتے ہیں:

وَلَيْسَ قُرْبُ اللَّهِ تَعَالَى وَلَا بُعْدُهُ مِنْ طَرِيقِ طُولِ الْمَسَافَةِ وَقَصَرِهَا وَلَكِنْ عَلَى مَعْنَى الْكَرَامَةِ وَالْهَوَانِ.

الفقہ الاکبر

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا قرب اور دوری مسافت کی کمی بیشی کے اعتبار سے نہیں بلکہ عزت اور ذلت کے معنی کے اعتبار سے ہے۔

4: امام ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن یحییٰ بن مبارک اللغوی النخوی (ت 237ھ) لکھتے ہیں:

"الْحَمْدُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى" اسْتَوَى: اسْتَوَى.

غریب القرآن وتفسیرہ: ص 243

ترجمہ: ”اللہ عرش پر مستوی ہوا“ کا معنی ہے کہ عرش کا مالک بنا۔

موقف نمبر 3: معتر لہ

فرقہ معتر لہ ان کلمات کا حقیقی معنی بیان کرتا ہے، انہیں اللہ تعالیٰ کی صفات



ازلیہ نہیں مانتا۔ پھر حتمی معنی بیان کر کے بھی ان کو مخلوق مانتا ہے۔ اس فرقہ کا کہنا ہے کہ اگر ان کلمات سے مراد صفات ہوں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہوں تو جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے اسی طرح ان صفات کو بھی قدیم ماننا پڑے گا۔ اس سے تعدد قدماء لازم آئے گا جو توحید کے منافی ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَمَا ذَكَرَهُ اللَّهُ فِي الْقُرْآنِ مِنْ ذِكْرِ الْوَجْهِ وَالْيَدِ وَالنَّفْسِ فَهُوَ لَهُ صِفَاتٌ بِلَا كَيْفٍ وَلَا يُقَالُ إِنَّ يَدَهُ قُدْرَتُهُ أَوْ نِعْمَتُهُ لِأَنَّ فِيهِ إِبْطَالَ الصِّفَةِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْقَدْرِ وَالْإِعْزَالِ.

الفقہ الاکبر

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو وجہ، ید اور نفس کا ذکر فرمایا ہے تو یہ اس کی صفات بلا کیف ہیں۔ یوں نہیں کہنا چاہیے کہ ”ید“ سے مراد اللہ کی قدرت یا اس کی نعمت ہے کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی صفت کا ابطال لازم آتا ہے جو کہ قدریہ اور معتزلہ کا عقیدہ ہے۔

”ید“ سے مراد عضو معروف نہیں کیونکہ اعضاء جسم کے ہوتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے تو اعضائے جسم سے بھی پاک ہے۔ اب یقینی بات ہے کہ ”ید“ صفت ہے۔ پھر ”ید“ صفت محکمہ بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ صفت محکمہ تب ہوگی جب اس کا معنی بالکل واضح ہو گا اور جو واضح معنی ہے وہ ”ہاتھ“ ہے، وہ تو عضو بن جاتا ہے۔ لہذا یہ صفت متشابہ ہوگی۔ پھر صفت متشابہ کی دو قسمیں ہیں؛ یا تو غیر معلوم المعنی غیر معلوم المراد ہو۔ ”ید“ کا چونکہ لغوی معنی معلوم ہے اس لیے یہ متشابہ کی پہلی قسم نہ ہوئی.... یا پھر معلوم المعنی غیر معلوم المراد ہو۔ اب جب ”ید“ کا لغوی معنی معلوم ہے تو معلوم المعنی ہوا، اور جب اس کا معنی ”قدرت“ کریں گے تو مراد بھی

معلوم ہو جائے گی۔ تو یوں متشابہ کی دوسری قسم غیر معلوم المعنی اور غیر معلوم المراد بھی نہ رہی۔ امام اعظم رحمہ اللہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر ”ید“ کا معنی ”قدرت“ کریں گے تو قدرت، صفت محکمہ بھی نہیں ہے، متشابہ کی دونوں قسموں میں شامل نہیں ہے تو اس طرح صفت ہی باطل ہو جائے گی اور یہی معتزلہ کا موقف ہے۔

امام ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری الجنبلی (ت 324ھ) فرماتے ہیں:

وَقَدْ قَالَ قَائِلُونَ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ وَالْجَهْمِيَّةِ وَالْحُرُورِيَّةِ: إِنَّ مَعْنَى قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: (الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى) أَنَّهُ اسْتَوَى وَمَلَكَ وَقَهَرَ... وَبَحَدُوا أَنْ يَكُونَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مُسْتَوٍ عَلَى عَرْشِهِ كَمَا قَالَ أَهْلُ الْحَقِّ وَذَهَبُوا فِي الْإِسْتِوَاءِ إِلَى الْقُدْرَةِ.

کتاب الابانۃ للاشعری: ص 34

ترجمہ: فرقہ معتزلہ، جہمیہ اور حروریہ کے لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کے فرمان "الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى" (رحمن عرش پر مستوی ہوا) کا معنی یہ ہے کہ رحمن عرش پر غالب ہوا، اور مالک بنا... اور جس طرح اہل حق کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے یہ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔ نیز یہ لوگ استواء کا معنی "قدرت" کرتے ہیں۔

امام موصوف مزید لکھتے ہیں:

وَنَفَتِ الْجَهْمِيَّةُ أَنْ يَكُونَ لِلَّهِ تَعَالَى وَجْهٌ كَمَا قَالَ وَأَبْطَلُوا أَنْ يَكُونَ لَهُ سَمْعٌ وَبَصَرٌ وَعَيْنٌ.

کتاب الابانۃ: ص 37

ترجمہ: فرقہ جہمیہ اللہ تعالیٰ کے فرمان سے جو "وجہ" ثابت ہے اس کی نفی کرتا ہے اور اس فرقہ کے لوگوں نے اللہ کے سمع، بصر اور عین کو باطل قرار دیا ہے۔

آگے امام موصوف نے مستقل ایک باب قائم کیا ہے:

”الْبَابُ السَّابِعُ الرَّدُّ عَلَى الْجَهْمِيَّةِ فِي نَفْيِهِمْ عِلْمَ اللَّهِ تَعَالَى وَقُدْرَتِهِ وَجَمِيعِ صِفَاتِهِ“

کتاب الابانہ: ص 41

ترجمہ: اس باب میں فرقہ جہمیہ کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم، قدرت اور تمام صفات کی نفی کرتے ہیں۔

موقف نمبر 4: غیر مقلدین

ید، عین، ساق وغیرہ کے حقیقی معنی مراد ہیں۔ چند عبارات ملاحظہ ہوں:

(۱): غیر مقلد عالم محمد یحییٰ گوندلوی صاحب لکھتے ہیں:

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے۔

عقیدہ مسلم از محمد یحییٰ گوندلوی: ص 177

اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں۔

عقیدہ مسلم از محمد یحییٰ گوندلوی: ص 179

(۲) علامہ ابو عبد اللہ محمد بن صالح بن محمد بن سلیمان بن عبد الرحمن العثیمین

(ت 2001ء) آیت "فَأَيْنَمَا تُولُوْا فَكُمَّ وَجْهُ اللَّهِ" کے بارے میں لکھتے ہیں:

”الصَّحِيْحُ أَنَّ الْمُرَادَ بِالْوَجْهِ هُنَا وَجْهُ اللَّهِ الْحَقِيقِيُّ أَيْ إِلَىٰ أَيْ جِهَةٍ تَتَوَجَّهُونَ فَكُمَّ وَجْهُ اللَّهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ“

شرح عقیدہ واسطیہ: ص 156

ترجمہ: صحیح یہ ہے کہ یہاں ”وجہ“ سے مراد اللہ تعالیٰ کا حقیقی چہرہ ہے۔ مطلب اس

آیت کا یہ ہو گا کہ جس جہت کی طرف تم رخ کرو اسی طرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا چہرہ ہے۔

(۳) شیخ ڈاکٹر محمد بن خلیل ہراس (ت 1975ء) لکھتے ہیں:

”تَضَمَّنَتْ هَاتَانِ الْآيَتَانِ إِبْثَاتِ الْيَدَيْنِ صِفَةً حَقِيقِيَّةً لَهُ سُبْحَانَهُ عَلَى مَا يَلِيْقُ بِهِ.“

شرح عقیدہ واسطیہ خلیل ہراس: ص 61

ترجمہ: یہ دو آیتیں (یعنی "مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِيَدَيْ" (سورۃ ص: 75) اور "بَلْ يَدُهُ مَبْسُوطَتَانِ" (سورۃ المائدہ: 64) اللہ تعالیٰ کے لیے دو ہاتھوں کو صفت حقیقی کے طور پر ثابت کرتی ہیں جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔

دلائل اہل السنۃ والجماعۃ:

دلیل نمبر 1:

اللَّهُ الصَّمَدُ

سورۃ اخلاص: 2

ترجمہ: اللہ بے نیاز ہے۔

صمد کہتے ہیں: ”[الَّذِي] لَا يَجْتَا جُ إِلَى أَحَدٍ وَيَجْتَا جُ إِلَيْهِ كُلُّ أَحَدٍ.“

تفسیر المدارک للامام النسفی: ج 2 ص 842 تحت قوله تعالى: الله الصمد

ترجمہ: جو کسی کا محتاج نہ ہو اور سارے اس کے محتاج ہوں۔

اللہ تعالیٰ موجود ہونے میں جسم کے، سننے میں کان کے، دیکھنے میں آنکھ کے اور پکڑنے میں ہاتھ کے محتاج نہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ جسم اور اعضائے جسم سے پاک ہیں۔

دلیل نمبر 2:

اللہ تعالیٰ چونکہ جسم سے پاک ہے لہذا اعضاء سے بھی پاک ہیں اس لیے کہ

اعضاء ہمیشہ جسم کے ہوتے ہیں تو جب جسم ہی نہیں ہے تو اعضاء بھی نہیں ہیں۔

فائدہ:

اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں۔ اس پر چند دلائل ملاحظہ ہوں:

(1): اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے کیونکہ جسم ہمیشہ دو یا دو سے زائد چیزوں سے مرکب ہوتا ہے اور مرکب وہ ہوتا ہے کہ پہلے دو مفرد ہوں، پھر ملیں تو مرکب بن جائے۔ تو مرکب پہلے نہیں ہوتا بعد میں بنتا ہے۔ جو پہلے نہ ہو اور بعد میں بنے اسے حادث کہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ تو قدیم ہے، حادث نہیں ہے۔

(2): اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے اس لیے کہ جسم جتنا بھی بڑا ہو وہ ایک جگہ پر جا کر ختم ہو جاتا ہے، اس کی حد ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ غیر محدود ہے لہذا جسم سے پاک ہے۔

(3): اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے اس لیے کہ جسم کو خاص مکان چاہیے جبکہ اللہ تعالیٰ خاص مکان سے پاک ہے اس لیے اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔

(4): اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے اس لیے کہ جسم کی ایک خاص جہت ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ جہات سے پاک ہے تو جسم سے بھی پاک ہے۔

دلیل نمبر 3:

اگر ان کلمات "ید، عین، وجہ، ساق" وغیرہ کے لیے کیفیات ثابت کر دی جائیں اگرچہ مجہول ہی کیوں نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کے لیے جسم لازم آئے گا، کیونکہ کیفیات اجسام کے ساتھ خاص ہیں۔

چنانچہ امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الیہقی (ت 458ھ)

فرماتے ہیں:

”فَإِنَّ الَّذِي يَجِبُ عَلَيْنَا وَعَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَعْلَمَهُ أَنَّ رَبَّنَا لَيْسَ بِذَائِجِ صُورَةٍ وَلَا هَيْئَةٍ فَإِنَّ الصُّورَةَ تَقْتَضِي الْكَيْفِيَّةَ وَهِيَ عَنِ اللَّهِ وَعَنْ صِفَاتِهِ مَنْفِيَّةٌ.“

کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ج 2 ص 21، باب ما ذکر فی الصوره

ترجمہ: جو چیز ہمیں اور ہر مسلمان کو جاننا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ ہمارا رب صورت والا ہے نہ ہیئت والا۔ کیونکہ صورت کیفیت کا تقاضا کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کیفیات سے پاک ہیں۔

دلیل نمبر 4:

معنی جنس، نوع کے ضمن میں پایا جاتا ہے۔ ”ید“ جو کہ اسم جنس ہے، کا معنی ”جارحہ“ ہے جو کہ بالاتفاق حادث ہے۔ اگر ”ید اللہ“ سے بھی یہی معنی مراد ہو تو ”ید“ جو کہ صفت باری ہے، کا حادث ہونا لازم آئے گا حالانکہ ”ید اللہ“ جو کہ صفت باری ہے، قدیم ہے۔

دلیل نمبر 5:

ان کلمات کے حقیقی معنی مگر مجہول الکفیفہ مراد لینے سے تناقض اور تضاد لازم آئے گا کیونکہ حقیقی معنی مجہول الکفیفہ نہیں بلکہ معلوم الکفیفہ ہیں۔ تناقض باطل ہوتا ہے اور جو مستلزم باطل ہو وہ بھی باطل ہوتا ہے۔

دلیل نمبر 6:

متشابہ کی دو قسمیں ہیں:

ا: غیر معلوم والمعنی وغیر معلوم المراد جیسے حروف مقطعات الہم، آم، ن وغیرہ۔

۲: معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے "ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ"

سورة الحديد: 4

اگر ہم ان کلمات ید، عین وغیرہ سے اعضاء مجہول الکیفیہ مراد لیں تو متشابہ کی ان دو قسموں کے علاوہ تیسری قسم معلوم المعنی معلوم المراد مجہول الکیفیت لازم آئے گی، جبکہ متشابہ کی تیسری قسم باطل ہے اور مستلزم باطل بھی باطل ہوتا ہے۔

اشکال:

اگر متشابہ کی تیسری قسم مان لی جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ متشابہ کی پہلی دو قسمیں بھی تو منصوص نہیں۔ اگر تیسری کو مانا جائے تو کسی نص کی مخالف تو لازم نہیں آتی!

جواب:

تیسری قسم ”معلوم المعنی، معلوم المراد اور مجہول الکیفیت“ ہے۔ اگر اس کو بھی ثابت مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کے لیے کیفیات کا اثبات لازم آئے گا جبکہ اللہ تعالیٰ کے لیے کیفیات کا ثبات کرنا باطل ہے، اس لیے تیسری قسم کا ہونا بھی باطل ہے۔

فائدہ نمبر 1:

صفات باری تعالیٰ عین ذات ہیں نہ غیر ذات ہیں؛ کیونکہ دو چیزوں کے مفہوم کا مصداق ہر اعتبار سے ایک ہو تو اسے ”عین“ کہتے ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے بغیر ہو سکتا ہو تو اس کو ”غیر“ کہتے ہیں۔ صفات باری تعالیٰ عین ذات باری اس لیے نہیں کہ صفت، ذات سے ایک زائد چیز کا نام ہے اور غیر اس لیے نہیں کہ صفت تابع اور موصوف متبوع ہوتا ہے اور تابع بغیر متبوع کے نہیں ہو سکتا اور

ذات باری تعالیٰ صفات کے بغیر اس لیے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا صفات کمال سے خالی ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔ بلکہ یہ صفات لازم ذات ہیں۔

اس سے معتزلہ کا شبہ زائل ہو جاتا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ اگر صفات کو بھی ازلی مانا جائے تو تعدد الہ لازم آتا ہے جو توحید کے منافی ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ لازم ذات ہیں۔ اس سے تعدد الہ کا شبہ باطل ہو جاتا ہے۔

اشکال: امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ سے جب استواء کے متعلق پوچھا گیا:

لَبَّاسُئِلَ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى "ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ" كَيْفَ اسْتَوَىٰ؟

تو انہوں نے فرمایا:

الْإِسْتِوَاءُ مَعْلُومٌ وَالْكَيفُ مَجْهُولٌ وَالْإِيْمَانُ بِهِ وَاجِبٌ وَالسُّوَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ.

شرح العقیدہ الطحاوی: لابن ابی العز: ج 1 ص 188، الرد علی الجہمیہ: لابن مندہ: ص 104

ترجمہ: استواء معلوم ہے، کیفیت مجہول ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے استواء ثابت کر کے مجہول الکلیفیت قرار دیا ہے۔ لہذا صفات باری کے حقیقی معنی مراد لے کر مجہول الکلیفیت قرار دینا درست ہے۔

جواب: شیخ عماد الدین احمد حیدر؛ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”الاسماء والصفات“ پر اپنی تعلیق میں لکھتے ہیں:

وَأَمَّا مَا يُزَوَّى عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: "الْإِسْتِوَاءُ مَعْلُومٌ وَالْكَيفِيَّةُ مَجْهُولَةٌ" فَهَذَا لَمْ يُخْبَثْ عَنْ مَالِكٍ وَلَا غَيْرِهِ مِنَ الْأَئِمَّةِ.

التعلیق علی کتاب الاسماء والصفات: ج 2 ص 151

ترجمہ: یہ بات جو بیان کی جاتی ہے کہ ”استواء معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے“ یہ



امام مالک بن انس بلکہ کسی بھی امام سے ثابت نہیں۔

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت 458ھ) نے ”کتاب الاسماء والصفات“ میں اور حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت 852ھ) نے ”فتح الباری شرح صحیح البخاری“ میں بسند جید امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح قول نقل کیا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ وَهْبٍ يَقُولُ: كُنَّا عِنْدَ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ فَدَخَلَ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ! "الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى" كَيْفَ اسْتَوَاؤُهُ؟ قَالَ: فَأَظَرَقَ مَالِكٌ وَأَخَذَتْهُ الرُّحَصَاءُ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ: "الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى" كَمَا وَصَفَ نَفْسَهُ، وَلَا يُقَالُ: كَيْفَ، وَكَيْفَ عَنْهُ مَرْفُوعٌ، وَأَنْتَ رَجُلٌ سُوءٍ صَاحِبٌ بِدْعَةٍ، أَخْرِجُوهُ. قَالَ: فَأُخْرِجَ الرَّجُلُ.

کتاب الاسماء والصفات: ج 2 ص 150، فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج 13 ص 498 باب وكان عرشه على الماء

ترجمہ: امام عبد اللہ بن وہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی آیا۔ اس نے امام مالک سے کہا: اے ابو عبد اللہ! الرحمن عرش پر مستوی ہے، اس کا استواء کیسے ہے؟ ابن وہب فرماتے ہیں کہ امام مالک نے سر جھکا لیا اور آپ کو پسینہ آگیا۔ پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: الرحمن عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اس نے خود بیان کیا ہے، یہ نہ کہا جائے کہ کیسے؟ (یعنی کیفیت کی نفی کی جائے) اور اللہ تعالیٰ سے کیفیت مرفوع ہے (یعنی کیفیت کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں بولا جاتا) اور تو برا اور بدعتی آدمی ہے۔ پھر حاضرین سے فرمایا: اسے نکال دو۔ چنانچہ اسے باہر نکال دیا گیا۔

اسی طرح امام ابو بکر بیہقی اور حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعی رحمہما اللہ نے ولید

بن مسلم کے طریق سے نقل کیا ہے:

عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ مُسْلِمٍ، قَالَ: سُئِلَ الْأَوْزَاعِيُّ وَمَالِكٌ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَاللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ هَذِهِ الْأَحَادِيثِ الَّتِي جَاءَتْ فِي التَّشْبِيهِ فَقَالُوا: أَمَرُوهَا كَمَا جَاءَتْ بِهَا كَيْفِيَّةً.

کتاب الاسماء والصفات: ج 2 ص 198، فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج 13 ص 498 باب دکان عرشہ علی الماء ترجمہ: ولید بن مسلم فرماتے ہیں کہ امام اوزاعی، امام مالک، امام سفیان ثوری اور امام لیث بن سعد سے ان احادیث سے متعلق سوال کیا گیا جن میں اللہ کی صفات کا بیان ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ: یہ احادیث جیسے منقول ہیں ویسے ہی کیفیت کے بغیر بیان کرو۔

تو امام مالک رحمہ اللہ سے مروی درج بالا روایات میں ”کیف“ کی باقاعدہ نفی ہے۔

## فائدہ نمبر 2:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں علمائے راہنہ کا طرز یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ صفات متشابہات میں کھود کرید نہیں کرتے۔ ان میں ایسی تاویلات نہیں کرتے جن سے ان کی مراد ہی باطل ہو جائے بلکہ ان کا معنی اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتے ہیں۔ راہنہ فی العلم اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات کے بارے میں تشبیہ، تعطیل یا تکلیف کے قائل نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ

ترجمہ: وہی اللہ ہے جس نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے، اس میں کچھ آیات محکمات ہیں جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات ہیں۔ اب جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھاپن ہے وہ فتنے کی تلاش میں ان متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کی تاویلات کرنے میں لگے رہتے ہیں حالانکہ ان آیتوں کا صحیح صحیح مطلب اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور وہ لوگ جو علم میں پختہ کار ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

اشکال:

راسخین فی العلم کا وظیفہ صفات متشابہات میں تاویل نہ کرنا ہے جبکہ متاخرین اہل السنۃ والجماعۃ توصفات متشابہات میں تاویل کرتے ہیں۔ تو کیا متاخرین اہل السنۃ والجماعۃ راسخین فی العلم نہیں؟

جواب:

قرآن کریم میں راسخین فی العلم کی جو صفت بیان ہوئی کہ وہ تاویلات میں نہیں پڑتے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ درجہ یقین میں تاویل نہیں کرتے اور متاخرین اہل السنۃ والجماعۃ نے جو صفات متشابہات کا معنی بیان کیا ہے وہ درجہ ظن میں بیان کیا ہے، یہ عقیدہ تفویض کے منافی نہیں۔

اشکال:

متشابہات میں بحث کرنے کو اللہ تعالیٰ نے کج رُو لوگوں کا مشغلہ قرار دیا ہے تو اہل السنۃ والجماعۃ ان میں بحث کیوں کرتے ہیں؟ مثلاً استواء علی العرش، ید، عین،

وجہ پر بحث کرتے ہیں۔

جواب:

یہاں دو باتیں الگ الگ ہیں:

1: صفات متشابہات میں بحث کرنا

2: ان صفات میں بحث کرنے والوں کو جواب دینا

ہم اہل السنۃ والجماعۃ صفات متشابہات کی بحث میں نہیں پڑتے بلکہ اہل باطل جو متشابہات کی بحث میں پڑ کر امت کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اہم ان کو جواب دینے کے لیے بحث کرتے ہیں۔ اول مذموم ہے جبکہ ثانی محمود ہے۔

اشکال:

جب اللہ تعالیٰ مشابہات مخلوق سے پاک ہیں تو قرآن و حدیث میں ایسے الفاظ کیوں استعمال کیے گئے جو انسان کو وہم میں ڈال دیتے ہیں؟

جواب:

امام ابو الفرج عبد الرحمن بن ابی الحسن علی بن محمد تمیمی المعروف ابن الجوزی (ت 597ھ) ”دَفْعُ شُبُهَةِ التَّشْبِيهِ“ میں لکھتے ہیں:

إِنَّ الْخَلْقَ غَلَبَ عَلَيْهِمُ الْحُسْنُ فَلَا يَكَادُونَ يَعْرِفُونَ غَيْرَهُ وَسَبَبُهُ الْمَجَانَسَةُ لَهُمْ فِي الْحَدِيثِ فَعَبَدَ قَوْمٌ النُّجُومَ وَأَصَافُوا إِلَيْهَا الْمَنَافِعَ وَالْمَضَارَّ وَعَبَدَ قَوْمٌ النُّورَ وَأَصَافُوا إِلَيْهِ الْخَيْرَ وَأَصَافُوا الشَّرَّ إِلَى الظُّلْمَةِ وَعَبَدَ قَوْمٌ الْمَلَائِكَةَ وَقَوْمٌ الشَّمْسَ وَقَوْمٌ عَيْسَى وَقَوْمٌ عَزِيزَ وَعَبَدَ قَوْمٌ الْبَقَرَ وَالْأَكْثَرُونَ الْأَصْنَامَ فَأَنَسَتْ نَفُوسُهُمْ بِالْحُسْنِ الْمَقْطُوعِ بِوُجُودِهِ وَلِذَلِكَ قَالَ قَوْمٌ سَيِّدِنَا مُوسَى

عَلَيْهِ السَّلَامُ! "إِجْعَلْ لَنَا إِلَهًا" فَلَوْ جَاءَتِ الشَّيْءُ أَيْعَ بِالنَّزِيهِ الْمَحْضِ جَاءَتْ بِمَا يُطَاقُ النَّفْيُ فَلَمَّا قَالُوا: صِفْ لَنَا رَبَّكَ! نَزَلَتْ! "قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ" وَلَوْ قَالَ لَهُمْ: لَيْسَ بِجَسَمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَلَا عَرِضٍ وَلَا طَوِيلٍ وَلَا عَرِيزٍ وَلَا يَشْغُلُ الْأَمَكْنَةُ وَلَا يَحْجُوهِ مَكَانٌ وَلَا جِهَةٌ مِنَ الْجِهَاتِ السَّبْتُ وَلَيْسَ بِمُتَحَرِّكٍ وَلَا سَاكِنٍ وَلَا يُدْرِكُهُ الْإِحْسَاسُ لَقَالُوا: حَدِّ لَنَا النَّفْيَ بِأَنْ تَمَيِّزَ مَا تَدْعُونَا إِلَى عِبَادَتِهِ عَنِ النَّفْيِ وَإِلَّا فَأَنْتَ تَدْعُونَا إِلَى عَدَمِهِ.

دَفْعُ شُبُهَةِ النَّشِيْهِ لِابْنِ الْجَوْزِيِّ: ص 11

ترجمہ: انسانی طبیعت پر محسوسات اتنے غالب ہو گئے تھے کہ لوگ محسوسات کے بغیر (الہ کو) سمجھ ہی نہ پاتے تھے۔ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ ان کی گفتگو میں الہ کا تذکرہ محسوسات کی بنا پر ہی ہوتا تھا۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے ستاروں کی پرستش کی اور انہیں نفع و نقصان کا مالک قرار دیا۔ کچھ لوگوں نے نور کی پرستش کی اور اسے خیر کا مالک جبکہ ظلمت کو شر کا مالک قرار دیا۔ کسی نے فرشتوں کی، کسی نے سورج کی، کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی، کسی نے حضرت عزیر علیہ السلام کی، کسی نے گائے کی اور کئی لوگوں نے توتہوں کی پرستش کی۔ اس لیے طبائع انسانی حسی الہ کے وجود کے ساتھ ہی مانوس ہو کر رہ گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے (ان سے) کہا تھا کہ ہمارے لیے بھی ایسا معبود بنائیے جس طرح ان لوگوں کے معبود ہیں۔ اگر شریعت میں الہ کے خواص کو تنزیہ محض کی صورت میں بیان کیا جاتا تو صفات کو نافیہ ہی لایا جاتا۔ چنانچہ جب مشرکین نے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کیا کہ آپ اپنے رب کی صفات بیان کیجیے (کہ وہ کیسا ہے؟) تو "قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ" نازل ہوئی کہ کہہ دیجیے اللہ ایک ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ (صفات نافیہ ذکر کرتے ہوئے) یہ فرمادیتے کہ ”وہ نہ جسم ہے، نہ جوہر، نہ طویل، نہ عریض، نہ اکنہ میں اتر کر ان کو بھر سکتا ہے اور

نہ کوئی مکان اس کا احاطہ کر سکتا ہے اور نہ اس کے لیے جہات ستہ میں سے کوئی جہت ثابت ہے، نہ ہی وہ متحرک ہے، نہ ساکن ہے، نہ اسے محسوس کیا جاسکتا ہے، تو مشرکین کہہ اٹھتے کہ آپ اس ”نہ ہونے والی ذات“ (مطلب کہ یہ بھی نہیں، یہ بھی نہیں، تو وہ نہ ہونے والی ذات ہے کیا؟) کی تعریف تو کریں تاکہ آپ صفات منفیہ بیان کر کے جس ذات کی عبادت کی دعوت دے رہے ہیں وہ واضح تو ہو ورنہ یہ تو ایسا ہے کہ آپ ہمیں معدوم کی عبادت کی طرف بلارہے ہیں۔

فائدہ: صفات متشابہ کی مزید تفصیل کے لیے بندہ کی مرتب کردہ فائل ”القواعد فی العقائد“ ملاحظہ فرمائیں۔

### تقدیر الہی کا بیان

خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَى الْأَشْيَاءَ لَا مِنْ شَيْءٍ وَكَانَ اللَّهُ تَعَالَى عَالِمًا فِي الْأَزَلِ بِأَلْأَشْيَاءِ قَبْلَ كَوْنِهَا وَهُوَ الَّذِي قَدَّرَ الْأَشْيَاءَ وَقَضَاهَا وَلَا يَكُونُ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ شَيْءٌ إِلَّا بِمَشِيئَتِهِ وَعَلَيْهِ وَقَضَائِهِ وَقَدَرُهُ وَكُتِبَ فِي اللُّوحِ الْمَحْفُوظِ وَلَكِنْ كُتِبَ بِالْوَصْفِ لَا بِالْحُكْمِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو کسی مادہ کے بغیر پیدا فرمایا۔ اشیاء کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کو ازل سے ان کا علم تھا۔ اس نے تمام مخلوق کے لیے کچھ چیزیں مقرر کیں اور ان میں اپنا حکم جاری فرمایا۔ دنیا و آخرت میں جو چیز بھی وقوع پذیر ہوگی وہ اس کی مشیت، علم، فیصلہ، تقدیر اور لوح محفوظ کے نوشتہ کے مطابق ہی ہوگی البتہ لوح محفوظ میں اس کو باعتبار وصف کے تحریر فرمایا نہ کہ باعتبار حکم کے۔

قَوْلُهُ: خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَى الْأَشْيَاءَ لَا مِنْ شَيْءٍ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو کسی مادہ کے بغیر پیدا فرمایا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت میں بدیع، مبدی، فاطر اور منشی جیسی صفات کا مفہوم بیان فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا فرمایا لیکن اسے کسی مادے کی ضرورت نہیں پڑی کہ پہلے وہ مادہ موجود ہو تب عالم کو تخلیق کریں بلکہ تمام مخلوقات کو بغیر مادے کے عدم سے وجود بخشا ہے۔

فائدہ نمبر 1:

فلاسفہ اس بات کے قائل ہیں کہ خالق نے جب موجودات کو وجود بخشا تو انہیں ایک مادہ سے پیدا کیا۔ مادہ موجودات کے وجود سے پہلے موجود تھا۔ اسے فلسفہ کی زبان میں ”ہیولی“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ”ہیولی“ یونانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ”اصل“ اور ”مادہ“ ہے۔

لیکن ان کا یہ قول چند وجوہات کی بنا پر غلط ہے:

نمبر 1: اس پر کوئی نص صریح یا نقل صحیح موجود نہیں، محض وہم کی بناء پر عقائد ثابت نہیں ہوتے۔

نمبر 2: اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرح ”مادہ“ بھی قدیم ہو۔ یوں تعددِ قدماء لازم آئے گا اور یہ عقیدہ توحید کے منافی ہے۔

نمبر 3: اگر مادے کو موجودات پر مقدم مانا جائے تو ایک موجد اور خالق عالم میں فرق باقی نہ رہے گا۔ موجد بھی موجود اشیاء کو اپنی کاریگری سے ایک نیا وجود عطا کرتا ہے۔ تو اگر خالق عالم کے لیے بھی یہی معاملہ تسلیم کر لیا جائے تو خالق عالم اور موجد میں سوائے مخصوص صنعت اور کاریگری کے کوئی اور فرق باقی نہ رہے گا جبکہ خالق کا مخلوق

کے مشابہ نہ ہونا ایک طے شدہ بات ہے۔

نمبر 4: اس نظریے سے خالق کی احتیاج لازم آتی ہے کہ موجودات کو عدم سے وجود میں لانے کے لیے وہ ”مادہ“ کے محتاج تھے۔ محتاج ہونا اللہ تعالیٰ کی شانِ صمدیت کے خلاف ہے۔

فائدہ نمبر 2:

کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا ”تخلیق“ اور موجود کو نئی شکل دینا ”ایجاد“ کہلاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ بغیر مادہ کے اشیاء کو پیدا فرماتے ہیں تو ان کو ”خالق“ کہتے ہیں اور انسان اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل سے نئی شکل دیتا ہے تو اسے ”موجد“ کہتے ہیں۔

قَوْلُهُ: وَكَانَ اللَّهُ تَعَالَى عَالِمًا فِي الْأَزَلِ بِأَلْأَشْيَاءِ قَبْلَ كَوْنِهَا وَهُوَ الَّذِي قَدَّرَ الْأَشْيَاءَ وَقَضَاهَا

ترجمہ: اشیاء کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کو ازل سے ان کا علم تھا۔ اس نے تمام مخلوق کے لیے کچھ چیزیں مقرر کیں اور ان میں اپنا حکم جاری فرمایا۔

اللہ تعالیٰ جس طرح ازلی ذات ہے اسی طرح اس کا علم بھی ازلی ہے۔ اللہ تعالیٰ موجودات کو وجود عطا کرنے سے پہلے ہی ان کے متعلق جانتے تھے کہ جب انہیں وجود عطا ہو گا تو وہ کس طرح ہوں گی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا اور ان کے لیے کچھ چیزیں مقرر کیں۔ مثلاً انسان کو پیدا فرمایا تو اس کی جسمانی ساخت سر، دھڑ، ہاتھ، پاؤں وغیرہ کو پیدا فرمایا۔ اسی طرح اس کا رزق، عزت، ذلت، بلندی، پستی وغیرہ جیسی چیزوں کو بھی مقرر فرمایا۔ مخلوق کو جن چیزوں کی ضرورت پڑتی



ہے وہ بھی پیدا فرمائیں اور کتنی مقدار میں ضرورت پڑتی ہے اتنی مقدار میں پیدا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کا مخلوقات کو پیدا فرما کر ان کے لیے ضروری اشیاء کو مقرر فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی تخلیق سے پہلے انہیں جانتے تھے تب ہی تو ان کی تخلیق کے ساتھ ساتھ آئندہ پیش آنے والی چیزوں کو بھی متعین فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ

القمر: 49

ترجمہ: ہم نے ہر چیز کو ناپ تول کر پیدا فرمایا ہے۔

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ؕ

سورة التوبة: 78

ترجمہ: کیا ان لوگوں کو اس بات کا علم نہیں کہ اللہ ان کی پوشیدہ اور ظاہری سب باتوں کو جانتے ہیں اور اللہ تمام غیب کی باتوں کا علم رکھتا ہے۔

قَوْلُهُ: وَلَا يَكُونُ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ شَيْءٌ إِلَّا بِمَشِيئَتِهِ وَعَلَيْهِ وَقَضَائِهِ وَقَدَرُهُ وَكُتِبَ فِي اللُّوحِ الْمَحْفُوظِ وَلَكِنْ كُتِبَ بِالْوَصْفِ لَا بِالْحُكْمِ

ترجمہ: دنیا و آخرت میں جو چیز بھی وقوع پذیر ہوگی وہ اس کی مشیت، علم، فیصلہ، تقدیر اور لوح محفوظ کے نوشتہ کے مطابق ہی ہوگی البتہ لوح محفوظ میں اس کو باعتبار وصف کے تحریر فرمایا نہ کہ باعتبار حکم کے۔

اس عبارت میں چند الفاظ استعمال ہوئے ہیں، پہلے ان کا معنی سمجھ لیا جائے:

مشیت:

اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ میں بندوں کو نیکی اور برائی دونوں کا اختیار دوں۔ اب

بندے کی مرضی کہ نیکی والا اختیار استعمال کر کے نیک کام کرے یا برائی والا اختیار استعمال کر کے گناہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی چاہت سے بندے کو نیکی یا برائی کا اختیار دینا ”مشیت“ ہے۔

علم:

دنیا میں جو کچھ ہو گا وہ اللہ تعالیٰ پہلے سے جانتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص نے اپنے اختیار سے اطاعت والے کام کرنے ہیں یا نافرمانی کا ارتکاب کرنا ہے، یہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ اسی کا نام ”علم باری تعالیٰ“ ہے۔

قضاء:

بندہ جب کسی کام کے لیے اسبابِ خیر یا اسبابِ شر اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کام کے ہونے کا فیصلہ فرمادیتے ہیں۔

قدر (تقدیر):

تقدیر: علم الہی اور امر الہی کے مجموعے کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ وہ بندے کو اختیار دیں گے تو بندہ اپنے اختیار سے یہ کام کرے گا یہ علم الہی ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا کہ بندہ یہ کام کرے گا یہ امر الہی ہوا۔ اب علم الہی؛ امر الہی کے خلاف ہو یا امر الہی؛ علم الہی کے خلاف ہو ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو تقدیر صرف ”علم الہی“ کا نام نہیں بلکہ تقدیر علم الہی اور امر الہی کے مجموعے کا نام ہے۔ نیز بندہ مجبور محض بھی نہیں کیونکہ بندہ اپنے اختیار سے کام کر رہا ہے۔

اب عبارت کا مفہوم سمجھیں!

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں جو

واقعات و حادثات رونما ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت، علم، قضاء، تقدیر اور لوح محفوظ کے لکھے ہوئے کے بالکل مطابق ہوں گے۔ مثلاً زید کے قرآن کریم حفظ کرنے کا واقعہ رونما ہوا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ”مشیت“ کے موافق ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تھا کہ میں زید کو اختیار دوں گا اور یہ اپنے اختیار سے حفظ کرے گا۔ زید کا حفظ قرآن اللہ تعالیٰ کے ”علم“ کے مطابق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ زید یہ عمل کرے گا۔ زید کا یہ عمل اللہ کی ”قضا اور فیصلہ“ کے بھی مطابق ہے کیونکہ زید نے حفظ قرآن کے اسباب اختیار کیے، قاری صاحب کے پاس گیا، یاد کرنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے حفظ کرنے کا فیصلہ بھی فرما دیا۔ یہ حفظ ”تقدیر الہی“ کے بھی مطابق ہے کیونکہ علم الہی اور امر الہی دونوں کے موافق ہے۔ یہ ”لوح محفوظ کے لکھے ہوئے“ کے بھی موافق ہے کیونکہ اللہ نے اپنے علم ازلی کی بنا پر لوح محفوظ میں لکھوا دیا تھا۔ تو دنیا اور آخرت میں واقعات کا ہونا یہ اللہ تعالیٰ کے علم، قدرت اور مشیت سے باہر نہیں۔ ہاں البتہ یہ ملحوظ رہے کہ لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا گیا ہے کہ یہ ہو گا تو یہ ”ہونا“ وصف کے اعتبار سے ہے، نہ کہ حکم کے اعتبار سے۔ مثلاً زید نے عمرو کو قتل کرنا تھا تو اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا زید یہ کام کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے لوح محفوظ میں لکھ لیا۔ اب لکھنے کا معنی حکم نہیں کہ ”زید عمرو کو قتل کرے“، بلکہ لکھا جانا وصف کے اعتبار سے ہے کہ ”زید عمرو کو قتل کرے گا۔“

فائدہ:

لوح محفوظ میں امور کا لکھا جانا وصف کے اعتبار سے ہے نہ کہ حکم کے اعتبار سے۔ اگر یہ نکتہ سمجھ میں آجائے تو فرقہ جبریہ کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔ فرقہ جبریہ انسان کو مجبور محض مانتا ہے۔ اس کا یہ کہنا ہے کہ انسان سے جن کاموں کا صدور ہوا ہے

یہ لوح محفوظ میں لکھے ہوئے کی وجہ سے ہوا ہے، اس میں انسان کا ذاتی کوئی اختیار نہیں، اس لیے انسان مجبور محض ہے۔

جبریہ کے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ موقف اس وقت درست ہو گا جب یہ لکھا جانا ”حکم“ کے اعتبار سے ہو لیکن ایسا نہیں، لوح محفوظ میں امور کا لکھا جانا ”وصف“ کے اعتبار سے ہے، اس لیے بندہ مجبور محض نہیں!

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الیہی (ت 458ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ شَيْءٍ الْقَلَمُ فَقَالَ: اكْتُبْ. قَالَ: يَا رَبِّ وَمَا أَكْتُبُ؟ قَالَ: اكْتُبِ الْقَدَرَ. قَالَ: تَجْزِي بِمَا هُوَ كَائِنْ مِنْ ذَلِكَ الْيَوْمِ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ.

السنن الکبریٰ للبیہقی: ج 9 ص 3 رقم الحدیث 18157

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سب سے پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی وہ قلم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم فرمایا کہ لکھو! قلم نے عرض کیا: اے میرے رب! میں کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تقدیر کو لکھو! تو قلم چلنا شروع ہوا اور اس دن سے لے کر قیامت تک جو ہونا ہے وہ سارا لکھ لیا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو یہ حکم دیا کہ قیامت تک جو کچھ ہونا ہے وہ لکھو! یہ نہیں فرمایا کہ ”یہ لکھو کہ قیامت تک فلاں فلاں واقعہ رونما ہو!“ تو حدیث میں کتابت بالوصف کا ذکر ہے، نہ کہ کتابت بالحکم کا۔

## قضاء، قدر اور مشیتِ الہیہ کا ازلی ہونا

وَالْقَضَاءُ وَالْقَدَرُ وَالْمَشِيئَةُ صِفَاتُهُ فِي الْأَزَلِ بِلَا كَيْفٍ يَعْلَمُ اللَّهُ تَعَالَى الْمَعْدُومَ فِي حَالِ عَدَمِهِ مَعْدُومًا وَيَعْلَمُ أَنَّهُ كَيْفَ يَكُونُ إِذَا أَوْجَدَهُ وَيَعْلَمُ اللَّهُ الْمَوْجُودَ فِي حَالِ وُجُودِهِ مَوْجُودًا وَيَعْلَمُ أَنَّهُ كَيْفَ يَكُونُ فَنَاقُضًا وَيَعْلَمُ اللَّهُ الْقَائِمَ فِي حَالِ قِيَامِهِ قَائِمًا وَإِذَا قَعَدَ فَقَدْ عَلِمَهُ قَاعِدًا فِي حَالِ قُعُودِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَتَغَيَّرَ عَلَيْهِ أَوْ يَخْدُثَ لَهُ عِلْمٌ وَلَكِنْ التَّغْيِيرُ وَالْإِخْتِلَافُ يَخْدُثُ عِنْدَ الْمَخْلُوقِينَ.

ترجمہ: قضاء، قدر اور مشیت اللہ تعالیٰ کی ازلی صفات ہیں جو بلا کیف ہیں۔ اللہ تعالیٰ معدوم چیز کو اس وقت بھی جانتا ہے جبکہ وہ ابھی حالت عدم میں ہو اور یہ بھی جانتا ہے کہ جب اسے (یعنی شے معدوم کو) وجود عطا کرے گا تو وہ کیسی ہوگی؟ اسی طرح اللہ تعالیٰ موجود شے کو اس کی موجودہ حالت میں بھی جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ وہ کب فنا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ ہر کھڑی ہونے والی چیز کو اس کے قیام کی حالت میں بھی جانتا ہے اور جب وہ چیز بیٹھے تو اس کا بھی اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے۔ (ان تمام باتوں میں) نہ تو اس کے علم میں کوئی تغیر پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے علم میں کوئی نئی بات آتی ہے (کیونکہ ہر چیز وہ پہلے سے ہی جانتا ہے) ہاں تغیر اور تبدیلی جو پیدا ہوتی ہے تو وہ مخلوق کے اعتبار سے پیدا ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے جو ازل سے اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ دنیا میں جو کچھ وقوع پذیر ہوا، جو کچھ ہو رہا ہے اور جو آئندہ ہو گا یہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کے کامل ہونے کی دلیل ہے۔ اگر مخلوق کے واقعات ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کو ان واقعات کا علم ہونا تسلیم کیا جائے تو یہ نقص ہے کہ وصفِ علم اللہ

تعالیٰ میں پہلے نہ تھی، جب واقعہ رونما ہوا تو بعد میں اللہ تعالیٰ اس سے منصف ہو گیا۔ یہ دلیل نقص ہے اور اللہ تعالیٰ نقائص سے پاک ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا اشیاء کو ان کی ہر حالت میں جاننا ثابت ہوا۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ اشیاء میں جب کوئی تغیر رونما ہوتا ہے مثلاً زید پیدا ہوا، اس نے علم حاصل کیا، بالآخر فوت ہو گیا۔ تو زید کے یہ احوال مختلف اوقات میں پیش آئے۔ اللہ تعالیٰ یہ احوال جانتے ہیں لیکن اس کا معنی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تغیر آیا ہو کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے اس چیز کے احوال کا علم نہ تھا یا یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں اب آئی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل ہی سے ان احوال سے باخبر تھے۔ ہاں واقعات میں تغیر مخلوق کے اعتبار سے ہوتا ہے، خالق کے اعتبار سے نہیں۔

### توضیح بالمثال:

ایک شخص کی قیام کی حالت کو لوگ اس وقت دیکھتے ہیں جب وہ شخص کھڑا ہوتا ہے۔ قیام کی حالت میں لوگ اس کے بیٹھنے کی حالت کو نہیں دیکھتے جبکہ اللہ تعالیٰ اس کے کھڑے ہونے کی حالت میں اس کے بیٹھنے کی حالت کو بھی جانتے ہیں گو یہ شخص ابھی بیٹھا نہ بھی ہو۔ تو بندے کے قیام کے وقت اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کے قعود کی حالت بھی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ مثال سے پاک ہیں لیکن سمجھانے کے لیے مثال پیش کی جاتی ہے کہ جس طرح ایک آدمی قریب والے شخص کو تو دیکھ رہا ہوتا ہے لیکن دور والے شخص کو نہیں دیکھ سکتا۔ ایک دوسرا آدمی دور بین لگا کر بیٹھا ہو تو اس کو دور والا شخص بھی اسی طرح نظر آتا ہے جس طرح جس قریب والا شخص نظر آتا ہے۔ یہ دور والا شخص دور بین کے بغیر دیکھنے والے آدمی کے لیے تو غائب ہے لیکن دور بین والے آدمی کے

لیے وہ شخص غائب نہیں بلکہ اس کے لیے قریب والا اور دور والا دونوں برابر ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے قیام والے شخص کی حالتِ قعود ایسے ہی ہے جس طرح اس کی ابھی والی حالتِ قیام سامنے ہے۔

## فطرتِ انسانی

خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَى الْخَلْقَ سَلِيمًا مِّنَ الْكُفْرِ وَالْإِيمَانِ ثُمَّ خَاطَبَهُمْ وَأَمَرَهُمْ وَنَهَاهُمْ فَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ بِفِعْلِهِ وَإِنْكَارِهِ وَجُحُودِهِ الْحَقِّ بِخِلَافِ اللَّهِ تَعَالَى إِيَّاهُ وَأَمَنَ مَنْ آمَنَ بِفِعْلِهِ وَإِقْرَارِهِ وَتَصَدِيقِهِ بِتَوْفِيقِ اللَّهِ تَعَالَى إِيَّاهُ وَنُصْرَتِهِ لَهُ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو کفر و ایمان سے خالی پیدا فرمایا۔ پھر انہیں خطاب فرمایا اور کچھ کاموں کے کرنے کا حکم دیا اور کچھ سے منع فرمایا۔ پھر کسی نے باختیارِ خود (احکاماتِ خداوندی کا) انکار کیا اور (راہِ حق کی) مخالفت کی جس کی وجہ سے توفیقِ الہی اس کے شامل حال نہ رہی تو وہ کافر ہو گیا، اور کسی نے باختیارِ خود (احکاماتِ خداوندی کا) اقرار کیا اور تصدیق کی جس کی وجہ سے توفیق و نصرتِ الہی اس کے شامل حال ہوئی تو وہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو اسے کفر اور ایمان سے خالی پیدا فرمایا۔ البتہ ان میں یہ صلاحیت رکھ دی کہ کفر کو اختیار کرنا چاہے یا ایمان کو تو اختیار کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے جبراً کسی ایک جہت کا پابند نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَالْهَبْهَا فَجُورَهَا وَتَقْوَاهَا

ترجمہ: قسم ہے نفس کی اور اس ذات کی جس نے اسے درست کیا (یعنی بنایا) اور اس میں گناہ کرنے کا اور گناہ سے بچنے کا مادہ ودیعت فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں گیارہ قسمیں کھا کر اس مضمون کو بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو ”فُجُورُهَا“ گناہ کی طاقت اور ”تَقْوَاهَا“ اس کو کٹرول کرنے کی طاقت دی ہے۔

کفر اور ایمان سے مبرا پیدا فرما کر انہیں اطاعت کا حکم دیا اور نافرمانی سے منع فرمایا۔ اب یہ انسانی فعل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کس جانب کو اختیار کرتا ہے اور کس جانب کو مسترد کرتا ہے۔ اسی پر انسان کی کامیابی کا مدار ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا

سورۃ الکہف: 29

ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ حق تمہارے رب کی جانب سے (واضح ہو چکا) ہے اس لیے جس کا دل چاہے ایمان لائے اور جس کا دل چاہے کفر اختیار کرے۔ ہم نے (انکار کرنے والے) ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے۔

جب کوئی شخص حق کا انکار کرے تو اس نے خود ہی قبول حق کی استعداد کو ختم کر دیا۔ ظاہر ہے اب خدا تعالیٰ کی طرف سے ناکامی اس کا مقدر بنے گی اور بالآخر یہ شخص جادہ حق سے ہٹ کر گمراہ ہو جائے گا۔ یہی اللہ تعالیٰ کی جانب سے خذلان ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص خدا داد صلاحیت سے حق کی راہ پر چلتا ہے تو نتیجہ کامیابی اس کا مقدر بنے گی۔ یہی خدا تعالیٰ کی طرف سے توفیق کا ملنا ہے۔

اشکال:

”مَنْ كَفَرَ بِفَعْلِهِ وَإِنْكَارِهِ وَجُودِهِ الْحَقِّ يَخْذَلَانِ اللَّهُ تَعَالَىٰ إِيَّاهُ وَأَمِنْ مَنْ آمَنَ



يَفْعَلُهُ وَإِقْرَارِهِ وَتَصْدِيقِهِ بِتَوْفِيقِ اللَّهِ تَعَالَى إِنَّا لَهُ وَنُصَرِّتُهُ لَهُ.... جب اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو بندہ کیسے ایمان لائے؟ اور جب اللہ تعالیٰ کسی کو ہدایت دینے کا فیصلہ فرمائے تو بندہ کیسے کفر کرے؟ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بندہ مجبور محض ہے۔

جواب:

یہ اشکال اس وقت ہوتا ہے جب ”يُخَذِّلَانِ اللَّهُ تَعَالَى“ اور ”بِتَوْفِيقِ اللَّهِ تَعَالَى“ میں ”با“ تعلیل کا ہو لیکن یہاں ”با“ تعلیل کا نہیں بلکہ عاقبت اور نتیجہ کا ہے۔ جس طرح قرآن کریم میں ہے:

فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ

سورة القصص: 8

ترجمہ: فرعون کے لوگوں نے اس (بچے) کو اٹھالیا تاکہ یہ بچہ ان کا دشمن اور غم کا ذریعہ بنے۔ بے شک فرعون، ہامان اور ان دونوں کا لشکر خطا پر تھے۔

یہاں بھی ”لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا“ میں ”لام“ عاقبت اور انجام کا ہے۔

یعنی انہوں نے اس بچے کو اس لیے نہیں اٹھایا تھا کہ ان کا دشمن بنے بلکہ اٹھایا تو اس لیے تھا کہ ان کا بیٹا بنے اور ان کے لیے خوشی کا سبب ہو لیکن نتیجہ یہ نکلا وہ بچہ ان کا دشمن بنا اور ان کے غم کا ذریعہ بنا۔

اسی طرح قرآن کریم میں ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا

سورة النساء: 35

ترجمہ: اگر تمہیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ خاوند اور بیوی کے درمیان تعلقات خراب ہو جائیں گے تو ایک منصف مرد کے خاندان سے اور ایک منصف عورت کے خاندان سے منتخب کرو، اگر یہ دونوں صلح کروانا چاہیں تو اللہ دونوں میاں بیوی میں اتفاق پیدا فرمادے گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ جب مخلص ہو کر کوئی کام کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ اسے اسباب عطا فرمادیتے ہیں۔ اسی کا نام ”توفیق“ ہے۔

### وعدۃ الست

أَخْرَجَ ذُرِّيَّةَ آدَمَ مِنْ صُلْبِهِ فَجَعَلَهُمْ عُقَلَاءَ فَخَاطَبَهُمْ وَأَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ وَنَهَاهُمْ عَنِ الْكُفْرِ فَأَقْرَبُوا إِلَهُ بِالرَّبُّوبِيَّةِ فَكَانَ ذَلِكَ مِنْهُمْ إِيْمَانًا فَهُمْ يُؤَلَّدُونَ عَلَى تِلْكَ الْفِطْرَةِ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَقَدْ بَدَّلَ وَغَيَّرَ وَمَنْ آمَنَ وَصَدَّقَ فَقَدْ ثَبَّتَ عَلَيْهِ وَدَاوَمَ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو پیدا فرمایا۔ پھر ان میں عقل کی دولت ودیعت فرمائی۔ پھر انہیں خطاب فرمایا اور ایمان لانے کا حکم دیا اور کفر سے منع فرمایا۔ (اس خطاب کے نتیجے میں) انہوں نے خدا تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ یہ اقرار دراصل ان کی طرف سے ایمان کا اظہار تھا۔ اسی فطرت پر یہ لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ پھر جو شخص اس کے بعد کفر کرتا ہے تو وہ اپنی اس فطرت کو تبدیل کر ڈالتا ہے اور جو ایمان لاتا اور تصدیق کرتا ہے تو وہ اسی فطرت کو اپناتے ہوئے اس پر ثابت قدم رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد سے اپنی

ربوبیت کا جو اقرار کروایا تھا اسے ”وعدۃ الست“ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی ساری اولاد کو چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی طرح نکالا جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی، پھر ان میں ارواح ڈالیں اور ان سے عہد لے کر اپنے رب ہونے کا اعتراف کروایا۔ اس عہد لینے کا ذکر قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں موجود ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۖ شَهِدْنَا ۚ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ ۝

سورة الاعراف: 172

ترجمہ: اس وقت کو یاد کیجیے جب آپ کے رب نے بنی آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور انہیں خود انہی پر گواہ بناتے ہوئے پوچھا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں؟ ہم سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔ (اور یہ اقرار ہم نے اس لیے لیا تھا) تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہمیں تو اس بات کا پتا ہی نہیں تھا۔

امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل البغدادی (ت 241ھ) حدیث مبارک روایت کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَخَذَ اللَّهُ الْمِيثَاقَ مِنْ ظَهْرِ آدَمَ بِنِعْمَانَ يَعْنِي عَرَفَةَ فَأَخْرَجَ مِنْ صُلْبِهِ كُلَّ ذُرِّيَّةٍ ذَرَأَاهَا فَتَنَّهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ كَالدَّخْلِ ثُمَّ كَلَّمَهُمْ قَبْلًا قَالَ "أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" قَالُوا بَلَىٰ ۖ شَهِدْنَا ۚ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میدان عرفہ کی وادی نعمان میں آدم علیہ السلام کی اولاد سے عہد لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے آپ کی (قیامت تک کی) ساری اولاد کو نکالا اور اپنے سامنے ایک جگہ اس طرح جمع فرمایا کہ وہ سب چیونٹیوں کے برابر جسم رکھتے تھے۔ پھر ان سے یہ عہد لیا اور فرمایا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں؟ ہم سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔ (یہ اقرار ہم نے اس لیے لیا تھا) تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہمیں تو اس بات کا پتا ہی نہیں تھا۔

اشکال:

قرآن مجید کی آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کی پشت سے ان کی نسل کو نکال کر ان سے عہد لیا گیا جبکہ مسند احمد کی حدیث کے مطابق خود حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی نسل کو نکال کر یہ عہد لیا گیا۔ بظاہر دونوں میں تعارض ہے۔

جواب:

حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان لوگوں کو نکالا گیا تھا جو براہ راست حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا ہونے والے تھے اور اولادِ آدم کی پشت سے ان کو نکالا گیا جو اولادِ آدم کی پشت سے پیدا ہونے والے تھے۔ یعنی پہلے تو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی براہ راست اولاد کو نکالا گیا پھر اس اولاد کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا گیا اور یوں تمام سے عہد لیا گیا۔ اب کوئی تعارض نہیں۔

فائدہ: یہ عہد اس وقت لیا گیا جب آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تھا۔ مسند احمد

کی مذکورہ حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے:

أَخَذَ اللَّهُ الْبَيْثَاقَ مِنْ ظَهْرِ آدَمَ بْنِ عَمَّانَ يَعْنِي عَرَفَةَ.

مسند احمد: ج 3 ص 118 رقم الحدیث 2455

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے میدان عرفہ کی وادی نعمان میں آدم علیہ السلام کی اولاد سے عہد لیا تھا۔

سوال:

اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کا جو اقرار لیا تھا اس کا کیا فائدہ ہوا؟

جواب

اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کا اقرار اس لیے لیا تھا تا کہ عقیدہ ربوبیت انسان کی فطرت میں شامل ہو سکے۔ انسانی فطرت آج اس بات پر متفق ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی عالم کارب ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انسان کو جب کوئی مصیبت اور پریشانی لاحق ہوتی ہے یا انسان کے احوال اس کے موافق نہیں ہوتے تو اس میں طبعی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجحان ہونے لگتا ہے۔ یہ اسی ”وعدۃ الست“ کا اثر ہے۔

سوال:

یہ عہد کسی کو بھی یاد نہیں کہ اس نے خدا کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا۔ اس لیے عہد لیے جانے کا بظاہر کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔

جواب:

1: یہاں دو باتیں قابل غور ہیں: ایک عمل اور دوسرا اس عمل کا اثر۔ عہد الست کا عمل اگرچہ یاد نہیں لیکن اس کے اثرات آج بھی موجود ہیں۔ آثار کا باقی رہنا بھی

مفید ہے اس لیے عہدِ الست بے فائدہ نہ ہوا۔ اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے جیسے ایک جید عالم فاضل ہے جو ایک طویل عرصہ سے دینِ متین کی خدمت کر رہا ہو۔ اسے اپنے بچپن کے واقعات جس میں وہ ابتدائی تعلیم میں منہمک ہوا کرتا تھا یاد نہیں ہوں گے۔ استاد کا لکھنا سکھانا، قرأت کے لہجے سکھانا اسے یاد نہ ہو گا لیکن اس کے آثار موجود ہیں کہ عالم فاضل ہے اور اسی ابتدائی تعلیم و تربیت کی بنا پر اچھا خاصا پڑھ لکھ سکتا ہے۔ بعینہ اسی طرح گو عہدِ الست کا وہ ماحول اور واقعہ یاد نہ ہو لیکن اس کے آثار موجود ہیں کہ انسان کا طبعی میلان رب تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے۔ یہ اسی عہدِ الست کا اثر ہے۔

2: امت کے بعض افراد کو یہ وعدہ اب بھی یاد ہے۔ معروف مفسر علامہ اسماعیل حق بن مصطفیٰ الحنفی (ت 1127ھ) لکھتے ہیں:

وَسُئِلَ ذُو النُّونِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ سَيِّدٍ مِيثَاقٍ مَقَامٍ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ هَلْ تَذَكَّرُهُ؟ فَقَالَ: كَأَنَّهُ الْآنَ فِي أُذُنِي.

روح البیان: ج 3 ص 209 تحت قولہ تعالیٰ ”وَإِذَا أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ“، سورۃ

الاعراف: 172

ترجمہ: حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب آپ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کو وعدہ الست یاد ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: (جلی کی) آواز تو اب بھی میری کانوں میں گونج رہی ہے۔

فائدہ: ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف

آپ کا نام ثوبان بن ابراہیم، کنیت ابو الفیض اور لقب ذوالنون ہے۔ سن 179ھ میں مصر میں پیدا ہوئے۔ صوفیاء کے حلقہ میں بلند مقام کے مالک تھے۔ علم و فضل میں اپنی مثال آپ تھے۔ کئی کتب تالیف کیں جن میں معرف کتاب ”حل

الرموز“ ہے۔

آپ کے بارے میں مشائخ طریقت رطب اللسان ہیں۔ شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ آپ کو ”سلطان معرفت و توحید“ اور ”قطب وقت“ کے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ عبد الرحمن بن احمد بن محمد المعروف نور الدین جامی نے آپ کو ”امام تصوف“ قرار دیا۔ ملا جامی فرمایا کرتے تھے کہ صوفیاء کرام کسی نہ کسی جہت سے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتہ نظر آتے ہیں۔

آپ کے حکمت بھرے اقوال علماء اور صوفیاء کے حلقوں میں معروف ہیں۔

سن 245ھ میں فوت ہوئے۔

سوال:

”وَأَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ وَنَهَاهُمْ عَنِ الْكُفْرِ“ اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کا حکم فرمایا اور کفر سے روکا۔ اس امر و نہی کی رو سے تمام لوگ ایمان لاتے اور کوئی بھی کافر نہ ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ

سورۃ یسین: 82

ترجمہ: اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کر لے تو صرف اتنا ہی کہتا ہے: ہو جا! بس وہ ہو جاتی ہے۔

جبکہ کئی لوگ ایمان نہیں لائے بلکہ انہوں نے کفر اختیار کیا۔

جواب:

اس آیت ”إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ“ میں امر و نہی سے مراد امر و نہی تکوینی ہے، تشریعی نہیں۔ کیونکہ امر و نہی تشریعی میں دوسری

جہت کا اختیار ہی نہیں ہوتا جبکہ امر و نہی تشریعی میں اللہ تعالیٰ ایک چیز کا حکم فرماتے ہیں اور دوسری چیز کا اختیار بھی ہوتا ہے۔

فائدہ:

قَوْلُهُ ”وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَقَدْ بَدَّلَ وَغَيَّرَ“

اس عبارت میں دو الفاظ ”تبدیل“ اور ”تغییر“ کا معنی سمجھ لیں۔

تغییر اور تبدل:

تغییر: ایک چیز کا رکھ لینا اور دوسری بھی لے آنا۔ تبدل: ایک چیز کو واپس کر کے دوسری لے آنا۔

جیسے ایک شخص اپنے والد کے لیے کپڑے لایا۔ والد صاحب کو پسند نہ ہوں اور وہ شخص یہ کپڑے خود رکھ لے اور والد صاحب کے لیے دوسرے لائے تو اسے ”تغییر ثوب“ کہیں گے۔ اور اگر وہ کپڑے دکان پر واپس کر کے دوسرے لے آئے تو اسے ”تبدیل ثوب“ کہیں گے۔

قرآن کریم میں اس کی مثال موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذَا تَنَلَّثَلْ عَلَيْهِمْ أَيَاتُنَا يَبْذُرْنَ لِذَيْنَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا آتٍ بِغُرَانٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدَّلَهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تَلْقَائِي نَفْسِي إِنْ أَتَّبَعُ إِلَّا مَا يُؤْتَى إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ أَنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابٌ يَوْمٍ عَظِيمٍ

سورۃ یونس: 15

ترجمہ: جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ کوئی اور قرآن لے کر آؤ یا اس میں تبدیلی کرو۔



اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دو کہ مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی کروں، میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔

مندرجہ بالا آیت میں کفار کی طرف سے تغیر یا تبدیل کے مطالبے کے جواب میں ”تبدیل قرآن“ کی نفی ہے اور درج ذیل آیت میں ”تغیر قرآن“ کی نفی ہے:

وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُوكَ عَنِ الذِّكْرِ أَوْ حِينًا إِلَيْكَ لَتَفْتُنَی عَلَيْنَا غَیْبٌۢ ۖ وَإِذَا لَأَتَّخِذُوكَ خَلِیْلًا

سورة الاسراء: 73

ترجمہ: اور (اے پیغمبر) جو وحی ہم نے تمہارے پاس بھیجی ہے، یہ (کافر) لوگ تمہیں فتنے میں ڈال کر اس سے ہٹانے لگے تھے، تاکہ تم اس کے بجائے کوئی اور بات ہمارے نام پر گھڑ کر پیش کرو، اور اس صورت میں یہ تمہیں اپنا گہرا دوست بنا لیتے۔  
تبدیل اور تغیر کے مذکورہ بالا معنی کی روشنی میں امام اعظم رحمہ اللہ کی عبارت کو سمجھیں!

”فَقَدْ بَدَّلَ“ کا معنی یہ ہے کہ انسان نے وعدہ الست میں ربوبیت کا اقرار کیا تھا لیکن اب اسے چھوڑ دیا یعنی دہریہ ہو گیا۔ ”وَعَيَّرَ“ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار بھی کرتا ہے لیکن غیر اللہ کو بھی رب مانتا ہے یعنی مشرک ہو گیا۔

## ایمان اور فطرتِ انسانی

وَلَمْ يُجِبْ أَحَدًا مِنْ خَلْقِهِ عَلَى الْكُفْرِ وَلَا عَلَى الْإِيمَانِ وَلَا خَلَقَهُمْ مُؤْمِنًا وَلَا كَافِرًا وَلَكِنْ خَلَقَهُمْ أَشْخَاصًا وَالْإِيمَانُ وَالْكَفَرُ فِعْلُ الْعِبَادِ وَيَعْلَمُ اللَّهُ تَعَالَى مَنْ يَكْفُرُ فِي حَالِ كُفْرِهِ كَافِرًا فَإِذَا آمَنَ بَعْدَ ذَلِكَ عَلَيْهِ مُؤْمِنًا فِي حَالِ إِيْمَانِهِ وَأَحَبَّهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَتَغَيَّرَ عَلَيْهِ وَصِفَتُهُ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی کفر یا ایمان پر مجبور نہیں کیا اور نہ ہی انہیں (جبراً) مؤمن یا کافر بنایا ہے بلکہ انہیں صرف اشخاص (وافراد) کی حیثیت سے پیدا فرمایا ہے۔ ایمان اور کفر بندوں کا اختیاری فعل ہے۔ جب کوئی بندہ کفر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی حالت کفر کا (پہلے سے ہی) علم ہوتا ہے اور جب وہ بندہ بعد میں ایمان لاتا ہے تو اس کی حالت ایمان کا بھی اللہ تعالیٰ کو (پہلے سے) علم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس (کے ایمان لانے) کو پسند فرماتے ہیں (کفر اختیار کرنے کو پسند نہیں فرماتے) لیکن اس سے نہ تو اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی اس کی صفت میں کوئی تغیر واقع ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ: وَلَمْ يُجِبْ أَحَدًا مِنْ خَلْقِهِ عَلَى الْكُفْرِ وَلَا عَلَى الْإِيمَانِ الْخ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی کفر یا ایمان پر مجبور نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا

سورة الشمس: 7، 8

ترجمہ: قسم ہے نفس کی اور اس ذات کی جس نے اسے درست کیا (یعنی بنایا) اور اس

میں گناہ کرنے کا اور گناہ سے بچنے کا مادہ ودیعت فرمایا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام دین فطرت ہے۔ کسی شخص کو زور زبردستی سے ایمان لانے پر مجبور نہیں کرتا بلکہ بندے کو اختیار دیتا ہے کہ وہ جس راہ کو اختیار کرنا چاہے اختیار کرے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے راہ حق پر چلنے کو پسند فرماتے ہیں۔

قَوْلُهُ: وَيَعْلَمُ اللَّهُ تَعَالَى مَنْ يَكْفُرُ فِي حَالِ كُفْرِهِ كَافِرًا اِلٰخ

ترجمہ: جب کوئی بندہ کفر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی حالت کفر کا (پہلے سے ہی) علم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے علم کامل کی بنا پر مخلوق کے احوال سے باخبر ہیں۔ مخلوق جس حال میں جو کام کرے اللہ تعالیٰ اسے جانتے ہیں۔ اگر کسی شخص نے کفر اختیار کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ کو پہلے سے اس کا علم ہے۔ اگر کسی نے کفر کو چھوڑ کر ایمان قبول کرنا ہے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے لیکن ان معلومات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا۔

## افعال عباد کا بیان

وَجَمِيعُ أَفْعَالِ الْعِبَادِ مِنَ الْحَرَكَةِ وَالسُّكُونِ كَسْبُهُمْ عَلَى الْحَقِيقَةِ وَاللَّهُ تَعَالَى خَالِقُهَا وَهِيَ كُلُّهَا بِمَشِيئَتِهِ وَعَلَيْهِ وَقَضَائِهِ وَقَدَرُهُ

ترجمہ: انسانوں کے تمام افعال خواہ وہ حرکات ہوں یا سکونات حقیقتاً خود انہی کے کیے ہوئے ہوتے ہیں جبکہ ان تمام کاموں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ نیز یہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت، علم، فیصلہ اور تقدیر کے مطابق ہی ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جس طرح بندوں کے خالق ہیں اسی طرح بندوں کے افعال کے بھی خالق ہیں۔ انسان کا ایمان لانا، کفر اختیار کرنا، اطاعت کرنا، نافرمانی کرنا، سکون کرنا، حرکت کرنا، غرض تمام افعال کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں البتہ کا سب خود بندہ ہے۔ چنانچہ بندہ افعال کا کسب کرتا ہے لیکن اس کے یہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت، علم، قضاء اور قدر کے مطابق ہی سرانجام پاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اعمال کا خالق ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ

الصفات: 96

ترجمہ: اللہ نے تمہیں اور تمہارے تمام اعمال کو پیدا فرمایا ہے۔

انسان اعمال کا کسب ہے:

اللہ تعالیٰ نے انسان اور اس کے تمام اعمال و افعال کی تخلیق کو اپنی جانب

منسوب فرمایا ہے اور کسب کو انسان کی طرف۔

بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

سورة البقرة: 81

ترجمہ: واقعی جن لوگوں نے برائی اختیار کی اور اس کے گناہوں نے اس کو ہر جانب سے گھیر لیا تو یہی لوگ جہنمی ہیں، اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

اس آیت میں صراحتاً انسان کی طرف کسب اعمال کی نسبت کی گئی ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا أَلْعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ

سورة الروم: 41

ترجمہ: بروجہر میں انسانوں کے ان اعمال کی وجہ سے فساد برپا ہو گیا ہے جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے کمائے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے کچھ اعمال کا مزہ (اسی دنیا میں ہی) چکھادے جو انہوں نے کیے ہیں۔

وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ۖ

سورة الشوری: 30

ترجمہ: تمہیں جو مصیبت بھی پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے سبب ہی پہنچتی ہے، اللہ تعالیٰ تو تمہاری کئی خطاؤں سے درگزر فرماتا ہے۔

فائدہ نمبر 1:

بندوں سے سرزد ہونے والے افعال (خواہ چھوٹے سے چھوٹا فعل ہو یا بڑے سے بڑا فعل ہو) دو قسم کے ہیں:

☞ افعال اختیار یہ .... جیسے کھانا، پینا، چلنا، رکنا، ایمان لانا، کفر کرنا، اطاعت

کرنا، نافرمانی کرنا

☀ افعال غیر اختیاریہ.... جیسے پیدا ہونا، وفات پانا

جو افعال غیر اختیاریہ ہیں ان میں انسان کی مرضی نہیں چلتی۔ ہاں افعال اختیاریہ انسان اپنی مرضی اور ارادہ سے کرتا ہے اور انہی افعال پر اس کی جزاء اور سزا کا مدار ہے۔

فائدہ نمبر 2:

افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے یا بندہ خود ہے؟ اس بارے میں تین موقف ہیں:

[۱]: فرقہ جبریہ

ان کا موقف یہ ہے کہ بندوں کے تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ تمام افعال اسی کے حکم، ارادہ اور تقدیر کے مطابق ہی وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ بندے اپنے افعال کے کاسب نہیں، اس لیے افعال کے سرزد ہونے میں بندوں کا بالکل اختیار نہیں۔ بندے ان افعال کو کرنے پر مجبور ہیں۔ باقی بندوں کی طرف افعال کرنے کی جو نسبت کی جاتی ہے وہ نسبت مجازی ہے۔ جو افعال اللہ تعالیٰ ان سے کروانا چاہے بندے کرنے پر مجبور ہیں اور جن افعال سے روکنا چاہے بندے ان سے باز رہنے پر مجبور ہیں۔

[۲]: فرقہ قدریہ

ان کا موقف یہ ہے کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق بھی ہیں اور کاسب بھی۔ ان کے افعال میں اللہ تعالیٰ کی مشیت، تقدیر اور ارادے کو دخل نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر فرقہ قدریہ تقدیر کا منکر ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں تقدیر علم الہی اور امر الہی دونوں کے مجموعے کا نام ہے جبکہ قدریہ کے ہاں بندے اپنے افعال سرانجام

دینے میں تقدیر الہی کے پابند نہیں اور تقدیر کو ان کے اعمال میں دخل نہیں۔ بندے نے جو اعمال کرنے ہیں وہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں نہ تھے، جب بندے نے افعال کیے تب وہ علم الہی میں آئے۔

### [۳]: اہل السنۃ والجماعۃ

اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف ان دونوں فرقوں سے یکسر مختلف ہے۔ فرقہ قدریہ افراط اور فرقہ جبریہ تفریط کا شکار ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف اعتدال پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کے خالق ہیں اور بندہ ان کا کاسب ہے۔ بندوں کے افعال میں دو چیزیں مؤثر ہوتی ہیں:

ایک... اللہ تعالیٰ کا ان افعال کو پیدا کرنا

دوسرا... بندوں کا ان افعال کو اختیار کرنا

افعال عباد میں اگر صرف اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کو ہی ملحوظ رکھا جائے اور بندے کا اختیار بالکل نہ مانا جائے تو یہ ”جبر“ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کی جہت سے صرف نظر کرتے ہوئے محض بندے کے کسب کو ہی مؤثر مانا جائے تو یہ ”انکارِ تقدیر“ ہے۔ اس لیے اعتدال یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خلق بھی مانا جائے تاکہ تقدیر پر ایمان برقرار رہے اور بندے کا کسب بھی مانا جائے تاکہ بندہ مجبور محض نہ قرار پائے اور اس کا جزاء و سزا پانا درست سمجھا جائے۔

### فائدہ نمبر 3:

افعال عباد میں بندوں کے کسب کو دخل تو حاصل ہے لیکن یہ قصد و اختیار ایسا نہیں کہ افعال کو پیدا بھی کر سکے۔ اس کی بدیہی دلیل یہ ہے کہ بعض مرتبہ انسان کسی کام کے تمام آلات اور اسباب جمع کر لیتا ہے جن پر اس کام کے کرنے کا مدار ہوتا

ہے لیکن اس کے باوجود وہ کام وقوع پذیر نہیں ہو پاتا۔ امت کے کئی افراد حتیٰ کہ خود انبیاء علیہم السلام کی زندگی کے کئی واقعات اس پر شاہد ہیں۔ کسب عباد کے ہونے کے باوجود فعل کا نہ ہو پانا اس بات کی دلیل ہے کہ بندے کا کسب اور کاوش کافی نہیں بلکہ افعال کے موجود ہونے کے لیے کوئی دوسری چیز بھی ضروری ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا خلق ہے۔ یعنی تقدیر الہی اس میں مؤثر ہوگی تب یہ فعل وقوع پذیر ہوگا۔

اسی طرح بعض اوقات انسان کسی فعل کے تمام اسباب اختیار نہیں کرتا لیکن اس کے باوجود وہ فعل وقوع پذیر ہو جاتا ہے جیسا کہ عام طور پر خارق عادت چیزوں میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ افعال صادر ہونے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دخل ہے۔ اگر بندہ خود ہی اپنے افعال کا خالق ہوتا تو اسباب کی کمی کی وجہ سے یہ فعل ہرگز واقع نہ ہوتا۔

#### فائدہ نمبر 4:

برے فعل کو پیدا کرنا برا نہیں لیکن اسے کرنا برا ہے۔ جیسے ایک طبیب زہر بھی تیار کرتا ہے اور خمیرہ بھی لیکن زہر سے بچنے اور خمیرہ کھانے کی ہدایت کرتا ہے۔ کوئی شخص زہر کھالے اور الزام طبیب کو دے کہ اس کا قصور ہے کہ اس سے زہر بنایا ہے، اگر یہ زہر نہ بناتا تو میں کیسے کھاتا؟! تو اس شخص کا یہ الزام دینا غلط ہوگا۔ اس لیے کہ طبیب کا زہر تیار کرنا کسی حکمت کے پیش نظر ہے نہ اس لیے کہ یہ شخص اسے کھائے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کے خالق ہیں۔ افعالِ سیئہ کی تخلیق بھی کسی حکمت (امتحان و آزمائش وغیرہ) کے پیش نظر ہے۔



## طاعات پسندیدہ اور معاصی ناپسند

وَالطَّاعَاتُ كُلُّهَا مَا كَانَتْ وَاجِبَةً بِأَمْرِ اللَّهِ تَعَالَى وَبِمَحَبَّتِهِ وَبِرِضَائِهِ وَعَلَيْهِ  
وَبِمَشِيئَتِهِ وَقَضَائِهِ وَتَقْدِيرِهِ وَالْمَعَاصِي كُلُّهَا بِعِلْمِهِ وَقَضَائِهِ وَتَقْدِيرِهِ  
وَبِمَشِيئَتِهِ لَا بِمَحَبَّتِهِ وَلَا بِرِضَائِهِ وَلَا بِأَمْرِهِ

ترجمہ: ہر قسم کی طاعات (یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والے کام) اللہ کے حکم،  
محبت، رضامندی، علم، مشیت، فیصلے اور تقدیر کے مطابق ہی وقوع پذیر ہوتی ہیں  
جبکہ ہر قسم کے معاصی (یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والے کام) اللہ تعالیٰ کے علم، فیصلے،  
تقدیر اور مشیت کے مطابق تو ہوتے ہیں لیکن ان میں اللہ تعالیٰ کی محبت، رضامندی  
اور حکم شامل نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ ان کاموں پر راضی ہوتے ہیں اور انہیں پسند بھی فرماتے ہیں جو اس  
کی رضامندی کے لیے سرانجام دیے جائیں اور ان کاموں پر ناراض ہوتے ہیں اور  
ناپسندیدگی کا اظہار بھی فرماتے ہیں جو اس کی نافرمانی کرتے ہوئے کیے جائیں۔ لیکن  
رضامندی یا ناراضگی والے دونوں قسم کے کاموں میں اللہ تعالیٰ کا علم، فیصلہ، تقدیر اور  
مشیت ضرور شامل ہوتی ہے

یہ بات واضح رہے کہ طاعات اور معاصی میں بلاشبہ تقدیر اور مشیت شامل  
ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضامندی ان کاموں میں ہوتی ہے جو طاعت کی  
قبیل سے ہوں۔ جو کام معصیت پر مشتمل ہوں اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضامندی ان  
میں شامل نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ ان کاموں پر ناراض ہوتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:

وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ

ترجمہ: وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پسند نہیں کرتا۔

سوال:

جب انسان کوئی معصیت کرتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی مشیت شامل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ

سورۃ التکویر: 29

ترجمہ: اور تمہارے چاہنے سے کچھ بھی نہیں ہوتا جب تک اللہ کی چاہت شامل نہ ہو جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔

تو بندہ وہی چاہتا ہے جو اللہ چاہتے ہیں تو معصیت کرنے پر بندے کا مؤاخذہ کیوں ہوتا ہے؟

جواب:

یہ سوال مشیت کا مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ مشیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ بندے کو اختیار دیں اور بندہ اپنے اختیار سے جو چاہے کرے۔ اللہ تعالیٰ نے بندے کو ایک اختیار دیا گناہ کرنے اور ایک اختیار دیا نیکی کرنے کا۔ اب بندہ گناہ کرتا ہے تو اپنے ارادے سے کرتا ہے اور یہ مشیت بھی اللہ ہی کی ہے لیکن مشیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے چاہا کہ میں اس بندے کو اختیار دوں۔

لہذا مشیت کا معنی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ بندہ گناہ کرے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے چاہا کہ اس جہت کا بھی بندے کو اختیار دوں۔

## عصمتِ انبیاء علیہم السلام کا بیان

وَالْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كُلُّهُمْ مُنْزَهُونَ عَنِ الصَّغَائِرِ وَالْكِبَائِرِ  
وَالْكَفْرِ وَالْقَبَائِحِ وَقَدْ كَانَتْ مِنْهُمْ زَلَالٌ وَخَطَايَا.

ترجمہ: تمام انبیاء علیہم السلام صغیرہ و کبیرہ گناہوں اور کفر و بے ہودہ کاموں سے پاک ہوتے ہیں۔ ہاں البتہ بعض اوقات ان سے زلات اور لغزشوں کا صدور ممکن ہے۔

فائدہ نمبر 1:

یہاں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے چھ الفاظ بیان فرمائے ہیں۔ ہر ایک کا معنی ملاحظہ فرمائیں:

1: کفر کا معنی:

ضروریات دین میں سے کسی ایک امر ضروری کا انکار کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار کرنا، اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرنا، ختم نبوت کا انکار کرنا، خلافت و صحابیت صدیق رضی اللہ عنہ کا انکار کرنا، نزول عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرنا وغیرہ

2: کبیرہ گناہ کا معنی:

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی (ت 1270ھ) نے شیخ الاسلام ابو القاسم ہبۃ اللہ بن عبد الرحیم بن ابراہیم بن ہبۃ اللہ ابن البارزی الشافعی (ت 738ھ) کے حوالے سے یہ تعریف لکھی ہے:

وَقَالَ شَيْخُ الْإِسْلَامِ الْبَارِزِيُّ: التَّحْقِيقُ أَنَّ الْكَبِيرَةَ كُلَّ ذَنْبٍ قُرْنٍ بِهِ وَعَيْدٌ أَوْ حَدٌّ أَوْ لَعْنٌ بِنَصِّ كِتَابٍ أَوْ سُنَّةٍ، أَوْ عِلْمٍ أَنَّ مَفْسَدَتَهُ كَمَفْسَدَةِ مَا قُرْنٍ بِهِ

وَعَيْدًا أَوْ حَدًّا أَوْ لَعْنًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ مَفْسَدَةٍ، أَوْ أَشْعَرَ بِتَهَاوُنٍ مُرْتَكِبِهِ فِي دِينِهِ.

روح المعانی: ج 5 ص 17 تحت قوله تعالى إِنَّ تَجْتَنِبُوا كِبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ

[سورة النساء: 31]

ترجمہ: شیخ الاسلام بارزی فرماتے ہیں: تحقیقی بات یہ ہے کہ ”کبیرہ“ ہر اس گناہ کو کہتے ہیں (۱) جس کے کرنے والے پر قرآن و سنت میں وعید کی گئی ہو یا (۲) اس پر حد مقرر کی گئی ہو یا (۳) اس کے مرتکب پر لعنت کی گئی ہو یا (۴) اس گناہ میں مفسدہ کسی ایسے گناہ کے مفسدہ کے برابر یا زیادہ ہو جس پر وعید یا حد یا لعنت آئی ہو یا (۵) وہ کام بطور تہاون فی الدین کیا جائے (یعنی اس انداز سے کیا جائے کہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ اس شخص کے دل میں دین کی کوئی عظمت نہیں ہے)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) نے اس تعریف کو پسند فرما کر بیان القرآن میں ذکر کیا اور اسے جامع تعریف قرار دیا۔ لکھتے ہیں:

”گناہ کبیرہ کی تعریف میں بہت اقوال ہیں۔ جامع قول وہ ہے جس کو روح المعانی میں شیخ الاسلام بارزی سے نقل کیا ہے الخ“

بیان القرآن: ج 1 ص 352 إِنَّ تَجْتَنِبُوا كِبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ [سورة النساء: 31]

### 3: صغیرہ گناہ کا معنی:

جس گناہ پر ایسی وعید نہ ہو جو کبیرہ گناہ پر آئی ہے۔ مثلاً وہ جھوٹ بولنا جس میں کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچے، کسی فاسق کے پاس اٹھنا بیٹھنا وغیرہ۔

### 4: قبائح کا معنی:

ایسا قول و عمل جو نافرمانی تو نہ ہو البتہ عام ماحول اور معاشرے میں اس کا ارتکاب کرنا یا اس کا ذکر کرنا پسندیدہ ہو۔

## 5: زلات کا معنی:

یہ ”زَلَّةٌ“ کی جمع ہے۔ ”زَلَّةٌ“ اس غلطی کو کہا جاتا ہے جو بغیر قصد و ارادہ کے

ہو۔

امام ابو القاسم حسین بن محمد المعروف راغب اصفہانی (ت 502ھ) لکھتے ہیں:  
الزَّلَّةُ فِي الْأَصْلِ: اسْتَرْسَأَ الرَّجُلُ مِنْ غَيْرِ قَصْدٍ.

المفردات فی غریب القرآن: ص 214

ترجمہ: ”زلّة“ کا لغت میں معنی ہے آدمی کا بغیر قصد و ارادہ کے پھسل جانا۔

## 6: خطا کا معنی:

عصمت نبوت کے باب میں جب یہ بات کہیں کہ نبی معصوم عن الخطا ہوتا ہے تو یہاں ”خطا“ سے مراد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ نبی کے معصوم عن الخطاء ہونے کا معنی یہ ہو گا کہ نبی نبوت ملنے سے پہلے اور نبوت ملنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتا۔ ”نافرمانی“ کا معنی ہے کہ بلا عذر جان بوجھ کر کسی کی بات کو نہ ماننا۔ اگر عذر، بھول چوک یا بات سمجھنے میں غلطی لگی ہو تو یہ ”نافرمانی“ نہیں ہوگی۔

فائدہ نمبر 2:

عصمت انبیاء علیہم السلام پر چند دلائل پیش ہیں:

دلیل نمبر 1:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

سورة الاحزاب: 21

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں

ایک بہترین نمونہ ہے۔

ف 1: اسوہ حسنہ اس وقت بن سکتے ہیں جب خود گناہوں سے پاک ہوں  
 ف 2: ”تَكُفُّمُ“ میں خطاب حضرات و خواتین دونوں کو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ  
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال جو حضرات کے لیے ہیں وہ ان کے لیے اسوہ  
 حسنہ ہیں اور جو اقوال و افعال خواتین کے لیے ہیں وہ ان کے لیے اسوہ حسنہ ہیں۔

دلیل نمبر 2:

وَإِذَا تَنَتَّلَى عَلَيْهِمْ أَيَاثُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا أَنْتَ بِقُرْآنٍ غَيْرِ  
 هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا  
 يُوحَىٰ إِلَيَّ

سورۃ یونس: 15

ترجمہ: جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے جب ان کے سامنے ہماری واضح  
 آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ کوئی اور قرآن لے کر آیا اس میں تبدیلی کرو۔  
 اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دو کہ مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں اپنی طرف سے اس  
 میں کوئی تبدیلی کروں، میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی  
 ہے۔

ف: اس دلیل کو سمجھنے سے پہلے ”تغییر“ اور ”تبدیل“ کا معنی سمجھ لیں۔  
 تغیر: ایک چیز کا رکھ لینا اور دوسری بھی لے آنا۔ تبدیل: ایک چیز کو واپس کر کے  
 دوسری لے آنا۔

جیسے ایک شخص اپنے والد کے لیے کپڑے لایا۔ والد صاحب کو پسند نہ ہوں  
 اور وہ شخص یہ کپڑے خود رکھ لے اور والد صاحب کے لیے دوسرے لائے تو اسے  
 ”تغییر ثوب“ کہیں گے۔ اور اگر وہ کپڑے دکان پر واپس کر کے دوسرے لے آئے تو

اسے ”تبدیلِ ثوب“ کہیں گے۔

اس آیت میں ”تبدیلِ قرآن“ کی نفی ہے اور درج ذیل آیت میں ”تغییرِ قرآن“ کی نفی ہے:

وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُوكَ عَنِ الذِّمِّيِّ أَوْ حَيْنَا إِلَيْكَ لِيُفْتَرِي عَلَىٰ غَيْرِهِ ۖ إِذَا  
لَا تَخَذُوكَ خَلِيلًا

سورة الاسراء: 73

ترجمہ: اور (اے پیغمبر) جو وحی ہم نے تمہارے پاس بھیجی ہے، یہ (کافر) لوگ تمہیں فتنے میں ڈال کر اس سے ہٹانے لگے تھے، تاکہ تم اس کے بجائے کوئی اور بات ہمارے نام پر گھڑ کر پیش کرو، اور اس صورت میں یہ تمہیں اپنا گہرا دوست بنا لیتے۔  
دلیل کا حاصل یہ ہے کہ جب پیغمبر حکم شرعی کو بدل نہیں سکتے تو اس کی خلاف ورزی کیسے کر سکتے ہیں؟

دلیل نمبر 3:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ

سورة النجم 3، 4

ترجمہ: اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

ف: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات جب وحی کے مطابق ہے تو اس میں غلطی اور گناہ کا احتمال نہیں ہو گا۔

اشکال:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی باتوں کو اللہ رب العزت نے ختم فرمادیا

جیسے تحریم غسل۔ آپ کی ہر بات وحی کے مطابق ہوتی تو پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس بات پر تنبیہ کیوں فرمائی؟

جواب:

یہ ایسے ہی ہے جیسے آیت منسوخ ہو جائے جس طرح آیت کے منسوخ ہونے سے اس کا غلط ہونا لازم نہیں آتا اسی طرح اجتہاد کے ختم کرنے سے اس کا معصیت ہونا لازم نہیں آتا۔

ف: نبی اور امتی کے اجتہاد میں فرق

نبی اجتہاد کرتا ہے اور بسا اوقات ان کے اجتہاد میں خطاپائی جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو خطا پر باقی رہنے نہیں دیتے بلکہ وحی نازل کر کے تنبیہ اور اصلاح کر دی جاتی ہے۔ امتی مجتہد بھی اجتہاد کرتا ہے لیکن چونکہ وحی کا دروازہ بند ہے اس لیے اگر امتی مجتہد کے اجتہاد میں خطاپائی جائے تو بسا اوقات وہ اپنی اجتہادی خطا پر آخر تک برقرار رہتا ہے، وحی کا دروازہ بند ہونے کی وجہ سے اسے تنبیہ اور اصلاح نہیں ہو پاتی۔

دلیل نمبر 4:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

سورۃ الاحقر: 7

ترجمہ: رسول تمہیں جو کچھ دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ۔

ف ۱: اس آیت میں امر و نہی میں امت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا پابند کیا گیا ہے اور یہ تب ہو سکتا ہے جب آپ کا ہر امر و نہی معصیت سے پاک ہو۔



ف ۲: ”الئی“ بمعنی ”اُمَرَ“ ہے قرینہ مقابلہ میں ”نہلی“ ہے۔ یہاں ”الئی“ کا لفظ لائے تاکہ مال فعی کا حکم اور عام اصول دونوں کو شامل ہو جائے۔

ف ۳: امر و نہی جس درجہ میں ہو اسی درجہ میں اطاعت کی جائے گی، کبھی وجوب کے درجہ میں اور کبھی استیجاب کے درجہ میں۔

سوال: اطاعت صحابہ رضی اللہ عنہم و مجتہد کیوں کرتے ہو؟

جواب: اس لیے کہ اطاعت صحابہ رضی اللہ عنہم اور اطاعت مجتہد بھی اطاعت رسول ہی ہے کیونکہ ان کی اطاعت کرنے کا حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔

دلیل نمبر 5:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ

سورة البقرة: 44

ترجمہ: کیا تم (دوسرے) لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟!

ف ۱: حضرات انبیاء علیہم السلام کا کام قوم کو نیکی کا درس دینا ہے۔ اگر خود نافرمان ہو جائیں۔ معاذ اللہ۔ تو پھر مقصد رسالت کو ختم کر کے آیت بالا کا مصداق بن جائیں گے۔

ف ۲: واعظ بے عمل نہ ہو، یہ نہیں کہ بے عمل وعظ ہی نہ کرے۔

ف ۳: ایک گناہ کی وجہ سے دوسرا نیک کام نہیں چھوڑنا چاہیے۔

دلیل نمبر 6:

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنِ الْمُغِيرَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ "إِنَّ كَذِبًا عَلَى لَيْسَ كَذِبٍ عَلَى أَحَدٍ. مَنْ كَذَبَ عَلَى مُتَعَدِّدٍ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1291

ترجمہ: حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جو شخص مجھ پر جھوٹ بولتا ہے تو اس کا گناہ ایسے نہیں جس طرح کسی عام شخص پر جھوٹ بولا جائے تو اس کا گناہ ہوتا ہے بلکہ جس شخص نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے۔

ف: جھوٹ بولنا گناہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی طرف جھوٹ کی نسبت کو گناہ قرار دے رہے ہیں تو خود اس گناہ کے مرتکب کیسے ہو سکتے ہیں؟

دلیل نمبر 7:

امام ابوالحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری (ت 261ھ) روایت کرتے ہیں:  
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ، وَمَنْ يَعِصَنِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 1835

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

ف: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تب ہی ہو سکتی ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود معصیت یعنی نافرمانی سے پاک ہوں۔

## دلیل نمبر 8:

امام ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی (ت 275ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ أَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ أَسْمَعُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيدُ حِفْظَهُ فَهَنَنْتَنِي قُرَيْشٌ وَقَالُوا: أَتَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تَسْمَعُهُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا؟ فَأَمْسَكْتُ عَنِ الْكِتَابِ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَوْمَأَ بِإِصْبَعِهِ إِلَى فِيهِ فَقَالَ: "أَكْتُبْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ."

سنن ابی داؤد: رقم الحدیث 3646

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات سنتا تھا اس کو لکھ لیا کرتا تھا تا کہ اسے محفوظ کروں۔ قریش نے مجھے اس بات سے روکا اور کہنے لگے کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہر بات لکھ لیتے ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو انسان ہیں، خوشی اور غمی میں کلام کرتے ہیں۔ تو میں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ میں نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی تو آپ علیہ السلام نے اپنی انگلی کا اشارہ اپنے منہ کی طرف کرتے ہوئے فرمایا: تم لکھا کرو! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس منہ سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا۔

ف: سب سے زیادہ گناہ عام طور پر زبان سے صادر ہوتے ہیں، اس لیے حدیث پاک میں بطور خاص زبان کا ذکر فرمایا ہے وگرنہ پیغمبر کے کسی عضو سے بھی پیغمبر کی نافرمانی نہیں ہوتی۔

## دلیل نمبر 9:

امام ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الصنعانی (ت 211ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنِ الزُّهْرِيِّ أَوْ قَتَادَةَ أَوْ كِلَيْهِمَا: أَنَّ يَهُودِيًّا جَاءَ يَتَقَاظَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "قَدْ قَضَيْتُكَ"، فَقَالَ الْيَهُودِيُّ: "بَيِّنْتُكَ؟"، قَالَ: فَجَاءَ خُزَيْمَةُ بْنُ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ: أَنَا أَشْهَدُ أَنَّهُ قَدْ قَضَاكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَمَا يُدْرِيكَ؟"، قَالَ: إِنِّي أَصَدِّقُكَ بِأَعْظَمَ مِنْ ذَلِكَ، أَصَدِّقُكَ بِخَيْرِ السَّمَاءِ، فَأَجَازَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهَادَتَهُ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ.

مصنف عبد الرزاق: ج 10 ص 228 کتاب الجامع باب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: امام زہری یا امام قتادہ یا دونوں حضرات سے روایت ہے کہ ایک یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر رقم کا تقاضا کرنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: میں نے تو رقم ادا کر دی ہے۔ یہودی کہنے لگا: اس پر کوئی گواہ بھی ہیں؟ راوی کہتے ہیں کہ حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ آگئے اور فرمانے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رقم ادا کر دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کو فرمایا: آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں نے رقم ادا کر دی ہے؟ تو انہوں نے عرض کی کہ میں تو اس سے بھی بڑی باتوں میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں، آپ جو آسمان سے آئی ہوئی باتیں بتاتے ہیں میں ان کی بھی تصدیق کرتا ہوں۔ اس پر حضور علیہ السلام نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا۔

ف: اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم نہ ہوتے تو حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ

اتنے بڑے دعویٰ کی کبھی بھی تصدیق نہ کرتے۔

دلیل نمبر 10:

انسان جسم اور روح سے بنا ہے، جسم مٹی سے بنا ہے تو اس کی غذا اور دوا بھی مٹی سے ہی ہے اور روح آسمان سے آتی ہے تو اس کی غذا بھی آسمان سے آتی ہے۔ جسم بیمار ہو تو اس کو طبیب چاہیے اور جسم کے طبیب کو ڈاکٹر کہتے ہیں، روح بیمار ہو تو اس کو بھی طبیب چاہیے اور اس کے طبیب کو نبی اور رسول کہتے ہیں اور یہ ضابطہ عقلی ہے کہ طبیب جس مرض کا معالج ہو خود اس کا اس مرض میں مبتلا ہونا یہ اس طبیب کا عیب ہے۔ روح کی بیماری گناہ ہے تو خود روح کے طبیب کا گناہ میں مبتلا ہونا اس کا عیب ہے۔ اس لیے طبیب روحانی کا اس عیب سے پاک ہونا ضروری ہے۔

دلیل نمبر 11:

حضرات انبیاء علیہم السلام اطاعت خدا کروانے میں انسانوں کے لیے مقتدا ہیں تو اگر خود خدا کے نافرمان ہوں تو لوگوں کو اطاعت کا کیا درس دیں گے؟

دلیل نمبر 12:

امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی رحمۃ اللہ علیہ (ت 604ھ) فرماتے ہیں:

أَنَّ الرَّسُولَ أَفْضَلُ مِنَ الْمَلِكِ فَوَجَبَ أَنْ لَا يَصُدَّ الذَّنْبُ مِنَ الرَّسُولِ، وَإِنَّمَا قُلْنَا إِنَّهُ أَفْضَلُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَ نُوحًا وَ آلَ إِبْرَاهِيمَ وَ آلَ عِصْمَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ [سورة آل عمران: 33]، وَوَجْهُ الْإِسْتِدْلَالِ بِهِ قَدْ تَقَدَّمَ فِي مَسْأَلَةِ فَضْلِ الْمَلِكِ عَلَى الْبَشَرِ، وَإِنَّمَا قُلْنَا إِنَّهُ لَنَا كَانَ كَذَلِكَ وَجَبَ أَنْ لَا يَصُدَّ الذَّنْبُ عَنِ الرَّسُولِ لِأَنَّهُ تَعَالَى وَصَفَ الْمَلَائِكَةَ بِتَوَكُّلِ الذَّنْبِ فَقَالَ: لَا

يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ [سورة الانبياء: 27]. وَقَالَ: لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَ  
يَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ [سورة التحريم: 6]، فَلَوْ صَدَرَتِ الْمَعْصِيَةُ عَنِ الرَّسُولِ  
لَا مَتَنَعَ كَوْنُهُ أَفْضَلَ مِنَ الْمَلِكِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا  
الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ [سورة ص: 28].

التفسير الكبير للرازي ج 3 ص 9 تحت قوله تعالى "فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا" سورة البقرة: 36  
ترجمہ: رسول؛ فرشتے سے افضل ہے تو ضروری ہے کہ رسول سے گناہ صادر نہ ہو۔  
یہ جو ہم نے کہا کہ رسول فرشتے سے افضل ہے اس کی دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے: "إِنَّ  
اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَ نُوحًا وَ آلَ إِبْرَاهِيمَ وَ آلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ" [سورة آل  
عمران: 33] کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام  
جہانوں سے پسند کیا۔ وجہ استدلال ماقبل میں انسان کی فرشتے پر افضلیت کے بیان میں  
گزر چکی ہے۔ اور یہ جو ہم نے بات کی کہ جب رسول فرشتے سے افضل ہے تو ضروری  
ہے کہ رسول سے گناہ سرزد نہ ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی  
صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ گناہ نہیں کرتے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "لَا يَسْبِقُونَهُ  
بِالْقَوْلِ" [سورة الانبياء: 27] کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور بڑھ کر کوئی بات نہیں  
کرتے۔ نیز ارشاد باری ہے: "لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ"  
[سورة التحريم: 6] کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی نہیں کرتے بلکہ جو انہیں حکم ہو وہی  
کرتے ہیں۔ تو اگر رسول سے گناہ سرزد ہوتا تو رسول فرشتے سے افضل شمار نہ ہوتا کیونکہ  
ارشاد باری تعالیٰ ہے: "أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ  
فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ" [سورة ص: 28] کہ کیا ہم ایمان لانے  
والے اور نیک عمل کرنے والے لوگوں کو ان لوگوں کے برابر کر دیں گے جو زمین میں

فساد مچاتے ہیں یا یہ کہ ہم پر ہیز گاروں کو بدکاروں کے برابر کر دیں گے؟

اجماع اُمت اور اقوال ائمہ:

**1:** امام اعظم امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوئی (ت 150ھ) فرماتے ہیں:  
وَالْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كُلُّهُمْ مُنْزَهُونَ عَنِ الصَّغَائِرِ وَالْكِبَائِرِ  
وَالْكُفْرِ وَالْقَبَائِحِ.

الفقہ الاکبر: ص 3

ترجمہ: سارے انبیاء علیہم السلام صغیرہ، کبیرہ گناہوں اور کفر اور بے ہودہ کاموں سے پاک ہوتے ہیں۔

**2:** قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ (ت 544ھ)  
علامہ عبد العزیز پرہاڑوی الحنفی (ت 1239ھ) قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

الْإِجْمَاعُ عَلَى الْعِصْمَةِ عَنِ الْكِبَائِرِ بِلَا قَيْدٍ عَمْدًا وَسَهْوًا.

النہر اس شرح العقائد: ص 283

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں، نہ عمداً کرتے ہیں نہ سہواً، اسی پر اجماع ہے۔

**3:** امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی (ت 671ھ) لکھتے ہیں:  
ذَهَبَ الْجَهْلُورُ فِي أَنَّ جَمِيعَ الْأَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ مَعْصُومُونَ عَنِ الْخَطَا  
وَالْعَلَطِ فِي اجْتِهَادِهِمْ.

الجامع لاحکام القرآن: ج 2 ص 2058 تحت قولہ تعالیٰ ”فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ“، سورۃ الانبیاء: 79

ترجمہ: جمہور حضرات کا موقف یہ ہے کہ تمام انبیاء صلوات اللہ علیہم اپنے اجتہاد میں خطاء اور غلطی سے معصوم ہوتے ہیں۔

**4:** ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (ت 1014ھ) بعض محققین سے نقل فرماتے ہیں:

اجْمَاعُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ عَلَى الثَّانِي بِهٖ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَقْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ وَسَائِرِ أَحْوَالِهِ حَتَّى فِي كُلِّ حَالَاتِهِ مِنْ غَيْرِ بَحْثٍ وَلَا تَفَكُّرٍ بَلْ يُمْجَرَّدٌ عَلَيْهِمْ أَوْ ظَنُّهُمْ بِصُدُورِ ذَلِكَ عَنْهُ دَلِيلٌ قَاطِعٌ عَلَى إِجْمَاعِهِمْ عَلَى عِصْيَتِهِ وَتَكْذُوبِهِ عَنْ أَنْ يَجْرِيَ عَلَى ظَاهِرِهِ أَوْ بَاطِنِهِ شَيْءٌ لَا يُعَايَنُ بِهِ فِيهِ مِمَّا لَهُ يَقُومُ دَلِيلٌ عَلَى اخْتِصَاصِهِ.

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ج 1 ص 220 باب الاعتصام بالکتاب والسنة ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تمام احوال میں بغیر کسی بحث و تفکر کے محض یہ جانتے ہوئے کہ یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے آپ کی اتباع پر متفق ہو جانا واضح دلیل ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپ کی عصمت پر اجماع ہے اور اس پر بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر و باطناً ایسی کوئی چیز صادر نہیں ہو سکتی جس کی اتباع نہ کی جاسکتی ہو جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے۔

**5:** علامہ عبد العزیز پرہاروی رحمہ اللہ (ت 1239ھ) قاضی عیاض مالکی کے حوالے سے محققین فقہاء و متکلمین کا موقف نقل کرتے ہیں:

قَالَ الْقَاضِي عِيَاضُ: ذَهَبَ طَائِفَةٌ مِنْ مُحَقِّقِي الْفُقَهَاءِ وَالْمُتَكَلِّمِينَ إِلَى الْعِصْمَةِ عَنِ الصَّغَائِرِ كَالْعِصْمَةِ فِي الْكِبَائِرِ.

النبراس شرح شرح العقائد: ص 283

ترجمہ: قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں کہ محقق فقہاء و متکلمین کا موقف یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جس طرح کبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں اسی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی معصوم ہیں۔



**6:** مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ (ت 1396ھ) اپنی تفسیر ”معارف القرآن“ میں فرماتے ہیں:

”تحقیق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت تمام گناہوں سے عقلاً اور نقلاً ثابت ہے۔ ائمہ اربعہ اور جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں اور بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ صغیرہ گناہ ان سے بھی سرزد ہو سکتے ہیں، جمہور امت کے نزدیک صحیح نہیں۔“

معارف القرآن: ج 1 ص 195 وَلَا تَقْرَبْ هَذِهِ الشَّجَرَةَ سورة البقرة: 35

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

”انبیاء علیہم السلام کا گناہوں سے معصوم ہونا تو ایک مسلمہ عقیدہ ہے جس پر تمام امت کا اجماع ہے۔“

معارف القرآن: ج 4 ص 750 فَكُلُوا لَا كَانَتْ قَرْيَةً اَمَنْتْ فَانْفَعَهَا اِيْمَانُهَا سورة يونس: 98

فائدہ: نبی معصوم، صحابی محفوظ اور مجتہد ماجور ہوتا ہے۔

نبی معصوم... یعنی اللہ تعالیٰ نبی سے گناہ ہونے نہیں دیتے۔

صحابی محفوظ... یعنی صحابی سے گناہ ہو جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نامہ اعمال میں رہنے نہیں دیتے۔

مجتہد ماجور... یعنی مجتہد سے خطا ہو جاتی ہے لیکن پھر بھی اجر ملتا ہے۔

نوٹ: اس مسئلہ کی مزید تفصیل بندہ کی فائل ”عصمت انبیاء علیہم السلام“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

وَمُحَمَّدٌ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حَبِيبُهُ وَعَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَنَبِيِّهُ وَصَفِيُّهُ  
وَمُنْتَقَاهُ وَلَمْ يَعْبُدِ الصَّنَمَ وَلَمْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ تَعَالَى ظَرْفَةً عَيْنٍ قَطُّ وَلَمْ  
يَرْتَكِبْ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً قَطُّ

ترجمہ: حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین بندے اور منتخب کردہ پیغمبر و رسول ہیں۔ آپ علیہ السلام نے پلک جھپکنے کے برابر بھی کسی بت کی پرستش کی، نہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اور نہ ہی کسی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا۔

انبیاء علیہم السلام کی عصمت اور گناہوں سے پاک ہونے کا تذکرہ کرنے کے بعد امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام مخلوق میں سے چنا اور مقام و مرتبہ سے نوازا۔ آپ کو تمام امت کے لیے نمونہ عمل بنایا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی پاکیزہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بت کے سامنے سجدہ نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ کبیرہ گناہ کا صدور ہوا اور نہ صغیرہ گناہ کا حتیٰ کہ لمحہ بھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں ہوئی۔ اتنی پاکیزہ زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا خاصہ ہے۔

فائدہ نمبر 1:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عبدیت بہت نمایاں ہے اور آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کے اوصاف میں سے ایک اعلیٰ وصف ہے۔ سفر اسراء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز ہے اور اعزاز کے موقع پر اعلیٰ اوصاف ذکر کیے جاتے ہیں۔ اس موقع کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ کلمات ارشاد فرمائے:

سُبْحَنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا

الاسراء: 1

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی۔

لفظ ”عبد“ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف عبدیت تمام کمالات میں اعلیٰ و ارفع شان کا حامل ہے۔

فائدہ نمبر 2:

تمام القابات میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظ ”عبد“ بہت پسند تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا تَطْرُقُونِيْ كَمَا أَطْرَقَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَقُولُوا عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 6830

ترجمہ: تم لوگ مجھے ایسے بڑھا چڑھا کر بیان نہ کیا کرو جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو نصاریٰ نے بڑھایا تھا بلکہ تم میرے بارے میں یوں کہا کرو: (کہ میں) اللہ کا بندہ اور اس کا رسول (ہوں)۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خدائی صفات اور خدائی اختیارات ثابت کرنا جائز نہیں۔

## فائدہ نمبر 3:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی بت کو سجدہ نہیں کیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلیم الفطرت ہونے کا یہ عالم تھا کہ نبوت ملنے سے قبل بھی آپ کو بتوں سے سخت نفرت رہی۔ سیرت ابن ہشام میں نبوت ملنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شام کے سفر کا ذکر ہے۔

مؤرخ امام ابو محمد جمال الدین عبد الملک بن ہشام بن ایوب حمیری (ت 213ھ) لکھتے ہیں:

حَتَّىٰ إِذَا فَرَغَ الْقَوْمُ مِنْ طَعَامِهِمْ وَتَفَرَّقُوا قَامَ إِلَيْهِ بِحَيْرَىٰ، فَقَالَ لَهُ: يَا غُلَامُ! أَسْأَلُكَ بِحَقِّ اللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ إِلَّا مَا أَخْبَرْتَنِي عَمَّا أَسْأَلُكَ عَنْهُ، وَإِنَّمَا قَالَ لَهُ بِحَيْرَىٰ ذَلِكَ لِأَنَّهُ سَمِعَ قَوْمَهُ يَحْلِفُونَ بِهَآ فَرَعَمُوا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: لَا تَسْأَلْنِي بِاللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ، فَوَ اللَّهُ مَا أَبْغَضْتُ شَيْئًا قَطُّ بُغْضُهَا،

سیرت ابن ہشام: ج 1 ص 321

ترجمہ: جب قافلے کے لوگ کھانے سے فارغ ہوئے اور ادھر ادھر بکھر گئے تو بحیرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے لڑکے! میں تجھ سے لات و عزی کا واسطہ دے کر کچھ سوال کروں گا تو مجھے ان کے صحیح صحیح جواب دینا! بحیرانے لات اور عزی کا واسطہ اس لیے دیا تھا کہ اس نے قافلے کے لوگوں کو لات اور عزی کی قسمیں کھاتے ہوئے سنا تھا۔ (تو اس نے یہ سوچا کہ شاید آپ بھی ان کی قسمیں کھاتے ہوں گے) مورخین کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: مجھ سے لات و عزی کا واسطہ دے کر سوال نہ کرنا۔ اللہ کی قسم! میرے نزدیک ان دونوں سے زیادہ کوئی چیز قابل نفرت نہیں۔

## خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی افضلیت کا بیان

وَأَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ النَّبِيِّينَ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ ثُمَّ  
عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الْفَارُوقُ ثُمَّ عُمَانُ بْنُ عَفَّانَ ذُو النُّوَرَيْنِ ثُمَّ عَلِيُّ بْنُ أَبِي  
طَالِبٍ الْمُرْتَضَى رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمُ أَجْمَعِينَ عَابِدِينَ ثَابِتِينَ عَلَى الْحَقِّ وَمَعَ  
الْحَقِّ نَتَوَلَّاهُمْ بِجَمِيعًا وَلَا نَذْكُرُ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ إِلَّا بِخَيْرٍ

ترجمہ: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام لوگوں میں افضل ہستی حضرت ابو بکر صدیق ہیں، پھر حضرت عمر بن خطاب فاروق، پھر حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین اور پھر حضرت علی المرتضیٰ بن ابی طالب رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ یہ تمام ہستیاں خدا تعالیٰ کی عبادت گزار، حق پرست اور حق کا ساتھ دینے والی تھیں۔ ہم تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے ہیں اور ہر صحابی کا تذکرہ اچھے الفاظ ہی سے کرتے ہیں۔

### فائدہ نمبر 1:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے القابات ”صدیق، فاروق، ذوالنورین، مرتضیٰ“ ذکر کیے ہیں۔ ان کی مختصر وضاحت پیش کی جاتی ہے۔

1: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا لقب ”صدیق“ ہے۔ اس لیے کہ آپ رضی اللہ عنہ صداقت میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے ممتاز ہیں۔

2: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا لقب ”فاروق“ ہے۔ اس لیے کہ آپ رضی اللہ عنہ حق و باطل میں فرق کرنے میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں امتیازی شان

کے حامل ہیں۔

3: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا لقب ”ذوالنورین“ ہے۔ ”النورین“ یہ ”نور“ کا تشبیہ ہے۔ نور سے مراد یہاں بیٹی اور لختِ جگر ہے کیونکہ اولاد کو بھی قرۃ العین یعنی آنکھوں کا نور کہہ دیتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا لقب ”ذوالنورین“ اس لیے ہے کہ تاریخِ انسانی میں آپ ہی وہ واحد شخصیت ہیں جن کے نکاح میں پیغمبر کی دو نورِ نظر یعنی بیٹیاں یکے بعد دیگرے آئی ہیں۔

4: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لقب ”المرتضیٰ“ ہے۔ مرتضیٰ کا معنی ہے ”پسندیدہ اور چُنی ہوئی شخصیت“۔ اس لقب کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ چند اہم مواقع پر آپ رضی اللہ عنہ کا خصوصیت سے انتخاب ہوا ہے مثلاً غزوہٗ خیبر کے موقع پر قلعہٴ قموں کو فتح کرنے کے لیے، ہجرت مدینہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اظہارِ مواخات کے لیے، آپ رضی اللہ عنہ ہی کے بارے میں ارشادِ نبوی ”أَمَّا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ“ حد درجہ محبت اور پیار بھرے جذبات کے اظہار کے لیے وغیرہ۔ ان جیسی وجوہات کی بنا پر تاریخِ اسلام میں آپ کو ”مرتضیٰ“ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

فائدہ نمبر 2:

انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل طبقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے افضل چار حضرات ہیں: حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔ ان چاروں کو ”خلفائے راشدین“ کہتے ہیں۔ اکابرین امت ان چاروں کو اسی ترتیب سے باقی امت سے افضل مانتے ہیں اور اسی پر اجماع ہے۔

1: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی (ت 150ھ) فرماتے ہیں:  
وَأَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ النَّبِيِّينَ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ ثُمَّ  
عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الْفَارُوقُ ثُمَّ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ ذُو النُّورَيْنِ ثُمَّ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ  
الْمُرْتَضَى رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ.

الفقہ الاکبر

ترجمہ: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام لوگوں میں افضل ہستی حضرت ابو بکر صدیق ہیں، پھر حضرت عمر بن خطاب فاروق، پھر حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین اور پھر حضرت علی المرتضیٰ بن ابی طالب رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔

2: امام محمد بن ادریس الشافعی (ت 204ھ)

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت 458ھ) لکھتے ہیں:  
عَنِ الرَّبِيعِ عَنِ الشَّافِعِيِّ أَنَّهُ قَالَ: أَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرُ، ثُمَّ عُثْمَانُ، ثُمَّ عَلِيٌّ. رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ.

کتاب مناقب الشافعی للبیہقی: ج 1 ص 433

ترجمہ: امام ربیع: امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل ابو بکر ہیں، پھر عمر ہیں، پھر عثمان اور پھر علی رضوان اللہ علیہم۔

3: امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی (ت 321ھ) فرماتے ہیں:

وَنُثِبَتْ الْخِلَافَةُ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلًا لِأَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ  
اللَّهُ عَنْهُ تَفْضِيلًا لَهُ وَتَقْدِيمًا عَلَى جَمِيعِ الْأُمَّةِ ثُمَّ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ  
عَنْهُ ثُمَّ لِعُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

العقیدۃ الطحاویۃ

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے حضرت ابو بکر رضی

اللہ عنہ کے لیے خلافت مانتے ہیں کیونکہ آپ ہی پوری امت میں سب سے افضل اور مقدم ہیں۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے، پھر حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ کے لیے مانتے ہیں۔

4: امام ابو محمد حسن بن علی بن خلف البزہاری الحنبلی (ت 329ھ)

امام ابو الفلاح عبدالحی بن احمد بن محمد العکری الحنبلی (ت 1089ھ) نے اپنی کتاب ”شذرات الذہب“ میں امام البزہاری الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کیا اور ان کی ایک تصنیف ”شرح کتاب السنۃ“ سے چند اقتباسات نقل کیے۔ ان میں یہ عقیدہ بھی نقل کیا:

وَأَفْضَلُ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَالْأُمَمِ كُلِّهَا بَعْدَ الْأَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَبُو بَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرُ، ثُمَّ عُثْمَانُ، ثُمَّ عَلِيٌّ.

شذرات الذہب: ج 4 ص 161

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کے بعد اس امت میں اور دیگر تمام امتوں میں سب سے افضل ابو بکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم۔

5: امام استاذ ابو منصور عبد القاہر بن طاہر التیمی البغدادی (ت 429ھ)

علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی الشافعی (ت 911ھ) امام ابو منصور البغدادی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

أَجْمَعَ أَهْلُ السُّنَّةِ أَنَّ أَفْضَلَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرُ، ثُمَّ عُثْمَانُ، ثُمَّ عَلِيٌّ.

تاریخ الخلفاء: ص 44

ترجمہ: اہل السنۃ کا اس بات پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل ابو بکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی رضی اللہ عنہم اجمعین



## فائدہ نمبر 3:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خلیفہ ہونا آپ رضی اللہ عنہ کے پوری امت میں سب سے افضل اور مقدم ہونے کی وجہ سے ہے۔ افضل ہونے کی کئی ایک وجوہ ہیں۔ چند ایک ملاحظہ ہوں:

1: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باقی تمام امت پر فضیلت کی وجہ ”صحابیت“ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا میسر ہونا ہے۔ جس صحابی کو یہ صحبت جتنی زیادہ ملی ہوگی وہ اتنا افضل ہوگا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ واحد صحابی ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سب سے زیادہ نصیب ہوئی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لائے اور پیغمبر پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک ساتھ رہے۔ اس لیے باقی صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہوئے۔

2: آپ رضی اللہ عنہ ہی وہ واحد صحابی ہیں جنہیں قرآن مجید نے ”صاحب“ (یعنی صحابی) کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ

سورة التوبة: 40

ترجمہ: اگر تم ان کی (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی) مدد نہیں کرو گے تو (ان) کا کچھ نقصان نہیں، اس لیے کہ (اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد اس وقت بھی کی ہے جب ان کو کافروں نے ایسے وقت (مکہ مکرمہ سے) نکالا تھا جب وہ دو آدمیوں میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی کو یہ کہہ رہے تھے کہ غم نہ کرو، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی طرف سے سکون قلب نازل فرمایا۔

تو آپ رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا قرآن سے ثابت ہوا۔

3: آپ رضی اللہ عنہ واحد صحابی ہیں جن کی چار پشتیں صحابی ہیں:

۱.... حضرت ابو قافہ عثمان بن عمر رضی اللہ عنہ (والد)

۲.... حضرت ابو بکر عبد اللہ بن عثمان رضی اللہ عنہما (خود)

۳.... حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما (بیٹا)

۴.... حضرت محمد بن عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم (پوتا)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الشامی الطبرانی (ت 360ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، قَالَ: لَا نَعْلَمُ أَرْبَعَةً أَذْرَكُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبْنَاءُؤُهُمْ، إِلَّا هَؤُلَاءِ الْأَرْبَعَةَ: أَبُو قُحَافَةَ، وَأَبُو بَكْرٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ، وَأَبُو عَتِيقٍ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، وَاسْمُ أَبِي عَتِيقٍ مُحَمَّدٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ.

المعجم الکبیر للطبرانی: ج 1 ص 21 رقم الحدیث 11

ترجمہ: حضرت موسیٰ بن عقبہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ (ت 141ھ) فرماتے ہیں کہ ہمارے علم کے مطابق باپ بیٹوں کی ایسی چار نسلیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہو صرف یہ ہیں: ابو قافہ، ابو بکر، عبد الرحمن بن ابی بکر اور ابو عتیق محمد بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہم۔

فائدہ نمبر 4:

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں مذکورہ ترتیب عقل کے بھی

مطابق ہے۔ اس لیے کہ

1: حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے سرسریں اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما داماد ہیں۔

سسر باپ کی طرح اور داماد بیٹے کی طرح ہوتا ہے۔ باپ کا مقام پہلے اور بیٹے کا مقام بعد میں ہوتا ہے۔ اس لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم کا مقام پہلے ہے یعنی آپ پہلے خلیفہ ہیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مقام بعد میں ہے یعنی آپ دوسرے خلیفہ ہیں۔

2: پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دوہرے داماد ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اکہرے داماد ہیں۔ اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقام پہلے ہے یعنی وہ تیسرے خلیفہ ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام بعد میں ہے اور وہ چوتھے خلیفہ ہیں۔

فائدہ نمبر 5:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں چند نظریات ذہن نشین فرمائیں:

صحابی کی تعریف:

حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت 852ھ) لکھتے ہیں:

مَنْ لَقِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُؤْمِنًا بِهِ وَمَاتَ عَلَى الْإِسْلَامِ.

نزهة النظر شرح نخبہ الفكر لابن حجر العسقلانی: ص 133

ترجمہ: جس نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کی حالت میں ملاقات کی ہو اور ایمان کی حالت میں ہی اس کی وفات ہوئی ہو۔

اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایمان لانے کے ارادے سے آئے تو بھی صحابی ہے اور اگر ایمان لانے کا قصد لے کر نہ آئے لیکن محفل میں آکر ایمان قبول کر لے تو وہ بھی صحابی ہے۔ اسی طرح لقاء کے لیے زیادہ

وقت درکار نہیں بلکہ ایمان کے ساتھ ایک لمحہ کے لیے بھی صحبت میسر ہو جائے تب بھی صحابی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خدائی انتخاب ہیں:

مقام صحابیت محض اللہ کی طرف سے عطا کردہ ایک عظیم الشان منصب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جیسے نبوت و رسالت کے لیے انبیاء و رسل علیہم السلام کا انتخاب فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو بھی خود منتخب فرمایا۔ رضی اللہ عنہم

علامہ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی (ت 807ھ) لکھتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَلَّمَ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى قَالَ: هُمْ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اصْطَفَاهُمْ اللَّهُ لِنَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. مجمع الزوائد للہیثمی: ج 7 ص 199 رقم الحدیث 11249

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ان لوگوں پر سلامتی ہو جنہیں اللہ نے منتخب فرمایا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مصداق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے منتخب فرمایا ہے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیالسی (ت 204ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ فَاخْتَارَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَهُ بِرِسَالَاتِهِ وَانْتَخَبَهُ بِعَلَمِهِ ثُمَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ النَّاسِ بَعْدَهُ فَاخْتَارَ لَهُ أَصْحَابَهُ فَجَعَلَهُمْ أَنْصَارَ دِينِهِ وَوَزَرَاءَ نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

مسند ابی داؤد الطیالسی: ج 1 ص 130 رقم الحدیث 243

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ

بے شک اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو ان میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا، آپ کو اپنی رسالت کے ساتھ مبعوث کیا اور آپ کو اپنے علم کے ساتھ منتخب کیا۔ پھر اس کے بعد لوگوں کے دلوں کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اصحاب کو منتخب فرمایا، ان کو دین کے معاملے میں آپ کا مددگار اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو وزیر بنایا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مومن ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین یکے سچے مومن ہیں۔ قرآن کریم میں جہاں جہاں بھی اللہ پاک نے اہل ایمان کی صفات بیان فرمائی ہیں ان کا سب سے پہلا مصداق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُمْ دَرَجَتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ

سورة الانفال: 4

ترجمہ: یہی حقیقی مومن ہیں۔ ان کے لیے اپنے رب کے ہاں بڑے درجات، مغفرت اور بہترین رزق موجود ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عادل ہونے کا معنی یہ ہے کہ ان میں شریعت کے متعلق گواہی دینے کی اہلیت موجود ہے اور ان کی بات کو سچی گواہی کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ دین اسلام کا مدار انہی کی روایات، مرویات اور شہادات پر ہے اور ان کی روایات و شہادات کا انحصار ان کی ذات کے عادل ہونے پر ہے۔

امام حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر الاندلسی المالکی (ت 463ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الصَّحَابَةَ كُلَّهُمُ عُدُولٌ مَرْضِيُونَ وَهَذَا أَمْرٌ مُجْتَمِعٌ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ  
بِالْحَدِيثِ.

الاستذکار لابن عبد البر: ج 3 ص 301 باب ما جاء في الصيام في السفر

ترجمہ: صحابہ سب کے سب عادل ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور یہ ایسی حقیقت ہے جس پر محدثین کا اجماع ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی (ت 671ھ) لکھتے ہیں:

فَالصَّحَابَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ كُلُّهُمْ عُدُولٌ. أَوْلِيَاءُ اللَّهِ تَعَالَى وَأَصْفِيَاؤُهُ. وَخَيْرَتُهُ  
مَنْ خَلَقَهُ بَعْدَ أَنْبِيَائِهِ وَرُسُلِهِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ. هَذَا مَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ.  
وَالَّذِي عَلَيْهِ الْجَمَاعَةُ مِنْ أُمَّةٍ هَذِهِ الْأُمَّةِ.

الجامع لاحکام القرآن: ج 2 ص 2863 تحت قولہ تعالیٰ ”مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ“، سورۃ

الف: 29

ترجمہ: تمام صحابہ رضی اللہ عنہ عادل ہیں، اللہ تعالیٰ کے محبوب اور منتخب ہستیاں  
ہیں، انبیاء و رسل علیہم السلام کے بعد امت کی بہترین شخصیات ہیں۔ یہی اہل السنۃ کا  
مذہب ہے اور اسی پر امت کے اہل علم کی جماعت متفق ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محفوظ ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے محفوظ ہونے کا معنی یہ ہے کہ اگر ان میں سے  
کسی سے بشری تقاضوں کے مطابق کبھی کوئی گناہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان کے ذمے میں  
وہ گناہ باقی نہیں رہنے دیتے یعنی دنیا میں اس گناہ سے معافی عطا فرما دیتے ہیں اور اس  
گناہ کی وجہ سے ملنے والے اخروی عذاب سے ان کو محفوظ فرما لیتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُمْ بِإِذْنِهِ ۚ حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَارَ عَتَمُ  
فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مَنِ بَعْدَ مَا أَرَكُمُ مَا تُحِبُّونَ ۖ مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا

وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ

سورۃ آل عمران: 152

ترجمہ: اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جب تم اللہ کے حکم سے ان (کافروں) کو قتل کرنے لگے یہاں تک کہ جب تم بے ہمت ہو گئے اور ایک معاملے میں (مورچے پر ٹھہرنے اور نہ ٹھہرنے کے بارے) آپس میں جھگڑا بھی کیا اور تم اس بارے پیغمبر کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے۔ اس کے بعد اللہ نے تمہیں وہ چیز (میدان جنگ میں فتح، دشمن پر غلبہ اور اس سے حاصل ہونے والا مال غنیمت) دکھادی جو تم پسند کرتے تھے۔ تم میں سے کچھ ایسے ہیں جو دنیا (کے اسباب یعنی مال غنیمت) کا ارادہ کرتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو آخرت (کے ثواب) کا ارادہ کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں آزمائش میں ڈالنے کے لیے ان سے پھیر دیا (یعنی کچھ وقت کے لیے اپنی مدد موقوف کر دی) پکی بات ہے کہ اللہ نے تمہیں معاف فرمادیا ہے اور وہ اہل ایمان پر فضل فرمانے والا ہے۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد الحاکم النیشابوری الشافعی (ت 405ھ) نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان "وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ" (سورۃ المائدہ: 35) کے بارے میں یہ بات بیان کی ہے:

لَقَدْ عَلِمَ الْمُحْفُوظُونَ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ ابْنَ أُمِّ عَبْدِ مَنْ أَقْرَبَهُمْ إِلَى اللَّهِ وَبَسِيلَةً

المستدرک علی الصحیحین: ج 3 ص 37 کتاب التفسیر تحت سورۃ المائدہ

ترجمہ: بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے محفوظ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ بات جان لی ہے کہ ابن ام عبد اللہ (یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچنے کا قریب ترین ذریعہ ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ حق ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معیارِ حق ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس شخص کا ایمان اور عمل قبول ہوتا ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ایمان اور عمل کے عین مطابق ہو۔ اور اگر کسی کا ایمان اور عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ایمان و عمل کے مطابق نہیں ہوگا تو وہ اللہ کے ہاں قبول بھی نہیں ہوگا۔ نہ تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ”مومن“ کہلائے جانے کا مستحق ہے اور نہ ”نیک“ کہلائے جانے کا حق دار۔

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا

سورة البقرة: 137

ترجمہ: اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لائیں جس طرح آپ ایمان لائے ہیں تو یہ لوگ ہدایت یاب ہو جائیں گے۔

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَ الْأَنْصَارِ وَ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوا عَنْهُ

سورة التوبة: 100

ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے، اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہو گیا ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تنقید سے بالاتر ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تنقید سے بالاتر ہونے کا معنی یہ ہے کہ ان کے کسی قول و فعل پر ایسا تبصرہ کرنا جس سے ان کی شخصیت مجروح ہوتی ہو یا ان کی شان میں کمی ہوتی ہو؛ حرام ہے۔ تنقید کی دو ممکنہ صورتیں بن سکتی ہیں:



1: ایمان پر تنقید

2: اعمال پر تنقید

یہ دونوں ممنوع ہیں۔ اگر تنقید ایمان و عقیدہ کی وجہ سے ہو یعنی عقیدہ خراب ہو تو صحابی صحابی نہیں رہتا اور اگر تنقید عمل کی وجہ سے ہو تو صحابی عمل کی وجہ سے صحابی بننا ہی نہیں ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی (ت 671ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ ذَهَبَتْ شُرُذِمَةٌ لَا مَبَالَاةَ بِهِمْ إِلَى أَنَّ حَالَ الصَّحَابَةِ لِحَالٍ غَيْرِهِمْ، فَيَلْزِمُ  
الْبَحْثُ عَنْ عَدَالَتِهِمْ. وَمِنْهُمْ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ حَالِهِمْ فِي بَدَاءَةِ الْأَمْرِ فَقَالَ: إِنَّهُمْ  
كَانُوا عَلَى الْعَدَالَةِ إِذْ ذَاكَ، ثُمَّ تَغَيَّرَتْ بِهِمْ الْأَحْوَالُ فَظَهَرَتْ فِيهِمْ الْحُرُوبُ  
وَسَفَاكَ الدِّمَاءِ فَلَا بُدَّ مِنَ الْبَحْثِ. وَهَذَا مَرْدُودٌ.

الجامع لاحکام القرآن: ج 2 ص 2863 ”مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ“، سورة الفتح: 29

ترجمہ: بعض لوگ جو کسی شمار و قطار میں نہیں، کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معاملہ باقی لوگوں کی طرح ہے اس لیے صحابہ کی عدالت کے متعلق بحث کی جائے گی۔ چنانچہ ان لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ابتدائی احوال کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ اس وقت صحابہ عادل تھے لیکن بعد میں جب ان کے احوال میں تبدیلی آئی اور آپس میں جنگیں ہوئیں اور (دونوں اطراف میں) شہادتیں واقع ہوئیں تو (اس وقت) ان کے احوال سے بحث کرنا ضروری ہے۔ (امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں) ان لوگوں کی یہ بات مردود ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنتی ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب جنتی ہیں۔ ایک لمحے کے لیے بھی جہنم میں نہیں جائیں گے۔ ان تک تو جہنم کا دھواں بھی نہیں پہنچ سکتا، قیامت والے

دن سیدھے جنت میں جائیں گے۔

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَ الْأَنْصَارِ وَ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ  
بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوا عَنْهُ وَ أَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا  
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

سورة التوبة: 100

ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے، اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہو گیا ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امت کا افضل ترین طبقہ ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا طبقہ امت کا سب سے بہترین اور افضل ترین طبقہ ہے۔ ان جیسے باکمال اور بے مثال لوگ نہ ان سے پہلے کسی امت میں پیدا ہوئے نہ ہی ان کے بعد قیامت تک پیدا ہوں گے۔

حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر دمشقی

شافعی (ت 774ھ) لکھتے ہیں:

وَلَهُمُ الْفَضْلُ وَالسَّبْقُ وَالْكَمَالُ الَّذِي لَا يَلْحَقُهُمْ فِيهِ أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ.  
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَأَرْضَاهُمْ.

تفسیر القرآن الکریم لابن کثیر: ج 5 ص 642 ”مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ“، سورة الفتح: 29

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہ فضیلت، بلندی مقام اور کمال حاصل ہے جو امت میں کسی کو بھی حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام سے راضی ہو اور ان کو راضی فرمائے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع معصوم ہے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ فرداً فرداً مومن، عادل، حجت، معیار حق، تنقید سے بالاتر اور گناہوں سے محفوظ ہیں لیکن جب کسی بات پر متفق ہو جائیں یعنی ان کا اجماع ہو جائے تو وہ اجماع پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرح معصوم ہوتا ہے۔ محقق علی الاطلاق علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید الحنفی المعروف ابن الہام (ت 861ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ تَقَرَّرَ فِي عِلْمِ الْأُصُولِ أَنَّ إِجْمَاعَ الْأُمَّةِ سَيِّمًا إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ دَلِيلٌ قَطْعِيٌّ يَكْفُرُ جَاحِدُهُ.

فتح القدیر لابن الہام: ج 10 ص 116 کتاب الاثریۃ

ترجمہ: علم اصول میں یہ بات طے شدہ ہے کہ امت کا اجماع خاص طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع دلیل قطعی ہے، ان کا منکر کافر ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سب و شتم حرام ہے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نامناسب الفاظ سے یاد کرنا، برا بھلا کہنا، سب و شتم کرنا، گالم گلوچ کرنا اور لعن طعن کرنا حرام ہے اور خدا تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے۔

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت 458ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغْفَلٍ الْمُرِّيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اللَّهُ فِي أَصْحَابِي، لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِي، مَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ.

شعب الایمان للبیہقی: ج 2 ص 191 رقم الحدیث 1511

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ سے میرے صحابہ کے بارے میں ڈرو۔ ان کو میرے بعد طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنانا۔ جو شخص صحابہ کرام سے محبت کرتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے اور جو شخص ان سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے۔

امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد الخطیب البغدادی (ت 463ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا ظَهَرَتِ الْفِتْنُ أَوْ قَالَ: الْبِدْعُ وَسَبَّ أَصْحَابِي فَلْيُظْهِرِ الْعَالِمُ عَلِمَهُ فَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يَقْبَلُ اللَّهُ لَهُ صَرْفًا وَلَا عَدَلًا"

الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع: ج 2 ص 118 الملاء مناقب الصحابة ومناقبهم

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب فتنے یا بدعات ظاہر ہوں اور میرے اصحاب کو گالی دی جائے تو پھر عالم کو اپنا علم ظاہر کرنا چاہیے۔ جو شخص اس طرح نہ کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کے نہ فرض کو قبول کریں گے اور نہ نفل کو۔

حب صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم:

صحابہ کرام اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ محبت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کی علامت ہے اور صحابہ کرام اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین دونوں سے بغض یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ محبت اور دوسرے کے ساتھ بغض، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض کی علامت

اور گمراہی ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت کرتے ہیں:  
عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "آيَةُ  
الْإِيمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ وَآيَةُ الْبَغَايِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 3784

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ  
وسلم نے فرمایا: انصار صحابہ سے محبت کرنا ایمان کی نشانی ہے اور انصار صحابہ سے  
بغض رکھنا منافقت کی نشانی ہے۔

مقام صحابہ رضی اللہ عنہم:

انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد انسانوں میں سب سے اعلیٰ ترین درجہ اور  
مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ہے اور ان میں بھی باہمی مقام و مرتبہ کی  
ترتیب درج ذیل ہے:

- 1: خلفائے راشدین علی ترتیب الخلافۃ۔
- 2: عشرہ مبشرہ۔
- 3: اصحاب بدر۔
- 4: اصحاب بیعت رضوان۔
- 5: شرکائے فتح مکہ
- 6: وہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔

عشرہ مبشرہ:

حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت

علی المرتضیٰ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہم

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (ت 279ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَبُو بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَعُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَعَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَطَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ وَالزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ وَسَعْدُ فِي الْجَنَّةِ وَسَعِيدُ فِي الْجَنَّةِ وَأَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ.

سنن الترمذی: رقم الحدیث 3747

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو بکر جنتی ہیں، عمر جنتی ہیں، عثمان جنتی ہیں، علی جنتی ہیں، طلحہ جنتی ہیں، زبیر جنتی ہیں، عبد الرحمن بن عوف جنتی ہیں، سعد جنتی ہیں، سعید جنتی ہیں، ابو عبیدہ بن جراح جنتی ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُخروی عذاب سے محفوظ ہیں:

کسی ایک صحابی کو بھی اُخروی عذاب نہیں ہوگا، جس شخص کو ایمان کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوگئی اس پر جہنم کی آگ حرام ہے۔ حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت 852ھ) نے علامہ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی القرطبی الظاہری (ت 456ھ) کے حوالے سے لکھا ہے:

وَقَالَ أَبُو مُحَمَّدٍ بْنُ حَزْمٍ: الصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَطْعًا. قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: "لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلًا ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَ قَتَلُوا ۚ وَ كَلَّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ" قَالَ تَعَالَى: "إِنَّ

الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ" فَتَبَتَ أَنَّ الْجَمِيعَ  
مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَأَنَّهُ لَا يَدْخُلُ أَحَدٌ مِنْهُمْ النَّارَ، لِأَنَّهُمْ الْمَخَاطَبُونَ بِالْأَلَايَةِ  
السَّابِقَةِ.

الاصابة فی تمیز الصحابة: ج 1 ص 10

ترجمہ: امام ابو محمد ابن حزم فرماتے ہیں: تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یقینی طور پر  
جنتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”تم لوگوں میں سے جنہوں نے فتح (مکہ) سے  
پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا وہ ان لوگوں سے درجے میں زیادہ ہیں جنہوں نے (فتح مکہ کے)  
بعد خرچ کیا اور جہاد کیا (لیکن) اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ ہر ایک سے کر رکھا ہے“ اللہ  
تعالیٰ کا مزید ارشاد ہے: ”جن لوگوں کے لیے ہماری جانب سے بھلائی کا وعدہ کیا جا چکا  
ہے وہ اس (جہنم) سے دور رکھے جائیں گے“ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام صحابہ کرام  
رضی اللہ عنہم جنتی ہیں اور کوئی صحابی بھی جہنم میں داخل نہیں ہو گا کیونکہ ما قبل والی  
آیت "وَكَلَّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ" کے مخاطب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں۔

اعدائے صحابہ سے براءت:

جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ایمان، عدالت، حجیت اور  
حفاظت کا منکر ہو یا صحابہ پہ طعن و تشنیع کرتا ہو ہم اس سے اعلان براءت کرتے ہیں۔  
ہمارا اس بندے سے کوئی تعلق نہیں۔ اللہ پاک دنیا اور آخرت میں ہمیں ایسے لوگوں  
سے الگ رکھیں۔

☆ امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی (ت 321ھ) لکھتے ہیں:

وَنُحِبُّ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نُفَرِّطُ فِي حُبِّ أَحَدٍ مِنْهُمْ  
وَلَا نَتَبَرَّأُ مِنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنُبْغِضُ مَنْ يُبْغِضُهُمْ وَبَغَيْرِ الْخَيْرِ يَذْكُرُهُمْ وَلَا  
نَذْكُرُهُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ وَنَرَىٰ حُبَّهُمْ دِينًا وَاجْمَاعًا وَاحْسَانًا وَبُغْضُهُمْ كُفْرًا وَنِفَاقًا

وَطُغْيَانًا.

العقيدة الطحاوية مع الشرح لتكلم الاسلام: ص 146

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے محبت کرتے ہیں البتہ کسی کی محبت میں غلو کرتے ہیں نہ کسی سے براءت کرتے ہیں۔ ہم ایسے شخص سے بغض رکھتے ہیں جو ان سے بغض رکھے اور برائی سے ان کا تذکرہ کرے۔ ہم جب بھی صحابہ کا تذکرہ کریں گے تو خیر ہی سے کریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کو دین، ایمان اور احسان سمجھتے ہیں اور ان سے نفرت کرنے کو کفر، منافقت اور سرکشی سمجھتے ہیں۔

خلافت راشدہ و خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم:

”خلافت راشدہ“ شریعت کی اصطلاح ہے جس سے مراد خلافت راشدہ موعودہ فی القرآن ہے۔ یعنی قرآن کریم کی آیت استخلاف (سورۃ النور: 55) میں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو خلافت دینے کا وعدہ کیا گیا ہے وہ چار ہی ہیں: حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔ ان چاروں کو ”خلفائے راشدین“ اور ان کے دورِ خلافت کو ”دورِ خلافت راشدہ“ کہتے ہیں۔

امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی (ت 321ھ) لکھتے ہیں:

وَنُشِبَتْ الْخِلَافَةُ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلًا لِأَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ تَفْضِيلًا لَهُ وَتَقْدِيرًا عَلَى جَمِيعِ الْأُمَّةِ ثُمَّ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَهُمْ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُونَ وَالْأَئِمَّةُ الْمُهْتَدُونَ الَّذِينَ قَضَوْا بِالْحَقِّ وَكَانُوا إِيَّاهُ يَعْدِلُونَ.

العقيدة الطحاوية مع الشرح لتكلم الاسلام: ص 148

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے حضرت ابو بکر رضی



اللہ عنہ کے لیے خلافت مانتے ہیں کیونکہ آپ ہی پوری امت میں سب سے افضل اور مقدم ہیں۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے، پھر حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ کے لیے مانتے ہیں۔ یہی چار خلفائے راشدین اور ہدایت یافتہ امام ہیں جنہوں نے حق و راستی سے اپنی ذمہ داریاں نبھائیں اور برحق فیصلے کیے۔

### خلافت حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ کا اختلاف اجتہادی تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے تقریباً چھ ماہ خلافت کا نظم و نسق سنبھالا۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہوئے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر شافعی (ت 774ھ) لکھتے ہیں: قَدْ ذُكِرْنَا أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَمَّا ضَرَبَهُ ابْنُ مُلْجَمٍ قَالُوا لَهُ: اسْتَخْلِفْ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! فَقَالَ: لَا وَلَكِنْ أَدْعُكُمْ كَمَا تَرَكُكُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَعْنِي بَغَيْرِ اسْتِخْلَافٍ - فَإِنْ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمْ خَيْرًا يَجْمَعُكُمْ عَلَى خَيْرِكُمْ كَمَا يَجْمَعُكُمْ عَلَى خَيْرِكُمْ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا تَوَفَّى وَصَلَّى عَلَيْهِ ابْنُهُ الْحَسَنُ - لِأَنَّهُ أَكْبَرُ بَنِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ - وَدُفِنَ - كَمَا ذُكِرْنَا - بِدَارِ الْإِمَارَةِ عَلَى الصَّحِيحِ مِنْ أَقْوَالِ النَّاسِ، فَلَمَّا فَرَّغَ مِنْ شَأْنِهِ كَانَ أَوَّلَ مَنْ تَقَدَّمَ إِلَى الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ بْنِ عَبَادَةَ فَقَالَ لَهُ: ابْسُطْ يَدَكَ أَبَايَعُكَ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ، فَسَكَتَ الْحَسَنُ فَبَايَعَهُ ثُمَّ بَايَعَهُ النَّاسُ بَعْدَهُ، وَكَانَ ذَلِكَ يَوْمَ مَاتَ عَلِيٌّ.

البدایہ والنہایہ لابن کثیر: ج 4 ص 402 خلافت الحسن بن علی رضی اللہ عنہما

ترجمہ: ہم نے یہ بات پہلے بیان کی ہے کہ جب ابن ماجہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تلواریں مار کر زخمی کیا تو لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المومنین! آپ اپنا خلیفہ نامزد کر دیجئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں! بلکہ میں تم کو اسی طرح چھوڑ کر جا رہا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم امت کو چھوڑ کر گئے تھے یعنی خلیفہ مقرر کیے بغیر۔ اگر اللہ تعالیٰ کو تمہاری بہتری منظور ہوئی تو تم کو ایک بہترین آدمی پر جمع کرے گا جس طرح اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی امت کو ایک بہترین آدمی پر جمع کیا تھا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو آپ کے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی کیوں کہ وہ آپ کے سب سے بڑے بیٹے تھے، اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ صحیح قول کے مطابق آپ کو دار الامارۃ میں دفن کر دیا گیا۔ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ تدفین کے مراحل سے فارغ ہوئے تو سب پہلے حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے آگے بڑھ کر آپ سے کہا: اپنا ہاتھ لائیے! میں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر آپ سے بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت حسن خاموش رہے۔ حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے سب سے پہلے بیعت کی، پھر باقی لوگوں نے بھی بیعت کی۔ یہ وہ دن تھا جس دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تھی۔

### خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اب بلا شرکتِ غیر؛ متفقہ طور پر امیر المومنین اور مسلمانوں کے خلیفہ بن گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے نظامِ خلافت کو انتہائی احسن انداز

میں سنبھالا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت ”خلافت راشدہ“ تو نہیں ہاں البتہ ”خلافت عادلہ“ ضرور تھی۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر شافعی (ت 774ھ) لکھتے ہیں:

وَلَمَّا رَأَى الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا تَفَرَّقَ جَيْشُهُ عَلَيْهِ مَقَتَّتُهُمْ وَكَتَبَ عِنْدَ ذَلِكَ إِلَى مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَكَانَ قَدْ رَكِبَ فِي أَهْلِ الشَّامِ فَتَنَزَلَ مَسْكِنَ يَرِاُضَهُ عَلَى الصُّلْحِ بَيْنَهُمَا، فَبَعَثَ إِلَيْهِ مُعَاوِيَةُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَامِرٍ وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ سَمُرَةَ فَقَدِمَا عَلَيْهِ الْكُوفَةَ فَبَدَّلَا لَهُ مَا أَرَادَ مِنَ الْأَمْوَالِ فَاشْتَرَطَ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ بَيْتِ مَالِ الْكُوفَةِ خَمْسَةَ آلَافٍ أَلْفٍ دِرْهَمٍ، وَأَنْ يَكُونَ خِرَاجَ دَارِ أُمِّجُزَ ذَلِكَ، وَأَنْ لَا يُسَبَّ عَلَى وَهُوَ يَسْمَعُ، فَإِذَا فُعِلَ ذَلِكَ نَزَلَ عَنِ الْإِمْرَةِ لِمُعَاوِيَةَ وَيَحْقِنُ الدِّمَاءَ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ، فَاصْطَلَحُوا عَلَى ذَلِكَ وَاجْتَمَعَتِ الْكَلِمَةُ عَلَى مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: ج 4 ص 403 خلافت الحسن بن علی رضی اللہ عنہما ترجمہ: جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنے لشکر میں افتراق و انتشار دیکھا تو آپ ان پر سخت ناراض ہوئے اور آپ نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو ایک خط لکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ اہل شام کے ساتھ سوار ہو کر مقام ”مسکن“ پر ٹھہرے ہوئے تھے اور جانبین کے درمیان صلح کی کوشش فرما رہے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن عامر اور عبد الرحمن بن سمرہ کو آپ رضی اللہ عنہ کے پاس کوفہ میں بھیجا، جس قدر مال حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے چاہا ان دونوں نے وہ انہیں دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ شرط بھی مقرر کی کہ کوفہ کے بیت المال سے آپ کو پچاس لاکھ درہم حاصل ہوں گے اور دار اُمّجُز کا خراج بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے ہو گا اور ان کی موجودگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف

کوئی ہتک آمیز کلام نہیں کیا جائے گا۔ جب وہ ایسا کر لیں گے (یعنی ان شرائط کو قبول کر لیں گے) تو آپ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں امارت سے دستبردار ہو جائیں گے اور یوں مسلمان آپس کی خونریزی سے بھی محفوظ ہو جائیں گے۔ چنانچہ یوں ان دونوں حضرات کے درمیان مصالحت ہوئی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ متفقہ طور پر خلافت کے لیے نامزد ہو گئے۔

### سوال:

”خلفائے راشدین“ صرف چار نہیں بلکہ سات ہیں۔ 1. حضرت ابو بکر صدیق، 2. حضرت عمر فاروق، 3. حضرت عثمان ذوالنورین، 4. حضرت علی المرتضیٰ، 5. حضرت حسن بن علی، 6. حضرت امیر معاویہ، 7. حضرت عبداللہ بن زبیر [رضی اللہ عنہم] ان میں سے ہر ایک ”خلیفہ“ بھی ہے کہ بار خلافت ان کے کندھوں پر آیا ہے اور ہر ایک ”راشد“ بھی ہے کیونکہ قرآن کریم نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ”راشد“ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **أُولَئِكَ هُمُ الرُّشِدُونَ**

سورة الحجرات: 7

### جواب:

جب ہم ”خلافت راشدہ“ اور ”خلفائے راشدین“ کہتے ہیں تو اس کا لغوی معنی مراد نہیں ہوتا بلکہ ”خلافت راشدہ“ اور ”خلفائے راشدین“ شریعت کی خاص اصطلاحات ہیں۔ ”خلافت راشدہ“ کی اصطلاح سے مراد ”خلافت راشدہ موعودہ فی القرآن“ ہے یعنی ایسی خلافت جس کا وعدہ قرآن میں کیا گیا ہے۔ اس خلافت کا وعدہ صرف چار خلفاء کے ساتھ کیا گیا ہے، سب کے ساتھ نہیں کیا گیا۔ اسی طرح ”خلفائے راشدین“ سے مراد وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جن کے بارے میں آیت استخلاف میں اللہ نے خلافت کا وعدہ کیا اور وہ سات نہیں بلکہ وہ چار ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ  
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ  
وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَنْ  
كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ

سورۃ النور: 55

ترجمہ: تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ہیں ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو بنایا تھا اور ان کے لیے اس دین کو ضرور اقتدار بخشے گا جسے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ان کو جو خوف لاحق رہا ہے اس کے بدلے انہیں ضرور امن عطا کرے گا۔ وہ میری عبادت کریں، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور جو لوگ اس کے بعد بھی ناشکری کریں گے تو ایسے لوگ نافرمان شمار ہوں گے۔

اس آیت میں دو باتیں ملحوظ ہیں۔ ”آمَنُوا“ (صیغہ ماضی) اور ”مِنْكُمْ“ (ضمیر حاضر) یعنی جو ایمان لائے ہوں اور خطاب کے وقت موجود ہوں۔ معلوم ہوا کہ خلافت کا وعدہ ان لوگوں سے ہے جو نزولِ آیت کے وقت موجود تھے اور نزول سے پہلے ایمان بھی لائے تھے۔ خلفائے اربعہ؛ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ہی وہ حضرات ہیں جن میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں کہ یہ چاروں نزولِ آیت کے وقت موجود تھے اور ایمان لائے چکے تھے۔ حضرت امیر معاویہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے، حضرت حسن اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اس وقت نابالغ تھے۔ اس لیے یہ حضرات خلفائے راشدین میں شامل نہیں ہوں گے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) کے افادات پر مشتمل تفسیر ”احکام القرآن“ میں اس آیت کے تحت ذکر کیے گئے فوائد میں فائدہ نمبر 2 کے تحت لکھا ہے:

فِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى صِحَّةِ إِمَامَةِ الْخُلَفَاءِ الْأَرْبَعَةِ أَيْضًا لِأَنَّ اللَّهَ اسْتَخْلَفَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَمَكَّنَ لَهُمْ كَمَا جَاءَ الْوَعْدُ وَلَا يَدْخُلُ فِيهِمْ مُعَاوِيَةُ لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مُؤْمِنًا فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ.

احکام القرآن: ج 16 ص 260

ترجمہ: یہ آیت خلفائے اربعہ کی امامت (و خلافت) کے صحیح ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اس وعدہ کے مطابق انہی چار کو اللہ تعالیٰ نے خلافت و حکومت عطا فرمائی ہے۔ اس خلافت موعودہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شامل نہیں کیونکہ نزول آیت کے وقت وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

خلاصہ یہ کہ ”خلافت راشدہ“ اور ”خلفائے راشدین“ اصطلاحات ہیں اور مراد ان سے وہ خلفاء اور ان کی خلافت ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور وہ صرف چار حضرات اور ان کی خلافت ہی ہے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی مدت خلافت کا اجمالی نقشہ یہ ہے:

نمبر شمار	نام خلیفہ راشد	مدت خلافت
1	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	2 سال، 3 ماہ، 10 دن
2	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	10 سال، 5 ماہ، 21 دن
3	حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	12 سال، 11 دن
4	حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ	4 سال، 9 ماہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات:

”مشاجرات“ کا لغوی معنی ہوتا ہے ایک ہی درخت کی ٹہنیوں کا آپس میں ہوا کی وجہ سے ٹکرانا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات کا معنی یہ ہے کہ یہ سب کے سب ایک ہی (ایمان والے) درخت کی شاخیں ہیں۔ (آزمانشوں اور خارجی سازشوں جیسی ناموافق) ہواؤں کی وجہ سے آپس میں ٹہنیوں کی طرح ٹکرا بھی گئے بلکہ بعض جنگی حالات بھی پیش آئے، جیسے جنگِ جمل اور جنگِ صفین۔

ان جنگوں اور مشاجرات کی وجہ سے دونوں فریقوں کا احترام، مقام و منصب اور جلالتِ شان کو ذہن میں رکھتے ہوئے صواب اور اس کے مقابلے میں خطا کا معتدل نظریہ اپنانے میں کوئی حرج اور ان کے مقام پر حرف نہیں آتا۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف یہ ہے کہ ان معاملات میں خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ حق (درست اجتہاد) پر تھے اور ان کے مقابلے میں جو لوگ آئے وہ خطا پر تھے۔ ان کی خطا ”اجتہادی خطا“ تھی جسے کسی صورت ”باطل“ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن ان واقعات کی وجہ سے دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کی بھی فضیلت میں کچھ کمی نہیں ہوئی، کسی ایک کا بھی مقام کم نہیں ہوا اور کوئی ایک بھی ایمان سے خالی نہیں ہوا۔ ان میں کسی ایک کو حق اور اس کے مقابلے میں دوسرے کو باطل قرار نہیں دیا جائے گا بلکہ حدیث مبارک کی رو سے دونوں کو اللہ کی طرف سے اجر کا مستحق سمجھا جائے گا۔

✽ امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل البغدادی (ت 241ھ)

امام ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر القرطبی المالکی (ت 463ھ) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

لَا نَنْظُرُ بَيْنَ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيَامَ شَجَرٍ بَيْنَهُمْ وَنَكِلُ أَمْرَهُمْ

إِلَى اللَّهِ. وَالْحُجَّةُ فِي ذَلِكَ حَدِيثُ حَاطِبٍ.

جامع بیان العلم و فضلہ: ج 2 ص 215

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے درمیان جو واقعات رونما ہوئے ہم ان میں بحث و مباحثہ نہیں کرتے بلکہ ہم یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ اس معاملے میں ہماری دلیل حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔

✽ شیخ ابو محمد محی الدین عبد القادر بن ابی صالح عبد اللہ جیلانی (ت 561ھ) لکھتے ہیں:

وَاتَّفَقَ أَهْلُ السُّنَّةِ عَلَى وُجُوبِ الْكَفِّ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَهُمْ، وَالْإِمْسَاكِ عَنْ مَسَاوِيهِمْ، وَإِظْهَارِ فَضَائِلِهِمْ وَمَحَاسِنِهِمْ، وَتَسْلِيمِ أَمْرِهِمْ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى مَا كَانَ وَجْزِي مِنْ اخْتِلَافٍ عَلَيَّ وَطَلْعَةِ الزُّبَيْرِ وَعَائِشَةَ وَمُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ.

غنیۃ الطالبین للہیلمانی: ص 113

ترجمہ: اہل السنۃ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو نزاعات ہوئے ان میں خاموشی اختیار کرنا اور ان کی خامیاں بیان کرنے سے باز رہنا واجب ہے۔ اسی طرح ان کے فضائل و مناقب اور خوبیاں بیان کرنا بھی واجب ہے اور جو اختلاف حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عائشہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے درمیان پیش آئے انہیں اللہ کے سپرد کرنا بھی واجب ہے۔

✽ علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی (ت 676ھ) لکھتے ہیں:

وَمَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْحَقِّ إِحْسَانُ الظَّنِّ بِهِمْ وَالْإِمْسَاكِ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَهُمْ وَتَأْوِيلُ قِتَالِهِمْ وَأَثْمُهُمْ مُجْتَهِدُونَ مُتَأَوِّلُونَ لَمْ يَقْصِدُوا مَعْصِيَةً وَلَا خُصْصَ الدُّنْيَا بَلِ اعْتَقَدُوا كُلَّ فَرِيقٍ أَنَّهُ الْمَحْقُوقُ وَمُخَالَفَةُ بَاغٍ فَوْجَبَ عَلَيْهِ قِتَالَهُ لِيَرْجَعَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ وَكَانَ بَعْضُهُمْ مُصِيبًا وَبَعْضُهُمْ مُخْطِئًا مَعْدُورًا فِي الْخَطَا لِأَنَّهُ



لَا جَهْدَ وَالْمُجْتَهِدُ إِذَا أَخْطَأَ لَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَكَانَ عَلَى رِضَى اللَّهِ عَنْهُ هُوَ الْمُحِقُّ  
الْمُصِيبُ فِي تِلْكَ الْحُرُوبِ. هَذَا مَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ.

شرح مسلم للنووی: ج 2 ص 390 کتاب الفتن وشرائط الساعة

ترجمہ: اہل السنۃ اور اہل حق کا مذہب اور نظریہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں حسن ظن رکھا جائے اور ان کے درمیان رونا ہونے والے اختلافات میں خاموشی اختیار کی جائے اور ان کی باہمی لڑائیوں کی تاویل کی جائے۔ بلاشبہ یہ حضرات مجتہد اور صاحب رائے تھے، ان کا مقصد نہ معصیت تھا اور نہ ہی دنیا طلبی تھی، بلکہ ان میں سے ہر فریق یہ سمجھتا تھا کہ وہی حق پر ہے اور دوسرا خطا پر ہے اور خطا پر ہونے والے فریق سے لڑائی کرنا ضروری ہے تاکہ وہ امر اللہ کی طرف واپس لوٹ آئے۔ اس لیے ان لڑائیوں میں بعض صحابہ مصیب تھے اور بعض خطا پر تھے لیکن یہ حضرات بھی خطا پر ہونے کے باوجود معذور تھے کیونکہ اس کی بنیاد اجتہاد پر تھی اور مجتہد سے جب خطا اجتہادی ہو جائے تو وہ گنہگار نہیں ہوتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان جنگوں میں حق پر تھے اور مصیب تھے۔ یہی اہل السنۃ کا موقف ہے۔

حق حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے باہمی اختلاف میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور یزید کی حکومت نہ خلافت راشدہ تھی اور نہ خلافت عادلہ۔ نیز یزید کے اپنے عملی فسق سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بری ہیں۔

☆ قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (ت 1297ھ) لکھتے ہیں:

”جس وقت کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید پلید کو اپنا ولی عہد بنایا تھا تو وہ علانیہ فاسق نہ تھا۔ اگر اس نے کچھ کیا ہو گا تو درپردہ کیا ہو گا کہ حضرت معاویہ رضی

اللہ عنہ کو اس کی خبر نہ تھی۔ علاوہ ازیں جہاد میں یزید کا حسن تدبیر جیسا کہ اس سے دیکھا گیا مشہور ہے... حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ خلافت کے متعلق یہ تھا کہ جس کسی کو مملکت کے انتظام کا سلیقہ دوسروں سے زیادہ ہو اگر اس سے افضل موجود ہوں تو دوسروں سے اس کا خلیفہ بنانا افضل ہے۔ اس بات پر نظر رکھتے ہوئے یزید کو انہوں نے دوسروں سے افضل جانا اور اگر بالفرض افضل نہ بھی جانا تو اس سے زیادہ بات آگے نہیں بڑھتی کہ انہوں نے افضل کو چھوڑ دیا جیسا کہ گزشتہ مقدمات میں واضح ہو گیا کہ افضل کا خلیفہ بنانا افضل ہے نہ کہ واجب لیکن اتنی بات کہ باعث ترک افضل کا ان پر گناہ نہیں تھوپا جاسکتا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کالم گلوچ سے ہم پیش آئیں اور پھر ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار کرتے ہیں کہ افضل اور اولیٰ کو ترک کرنے کے باعث ان جیسے معاملات میں ہم ان کی طرف سے معذرت پیش کریں!“

مکتوبات قاسم العلوم: ص 173 تا 175

✽ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) لکھتے ہیں:

”(حضرت حسین رضی اللہ عنہ) مظلوم تھے اور مقتول مظلوم شہید ہوتا ہے۔ شہادت غزوہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بس ہم اسی بنائے مظلومیت پر ان کو شہید مانیں گے۔ باقی یزید کو اس قتال میں اس لیے معذور نہیں کہہ سکتے کہ وہ مجتہد سے اپنی تقلید کیوں کراتا تھا! خصوص جبکہ حضرت امام رضی اللہ عنہ آخر میں فرمانے بھی لگے تھے کہ میں کچھ نہیں کہتا۔ اس کو توعداوت ہی تھی۔“

امداد الفتاویٰ: ج 4 ص 765

فسق یزید:

یزید فاسق و فاجر تھا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا اور ولی عہد ہونے

کی وجہ سے یزید کو صالح نہیں کہہ سکتے۔ اور یزید کے فسق و فجور کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض بھی نہیں کر سکتے۔

✽ قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (ت 1297ھ) لکھتے ہیں:

”ان (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) کے انتقال کے بعد یزید نے پر پرزے نکالنے شروع کیے اور دل کو خواہش نفس اور ہاتھ کو جام شراب پر لے گیا۔ فسق کھلم کھلا کرنے لگا اور نماز چھوڑ دی۔“

مکتوبات قاسم العلوم: 175

✽ قطب الاقطاب فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (ت 1323ھ) فرماتے ہیں:

”کسی مسلمان کو کافر کہنا مناسب نہیں۔ یزید مومن تھا بسبب قتل کے فاسق ہوا، کفر کا حال دریافت نہیں، کافر کہنا جائز نہیں کہ وہ عقیدہ قلب پر موقوف ہے۔“

فتاویٰ رشیدیہ: ص 49

✽ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) فرماتے ہیں:

”یزید فاسق تھا اور فاسق کی ولایت مختلف فیہ ہے۔“

امداد الفتاویٰ: ج 4 ص 465

نوٹ:

ان نظریات کے تفصیلی دلائل اور تشریح بندہ کی کتاب ”شرح کتاب العقائد“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

مر تکب کبیرہ کو کافر نہ کہا جائے جب تک وہ گناہ کو

حلال نہ سمجھے

وَلَا تُكْفِرُ مُسْلِمًا بِذَنْبٍ مِنَ الذُّنُوبِ وَإِنْ كَانَ ذَنْبُهُ كَبِيرَةً إِذَا لَهُ يَسْتَجِلُّهَا وَلَا  
نَزِيلٌ عَنْهُ اسْمُ الْإِيمَانِ وَنَسَبِيَّهِ مُؤْمِنًا حَقِيقَةً وَبِجُورٍ أَنْ يَكُونَ مُؤْمِنًا فَاسِقًا  
غَيْرَ كَافِرٍ

ترجمہ: ہم کسی مسلمان کو گناہ کرنے کی وجہ سے کافر نہیں کہتے اگرچہ وہ گناہ کبیرہ ہی  
کیوں نہ ہو جب تک کہ وہ اس گناہ کو حلال نہ سمجھے۔ ہم اس سے ”ایمان“ کا لفظ ختم  
نہیں کر سکتے بلکہ اسے حقیقی مؤمن ہی کہیں گے کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ ایک شخص  
مؤمن ہو اور فاسق ہو لیکن کافر نہ ہو۔

مر تکب کبیرہ کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف:

اہل ایمان جنت میں ضرور بالضرور داخل ہوں گے۔ اگر کسی مؤمن نے  
حالتِ ایمان میں گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر لیا اور بغیر توبہ کے فوت ہو گیا تو اس کا معاملہ  
اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو فضل و احسان کا معاملہ  
کرتے ہوئے اسے معاف فرما کر ابتداءً جنت میں داخل فرمادیں گے اور اگر چاہیں گے تو  
قانونِ عدل کے ساتھ اسے گناہ کی سزا دے کر بالآخر جنت میں داخل فرمادیں گے۔ سزا  
پانے کی صورت میں جب یہ بندہ مؤمن جہنم جائے گا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں  
نہیں جائے گا بلکہ اپنی سزا پانے کے بعد جنت میں داخل ہو گا۔ سزا دینے کے بعد جنت  
میں داخل فرمانا بھی اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔

امام مسعود بن عمر بن عبد اللہ المعروف سعد الدین تفتازانی (م 793ھ) لکھتے

ہیں:

وَاحْتَلَفَ أَهْلُ الْإِسْلَامِ فِيهِمْ اِزْتَكَبَ الْكَبِيرَةَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَمَاتَ قَبْلَ  
التَّوْبَةِ فَالْمُذْهَبُ عِنْدَنَا عَدَمُ الْقَطْعِ بِالْعَفْوِ وَلَا بِالْعِقَابِ بَلْ كِلَاهُمَا فِي مَشِيئَةِ  
اللَّهِ تَعَالَى لَكِنْ عَلَى تَقْدِيرِ التَّعْذِيبِ نَقْطَعُ بِأَنَّهُ لَا يُحْكَدُ فِي النَّارِ بَلْ يُخْرَجُ الْبَيِّنَةُ  
لَا يَطْرُقُ الْوُجُوبُ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى بَلْ يُمَقْتَضَى مَا سَبَقَ مِنَ الْوَعْدِ وَثَبَتَ  
بِالدَّلِيلِ كَتَحْلِيلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ.

شرح المقاصد فی علم الکلام للتفتازانی: ج 2 ص 229

ترجمہ: اہل اسلام کا مرتکب کبیرہ مومن کے بارے میں اختلاف ہے جو توبہ کرنے سے پہلے فوت ہو جائے۔ ہمارا (اہل السنۃ والجماعۃ کا) موقف یہ ہے کہ ہم صاحب کبیرہ کے لیے قطعی طور پر معافی کے قائل ہیں نہ سزا پانے کے بلکہ معافی اور سزا کو اللہ کی مشیت کے سپرد کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اگر مرتکب کبیرہ کو سزا ہوئی تو یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں جائے گا بلکہ سزا پانے کے بعد جہنم سے ضرور نکلے گا۔ ہاں جہنم سے نکالنا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کی وجہ سے ہے (کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اہل ایمان کو جنت میں ضرور داخل کرے گا) اور اس دلیل کی بناء پر ہے (کہ اہل ایمان ہمیشہ جہنم میں نہیں جائیں گے) جس طرح اہل جنت کا جنت میں ہمیشہ رہنا دلیل کی بنا پر ہے۔

دلائل اہل السنۃ والجماعۃ:

1: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِلَهُ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ

ترجمہ: اے ایمان والو! تم لوگ ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ یہ بات اللہ تعالیٰ کے ہاں سخت قابلِ نفرت ہے کہ تم وہ باتیں کہو جو تم کرتے نہیں ہو۔

”مقت“ قابلِ نفرت بات اور گناہ کو کہتے ہیں عام ہے کہ صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو۔  
 ”مقت“ [گناہ صغیرہ یا کبیرہ] کے ارتکاب کے باوجودی ”ایھا الذین امنو؛ اے ایمان والو“ سے خطاب کرنا دلیل ہے کہ گناہ کبیرہ سے انسان ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔

2: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ أَبْيَضُ وَهُوَ كَأَنَّمْ تُثْمُ أَتَيْتُهُ وَقَدْ اسْتَيْقَظَ فَقَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ مَاتَ عَلَى ذَلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ عَلَى رَعْمٍ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 5827

ترجمہ: میں ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ایک سفید کپڑا اوڑھے ہوئے آرام فرما رہے تھے۔ (اس وقت میں واپس چلا آیا لیکن پھر) میں دوبارہ حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بیدار ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا (یعنی اللہ کی وحدانیت کا سچے دل سے اقرار کیا) اور پھر وہ اسی حالت میں وہ فوت ہوا تو وہ ضرور جنت میں داخل ہو گا۔ میں نے عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے! میں نے دوبارہ عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے! میں نے

تیسری بار عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے! اگرچہ ابوذر کو برا لگے۔  
گناہ کے باوجود جنت میں جانے کی بشارت دی جا رہی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ مرتکب کبیر مغلذ فی النار نہیں ہوگا۔

### مرتکب کبیرہ کے بارے میں فرقہ معتزلہ کا موقف:

فرقہ معتزلہ کا موقف یہ ہے کہ بندہ مؤمن جب گناہ کبیرہ کرے تو ایمان سے خارج ہو جاتا ہے لیکن کفر میں داخل نہیں ہوتا بلکہ ایمان اور کفر کے درمیان رہتا ہے۔ ان کی اصطلاح میں یہ مقام ”منزلۃ بین المنزلتین“ ہے۔ معتزلہ کے نزدیک آخرت میں ایسے شخص کی سزا یہ ہے کہ یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائے گا۔ اسے کسی قسم کی معافی نہ ہوگی۔

امام مسعود بن عمر بن عبد اللہ المعروف سعد الدین تفتازانی (م 793ھ) لکھتے ہیں:  
وَعِنْدَ الْمُعْتَزَلَةِ الْقَطْعُ بِالْعَذَابِ الدَّائِمِ مِنْ غَيْرِ عَقْفٍ وَلَا إِخْرَاجٍ مِنَ النَّارِ  
وَيَعْبَرُ عَنْ هَذَا بِمَسْئَلَةِ "وَعِيدِ الْفَاسِقِ وَعُقُوبَةُ الْعَصَاةِ".

شرح المقاصد فی علم الکلام للتفتازانی: ج 2 ص 229

ترجمہ: (مرتکب کبیرہ مؤمن کے بارے میں) معتزلہ کا موقف یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب کا مستحق قرار پائے گا اور اس کو معافی بھی نہیں ملے گی اور نہ ہی اسے جہنم سے نکالا جائے گا۔ اس مسئلہ کو (ان لوگوں کے ہاں) وعید فاسق اور عقوبت عصا کا نام دیا جاتا ہے (یعنی فاسق و گنہگار لوگوں کی سزا اور پکڑ کرنا)

تنبیہ:

امام مسعود بن عمر بن عبد اللہ المعروف سعد الدین تفتازانی (م 793ھ)

ایک غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَمَا وَقَعَ فِي كَلَامِ الْبَعْضِ مِنْ أَنَّ صَاحِبَ الْكِبِيرَةِ عِنْدَ الْمُعْتَزِلَةِ لَيْسَ فِي الْجَنَّةِ وَلَا فِي النَّارِ فَغَلَطَ نَشَأَ مِنْ قَوْلِهِمْ أَنَّ لَهُ الْمُنْزِلَةَ بَيْنَ الْمُنْزِلَتَيْنِ أَيْ حَالَةً غَيْرَ الْإِيمَانِ وَالْكَفْرِ.

شرح المقاصد فی علم الکلام للفتنازانی: ج 2 ص 229

ترجمہ: بعض احباب کے کلام میں جو یہ بات آئی ہے کہ معتزلہ کے ہاں مرتکب کبیرہ جنت جائے گا نہ جہنم تو یہ بات درست نہیں ہے۔ یہ غلطی اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ ان لوگوں نے معتزلہ کے اس موقف کو دیکھا کہ یہ مرتکب کبیرہ کے لیے حالت ایمان اور حالت کفر کے درمیان ایک مقام مانتے ہیں۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الہروی الخفی (ت 1014ھ) لکھتے ہیں:

الْمُعْتَزِلَةُ ذَهَبُوا إِلَى أَنَّ مُرْتَكِبَ الْكِبِيرَةِ يَخْرُجُ عَنِ الْإِيمَانِ وَلَا يَدْخُلُ فِي الْكُفْرِ وَيُثَبِّتُونَ الْمُنْزِلَةَ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيمَانِ مَعَ اتِّفَاقِهِمْ لِلْخَوَارِجِ عَلَى أَنَّ صَاحِبَ الْكِبِيرَةِ مُخَلَّدٌ فِي النَّارِ.

شرح الفقہ الاکبر: ص 155

ترجمہ: معتزلہ کا موقف یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ ایمان سے نکل جاتا ہے لیکن کفر میں داخل نہیں ہوتا۔ یہ لوگ کفر اور ایمان کے درمیان ایک مقام ثابت کرتے ہیں۔ اس کے باوجود معتزلہ اور خوارج دونوں فرقے صاحب کبیرہ کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جانے کے قائل ہیں۔

فرقہ معتزلہ کے دلائل اور ان کے جوابات:

دلیل نمبر 1:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزِيْنِي الزَّانِي



حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يُشْرِبُ الْخَمْرَ حِينَ يُشْرِبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يُسْرِقَ حِينَ يُسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَنْتَهَبُ نَهْبَةً يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيهَا أَبْصَارُهُمْ حِينَ يَنْتَهَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ

صحیح البخاری: رقم الحدیث 2475

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زنا کرنے والا جب زنا کرتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا۔ شراب پینے والا جب شراب پیتا ہے تو اس وقت بھی اس کا ایمان باقی نہیں رہتا۔ چوری کرنے والا جب چوری کرتا ہے تو اس وقت بھی اس کا ایمان باقی نہیں رہتا۔ چھینا چھٹی کرنے والا جب چھینتا کرتا ہے اور لوگ اس کو (کھلم کھلا) چھینتے ہوئے دیکھتے ہیں (لیکن خوف و دہشت کے مارے بے بس ہو جاتے ہیں اور چیخ و پکار کے علاوہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ پاتے) تو اس وقت بھی اس کا ایمان باقی نہیں رہتا۔

### جوابات:

1: اس سے مراد کمالِ ایمان اور نورِ ایمان کی نفی ہے، نفسِ ایمان کی نفی نہیں۔ یعنی گناہ کرنے والا یہ شخص مؤمن تو ہوتا ہے لیکن کامل ایمان والا نہیں رہتا۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کا یہی مطلب حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: يُنْزَعُ مِنْهُ نُورُ الْإِيمَانِ فِي الدُّنْيَا.

صحیح البخاری: کتاب اللہ و دباب لا یُشْرِبُ الْخَمْرُ

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زانی سے عینِ زنا کے وقت نورِ ایمان سلب کر لیا جاتا ہے۔

2: ”حیاء“ ایمان کا ایک بہت بڑا شعبہ ہے۔ عینِ زنا کے وقت ایمان کا یہ اہم

شعبہ ختم ہو جاتا ہے۔ تو حیاء کے ختم ہو جانے کو ایمان کے ختم ہو جانے سے تعبیر کر دیا گیا۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الهروی الحنفی (ت 1014ھ) لکھتے ہیں:

وَاصْحَابُنَا أَوْلُوهُ بِأَنَّ الْمُرَادَ... مُؤْمِنٍ مُسْتَحٍ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى؛ لِأَنَّ الْحَيَاءَ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ، فَلَوْ اسْتَلْجَى مِنْهُ وَاعْتَقَدَ أَنَّهُ كَاطِلٌ لَمْ يَزِ تَكِبْ هَذَا الْفِعْلُ الشَّيْخِ.

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ج 1 ص 294

ترجمہ: ہمارے حضرات (اہل السنۃ والجماعۃ) نے اس حدیث کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ (زنا کے وقت) یہ شخص اللہ سے حیاء کرنے والا مؤمن نہیں رہتا کیونکہ حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ اگر یہ شخص اللہ سے حیاء کرتا اور اسے یہ یقین ہوتا کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے تو یہ کبھی بھی اس برے فعل کا ارتکاب نہ کرتا۔

فائدہ:

جن زنانِ مصر نے زلیخا کو طعنہ دیا تھا انہوں نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو ایک جملہ کہا:

مَا هَذَا بَشَرًا ۖ إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ

ترجمہ: یہ شخص انسان نہیں ہے، یہ تو معزز فرشتہ ہے۔

”بشریت“ میں دو چیزیں ہوتی ہیں:

1: صفتِ ملکیت

2: صفتِ بہیمیت

زنانِ مصر کے جملہ میں ”بشریت“ کی نفی نہیں بلکہ بشریت کے ضمن میں بہیمیت کی نفی ہے۔ بالکل اسی طرح زنا کی وجہ سے نفسِ ایمان کی نفی نہیں بلکہ ایمان کے ضمن میں اس کے بہت بڑے شعبہ ”حیاء“ کی نفی ہے۔

## دلیل نمبر 2:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا رَأَى الرَّجُلُ خَرَجَ مِنْهُ الْإِيمَانُ كَانَ عَلَيْهِ كَالظُّلَّةِ فَإِذَا انْقَطَعَ رَجَعَ إِلَيْهِ الْإِيمَانُ  
سنن ابی داؤد: رقم الحدیث 4690

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان اس سے نکل کر اس کے سر پر سائبان کی طرح معلق ہو جاتا ہے۔ پھر جب وہ بندہ اس گناہ سے فارغ ہو جاتا ہے تو ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔

## جوابات:

1: یہ خروج عارضی ہے، نہ کہ دائمی۔ کیونکہ بندہ جب اس گناہ سے فارغ ہو جاتا ہے تو ایمان اس کی طرف دوبارہ لوٹ آتا ہے جبکہ معتزلہ خروج دائمی کے قائل ہیں۔ لہذا ان کا استدلال درست نہیں۔

2: زجر پر محمول ہے تاکہ بندہ اس کا ارتکاب نہ کرے۔

3: مراد یہ ہے کہ اس نے ان لوگوں جیسا کام کیا جس کے پاس ایمان کی دولت نہیں۔

## دلیل نمبر 3:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَبِّدًا فَقَدْ كَفَرَ جَهَارًا."

المعجم الاوسط للطبرانی: ج 3 ص 343 رقم الحدیث 3348

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی تو اس نے کھلم کھلا کفر کا ارتکاب کیا۔

### جوابات:

- 1: اس سے مراد یہ ہے کہ اس شخص نے کافروں والا کام کیا۔
- 2: یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جو نماز کا انکار کرے۔
- 3: یہ باعتبار انجام کے بتایا گیا ہے کہ جب انسان نماز کو چھوڑ دے گا تو بالآخر یہ کام اسے کفر تک لے جائے گا۔

4: یہ خدشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کے بارے میں کفر پر مرنے کا خدشہ ہے۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الہروی الحنفی (ت 1014ھ) لکھتے ہیں:

قُلْتُ: وَنِعْمَ الرَّأْيُ رَأَى أَبِي حَنِيفَةَ؛ إِذَا الْأَقْوَالُ بَاقِيَهَا ضَعِيفَةً، ثُمَّ مِنْ التَّأْوِيلَاتِ أَنْ يَكُونَ مُسْتَحِلًّا لِتَرْكِهَا، أَوْ تَرْكُهَا يُؤَدِّي إِلَى الْكُفْرِ، فَإِنَّ الْمَعْصِيَةَ بَرِيدُ الْكُفْرِ، أَوْ يُحْشَى عَلَى تَارِكِهَا أَنْ يَمُوتَ كَافِرًا، أَوْ فَعَلَهُ شَابَهُ فَعَلِ الْكَافِرِ.

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ (اس حدیث کا معنی بیان کرنے میں) سب سے اچھی رائے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ہے کیونکہ اس کے علاوہ باقی سارے اقوال ضعیف ہیں۔ پھر اس حدیث کی تاویلات میں سے (۱) ایک تاویل یہ ہے کہ نماز چھوڑنے کو حلال سمجھنے والا کافر ہے۔ (۲) ایک تاویل یہ بھی ہے کہ نماز چھوڑنا کفر تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ معصیت کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ (۳) یا یہ خدشہ ہے کہ تارک صلوٰۃ کافر ہو کر مرے گا یا (۴) یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس نے نماز چھوڑ کر کافروں جیسا کام کیا ہے۔

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ج 3 ص 17

5: معتزلہ کا موقف یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ ایمان سے نکل جاتا ہے لیکن کفر میں

داخل نہیں ہوتا جبکہ زیر بحث روایت کا معنی اگر یہی ہو کہ تارکِ صلوٰۃ کافر ہے تو یہ روایت خود معتزلہ کے موقف کے خلاف ہوگی۔

### چند گناہِ کبیرہ:

قرآن و احادیث میں گناہِ کبیرہ کی مختلف تعداد منقول ہے۔ چند یہ ہیں:

زنا کرنا، چوری کرنا، ناحق کسی کا قتل کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، جھوٹی شہادت دینا، رشوت لینا، سود کھانا، کسی کی اجات کے بغیر اس کا مال لے لینا، یتیم کا مال ناجائز طریقے سے کھانا، پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا، بیت اللہ کی بے حرمتی کرنا، رشتہ داروں سے بلاوجہ قطعِ تعلق کرنا، احسان جتلانا، اپنے اہل و عیال کو بے حیائی سے نہ روکنا۔

### چند گناہِ صغیرہ:

- 1: غیر محرم عورت کی طرف یوں دیکھنا کہ احتیاط نہ ہو۔
- 2: وہ جھوٹ بولنا جس میں کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔
- 3: بالاخانہ وغیرہ پر بلا ضرورت چڑھنا جس سے لوگوں کے مکانات سامنے نظر آتے ہوں۔
- 4: کسی فاسق کے پاس اٹھنا بیٹھنا۔
- 5: مکروہ اوقات میں نماز پڑھنا۔ (یہ تین اوقات ہیں: عین طلوعِ آفتاب سے لے کر سورج کے ایک نیزہ کی مقدار بلند ہونے تک، نصف النہار شرعی یعنی جب سورج دوپہر کے وقت بالکل سر پر آجائے، عصر کے بعد سورج کے زرد پڑ جانے کے بعد سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک لیکن اگر کسی نے اس دن کی وقتی عصر سورج کے غروب ہونے سے پہلے پہلے پڑھ لی تو کراہت کے ساتھ ادا ہو جائے گی)

نوٹ: ان تین اوقات میں اگر کسی نے نفل نماز ادا کی تو وہ کراہت کے ساتھ ادا ہو جائے گی۔ فرض یا واجب نماز پڑھی تو وہ شرعاً ادا نہیں ہوں گی، بعد میں ان کا اعادہ واجب ہو گا۔

6: مسجد میں کسی مجنون یا اتنے چھوٹے بچے کو لے جانا جس سے مسجد کے خراب اور گند اہونے کا خطرہ ہو۔

کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کی مزید تفصیل علامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیثمی المکی الشافعی (متوفی 973ھ) کی کتاب ”الزواجر عن اقتراف الکبائر“ اور علامہ زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف ابن نجیم الحنفی (متوفی 970ھ) کی کتاب ”مغائر وکبائر“ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

توبہ کی شرائط:

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی (ت 671ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّهُ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ إِذَا كَانَتْ بِشُرْطِهَا الْمَصْحَحَةِ لَهَا. وَهِيَ أَرْبَعَةٌ: التَّدَمُّ بِالْقَلْبِ. وَتَرْكُ الْمَعْصِيَةِ فِي الْحَالِ. وَالْعَزْمُ عَلَى أَلَّا يَعُودَ إِلَى مِثْلِهَا. وَأَنْ يَكُونَ ذَلِكَ حَيَاءً مِنَ اللَّهِ تَعَالَى لَا مِنْ غَيْرِهِ.

الجامع لاحکام القرآن: ج 1 ص 831 تحت قوله تعالى ”وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ

السَّيِّئَاتِ“ سورة النساء: 18

ترجمہ: جب توبہ میں شرائطِ صحت پائی جائیں تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں، وہ شرائط چار ہیں: گناہوں پر دل سے ندامت ہو، فوری طور پر اس گناہ کو چھوڑ دیا جائے، مستقبل میں اس جیسا گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کیا جائے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ سے حیا کی وجہ سے ہو غیر اللہ سے حیا کی بنا پر نہ ہو۔

## موزوں پر مسح کا بیان

وَالْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ سُنَّةٌ

ترجمہ: موزوں پر مسح کرنا سنت ہے۔

وضو کے چار فرائض ہیں جو اس آیت مبارکہ میں بیان ہوئے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ

سورة المائدة: 6

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے چہرے اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھو لیا کرو۔ وضو کے ان فرائض میں چوتھا فرض ”دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھونا“ ہے۔ یہ اس وقت ہے جب کہ انسان نے موزے نہ پہنے ہوں۔ موزے پہننے کی صورت میں موزوں پر ہی مسح کیا جائے گا کیونکہ موزوں پر مسح کا حکم احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ چند احادیث پیش کی جاتی ہیں جن سے موزوں پر مسح کرنا ثابت ہے:

حدیث نمبر 1:

عَنْ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ خَرَجَ لِحَاجَتِهِ فَاتَّبَعَهُ الْمُغِيرَةُ بِإِدَاوَةٍ فِيهَا مَاءٌ فَصَبَّ عَلَيْهِ حِينَ فَرَّغَ مِنْ حَاجَتِهِ فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ

صحیح البخاری: رقم الحدیث 203

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: رسول اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے تو میں بھی پانی سے بھر ہوا برتن لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلا گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حاجت سے فارغ ہوئے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا۔

حدیث نمبر 2:

عَنْ هَمَّامٍ، قَالَ: بَالَ جَرِيرٌ، ثُمَّ تَوَضَّأَ، وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ، فَقِيلَ: تَفْعَلُ هَذَا؟ فَقَالَ: نَعَمْ، رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَالَ، ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 272

ترجمہ: حضرت ہمام رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے پیشاب کیا، اس کے بعد وضو کیا پھر موزوں پر مسح کیا۔ تو حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں پوچھا گیا کہ آپ موزوں پر مسح کرتے ہیں؟ تو حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور اپنے موزوں پر مسح کیا۔

اقوال ائمہ کرام رحمہم اللہ:

1: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ (ت 150ھ)

علامہ زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف ابن نجیم الحنفی (ت 970ھ) لکھتے ہیں:

قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ: مَا قُلْتُ بِالْمَسْحِ حَتَّى جَاءَنِي فِيهِ مِثْلُ ضَوْءِ النَّهَارِ.

البحر الرائق لابن نجیم: ج 1 ص 288 باب المسح على الخفين

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں موزوں پر مسح کا اس وقت تک قائل



نہیں ہوا جب تک اس کے دلائل میرے پاس روزِ روشن کی طرح نہیں پہنچ گئے۔

**2:** حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت 852ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ صَرَّحَ جَمْعٌ مِنَ الْخُفَّاطِ بِأَنَّ الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ مُتَوَاتِرٌ وَجَمَعَ بَعْضُهُمْ رُوَاتَهُ  
فَجَاوَزُوا الثَّمَانِينَ وَمِنْهُمْ الْعَشْرَةُ.

فتح الباری: ج 1 ص 399 باب المسح علی الخفین

ترجمہ: حافظ حدیث کی ایک بڑی جماعت نے تصریح کی ہے کہ مسح علی الخفین کا حکم متواتر ہے۔ بعض حضرات نے اس کے روایت کرنے والوں کی تعداد کو جمع کیا تو ان کی تعداد 80 سے بھی متجاوز ہو گئی جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔

فائدہ نمبر 1: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مذہب اہل السنۃ والجماعۃ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا:

أَنَّ تَفْضِيلَ الشَّيْخَيْنِ وَتُحِبُّ الْخُفَّيْنِ وَتَرَى الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ.

البحر الرائق: ج 1 ص 288 کتاب الطہارۃ باب المسح علی الخفین

ترجمہ: شیخین (حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کی فضیلت کا قائل ہونا، ختنین (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما) سے محبت کرنا اور موزوں پر مسح کو جائز سمجھنا اہل السنۃ والجماعۃ کی علامت ہے۔

فائدہ نمبر 2: موزوں پر مسح کرنے کے لیے درج ذیل شرائط ہیں:

1: موزہ کو مکمل طہارت کی حالت میں پہنا ہو۔

2: موزہ اتنا اونچا ہو کہ ٹخنوں کو چھپالے۔

3: موزہ پاؤں کی تین چھوٹی انگلیوں کے برابر یا اس سے زیادہ پھٹا ہوا نہ ہو۔

فائدہ نمبر 3: اگر جرابیں ایسی ہوں جو صفات میں موزے کی طرح ہوں تو وہ بھی موزے کے حکم میں ہوں گی اور ان پر مسح کرنا بھی درست ہو گا۔ وہ صفات یہ ہیں:

1: پنڈلی پر بغیر باندھے (مثلاً ربڑ وغیرہ سے) ہوئے قائم رہ سکیں اور یہ قائم رہنا کپڑے کی تنگی اور چستی کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اس کی ضخامت اور موٹا ہونے کی وجہ سے ہو۔

2: ان میں پانی نہ چھنے یعنی ان پر پانی گرائیں تو پانی ان میں اتر کر پاؤں تک نہ پہنچ سکے۔

3: اس میں کم از کم تین میل (4.8 کلو میٹر) کی مسافت بغیر جوتے کے سفر کرنا ممکن ہو۔

مذکورہ شرائط اگر جرابوں میں پائی جائیں تو وہ کہنے میں تو جرابیں ہوں گی مگر دراصل موزے ہوں گے، اس لیے ان پر بھی مسح درست ہو گا۔

نوٹ: موجودہ مروجہ اونٹنی جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر ان پر مسح کر کے نماز پڑھی تو نماز نہیں ہوگی۔

دار العلوم دیوبند کے فتویٰ (Fatwa ID: 395-318/D=4/1435-U) میں لکھا ہے:

”اگر غیر مقلد امام سوتی موزے پر مسح کرتا ہے یا تقلید کو شرک کہتا ہے یا ائمہ مجتہدین کو برا بھلا کہتا ہے تو ایسے امام کے پیچھے نماز درست نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم، دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند“

مزید تفصیل کے لیے بندہ کی مرتب کردہ فائل ”موزوں پر مسح کرنے اور جرابوں پر مسح نہ کرنے کا مسئلہ“ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

## نماز تراویح کا بیان

وَالْتَرَاوِیْحُ فِی لَیَالِیِ شَهْرِ رَمَضَانَ سُنَّةٌ

ترجمہ: رمضان المبارک کی راتوں میں تراویح ادا کرنا سنت ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

عام طور پر یہ بات معروف ہے کہ بیس رکعات تراویح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔ واضح رہے کہ یہ بات درست نہیں۔ اس حوالے سے دو باتوں میں فرق کرنا ضروری ہے:

1: نماز تراویح کا بیس رکعات ہونا۔

2: بیس رکعات تراویح کی جماعت کا اہتمام کرنا۔

تراویح کی رکعات بیس ہیں اور یہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ پورا مہینہ تراویح کی جماعت کا اہتمام کرنا یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔ اس لیے کہ خلیفہ راشد کا ایسا اجتہاد جسے تمام صحابہ قبول فرمائیں وہ خلیفہ راشد کی ”سنت“ ہوتا ہے۔ اس پر عمل بھی اسی طرح دوام اور اہتمام سے کرنا ضروری ہے جس طرح نبی کی سنت پر عمل کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ حضرت عرابض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَصُوا عَنْهَا بِالنَّوَاجِدِ وَإِيَّاكُمْ وَتَحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ".

سنن ابی داؤد: رقم الحدیث 4607

ترجمہ: تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا

اور اس پر مضبوطی سے قائم رہنا اور دین میں نئی نئی باتیں (یعنی نئے عقیدے اور نئے عمل) پیدا کرنے سے بچتے رہنا، اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

### دلائل اہل السنۃ والجماعۃ:

اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔ نماز تراویح کی رکعات کی یہ تعداد ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہے:

1: امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان العسبی الکوفی (ت 235ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عَشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوُتْرَ.

مصنف ابن ابی شیبہ: ج 5 ص 225 رقم الحدیث 7774

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھتے تھے۔

2: علامہ حافظ ابو القاسم حمزہ بن یوسف بن ابراہیم السہمی القرشی الجرجانی (ت 428ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي رَمَضَانَ فَصَلَّى النَّاسَ أَرْبَعَةً وَعَشْرِينَ رَكْعَةً وَأَوْتَرِ بِثَلَاثَةٍ.

تاریخ جرجان: ص 317

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں ایک رات تشریف لائے اور لوگوں کو چار (فرض) بیس رکعت (تراویح)

اور تین و تیر پڑھائے۔

3: حافظ احمد بن ابی بکر بن اسماعیل البوصیری الشافعی (ت 840ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَمَرَهُ أَنْ يُصَلِّيَ بِاللَّيْلِ فِي رَمَضَانَ، فَقَالَ: إِنَّ النَّاسَ يَصُومُونَ النَّهَارَ وَلَا يُحَسِّنُونَ أَنْ يَقْرَءُوا، فَلَوْ قَرَأْتَ الْقُرْآنَ عَلَيْهِمْ بِاللَّيْلِ! فَقَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! هَذَا شَيْءٌ لَمْ يَكُنْ. فَقَالَ: قَدْ عَلِمْتُ وَلَكِنَّهُ أَحْسَنُ فَصَلَّى بِهِمْ عَشْرِينَ رَكْعَةً.

اتحاف الخيرة للمهرة للبوصیری: ج 2 ص 424 باب فی قیام رمضان و ما روای فی عدد رکعات ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو حکم دیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو رات کے وقت نماز (تراویح) پڑھایا کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ دن کو روزہ رکھتے ہیں اس لیے قرآن مجید اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے۔ اگر آپ رات کے وقت ان کو قرآن سنائیں (تو بہت اچھا ہے)۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! یہ ایک ایسی چیز ہے جو پہلے نہیں ہوئی۔ فرمایا: مجھے معلوم ہے لیکن یہ بہت اچھی چیز ہے۔ چنانچہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیس رکعتیں (تراویح) پڑھائیں۔

4: امام ابوالحسن علی بن الجعد بن عبید الجوهری البغدادی (ت 230ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعَشْرِينَ رَكْعَةً وَإِنْ كَانُوا الْيَقْرُؤُونَ بِالْبَيْتَيْنِ مِنَ الْقُرْآنِ.

مسند ابن الجعد: ص 413 رقم الحديث 2825

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ (یعنی صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم اور تابعین حضرات رحمہم اللہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان شریف کے مہینے میں بیس رکعات نماز (تراویح) پڑھتے تھے اور قرآن مجید کی سو سو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے۔

5: امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت 458ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعَشْرِينَ رَكْعَةً وَإِنْ كَانُوا لَيَقْرَأُونَ بِالْبُحَيْرِ وَكَانُوا يَتَوَكَّمُونَ عَلَى عَصِيْبِهِمْ فِي عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مِنْ شِدَّةِ الْقِيَامِ. السنن الكبرى للبيهقي: ج 2 ص 496

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں رمضان شریف میں بیس رکعات نماز تراویح پڑھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ قرآن مجید کی سو سو آیات والی سورتیں تلاوت کیا کرتے تھے اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگ لمبے قیام کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے۔

6: امام زید بن علی بن الحسین بن علی رضی اللہ عنہم (ت 122ھ، شہید) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَلِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ أَمَرَ الَّذِي يُصَلِّي بِالنَّاسِ صَلَاةَ الْقِيَامِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ أَنْ يُصَلِّيَ بِهِمْ عَشْرِينَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُزَاوِحَ مَا بَيْنَ كُلِّ أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ فَيَرْجِعَ ذُو الْحَاجَةِ وَيَتَوَضَّأُ الرَّجُلُ وَأَنْ يُؤْتَرَ بِهِمْ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ حِينَ الْإِنْصِرَافِ.

مسند زید: ص 158

ترجمہ: حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ

رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو حکم دیا جو لوگوں کو رمضان شریف کے مہینے میں نماز تراویح پڑھاتا تھا کہ وہ ان کو بیس رکعات نماز تراویح پڑھائے! ہر دو رکعتوں کے درمیان سلام پھیرے اور ہر چار رکعتوں کے درمیان آرام کے لیے کچھ دیر وقفہ کرے تاکہ قضائے حاجت کے لیے جانے والا واپس آ سکے، وضو کرنے والا وضو کر سکے اور یہ بھی حکم فرماتے تھے کہ (تراویح کے اختتام کے وقت) واپسی پر ان کو وتر کی نماز بھی پڑھائے۔

7: امام ابو عبد اللہ محمد بن نصر المروزی (ت 294ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهَبٍ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يُصَلِّي بِنَا فِي شَهْرِ رَمَضَانَ فَيَنْصَرِفُ وَعَلَيْهِ لَيْلٌ، قَالَ الْأَخْمَشُ: كَانَ يُصَلِّي عَشْرِينَ رَكْعَةً وَيُؤْتِرُ بِثَلَاثٍ.

قیام اللیل للمروزی: ص 157

ترجمہ: حضرت زید بن وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رمضان شریف میں ہمیں تراویح پڑھاتے اور جب گھر کو لوٹتے تو رات ابھی باقی ہوتی تھی۔ روایت کے راوی امام اعمش فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھاتے تھے۔

تراویح کے بیس رکعت ہونے پر اجماع امت

1: ملا علی بن سلطان محمد القاری الہروی الخفی (ت 1014ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ عَلَى أَنَّ التَّارَويحَ عَشْرُونَ رَكْعَةً.

مرقاۃ المفاتیح: ج 3 ص 346

ترجمہ: تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیس رکعت تراویح ہونے پر اجماع کیا ہے۔

2: علامہ سید محمد بن محمد الحسینی الزبیدی المعروف مرتضی الزبیدی

(ت 1205ھ) فرماتے ہیں:

وَبِإِجْمَاعِ الَّذِينَ وَقَعَ فِي زَمَنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَخَذَ أَبُو حَنِيفَةَ وَالنَّوَوِيُّ  
وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَالْجُمْهُورُ وَاخْتَارَهُ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ رَحِمَهُمُ اللَّهُ.

اتحاف السادة المتقين بشرح احياء علوم الدين: ج 3 ص 422

ترجمہ: اس اجماع کی وجہ سے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا تھا، امام ابو حنیفہ، امام نووی، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ اور جمہور حضرات نے (بیس رکعت تراویح) کو اختیار کیا ہے اور یہی موقف علامہ ابن عبد البر نے بھی اختیار کیا ہے۔

نوٹ:

بعض لوگ بیس رکعت مسنون تراویح کے بجائے آٹھ رکعت پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اس موضوع پر بندہ کی مرتب کردہ فائل ”بیس رکعت تراویح“ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

مزید برآں اس موضوع پر ہم نے تفصیلی بیانات بھی ریکارڈ کروائے ہیں جو انٹرنیٹ پر موجود ہیں، ان سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔



## نماز کس کے پیچھے پڑھی جائے

وَالصَّلَاةُ خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ جَائِزَةٌ

ترجمہ: نماز ہر نیک اور برے مؤمن کے پیچھے جائز ہے۔

فائدہ نمبر 1: فاجر کی تعریف:

علامہ زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف ابن نجیم الحنفی (ت 970ھ) فرماتے ہیں:

الْفَاجِرُ هُوَ الْفَاسِقُ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ.

المحرر الرائق: ج 8 ص 207

ترجمہ: ایسا شخص جو مسلمان ہو اور گناہ کرتا ہو اسے ”فاجر“ کہتے ہیں۔

مسئلہ:

ہر صحیح العقیدہ امام (خواہ وہ فاسق ہو یا فاجر ہو) کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

دلیل:

امام ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی البغدادی الدار قطنی (ت 385ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "صَلُّوا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ، وَصَلُّوا عَلَى كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ، وَجَاهِدُوا مَعَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ".

سنن الدار قطنی: رقم الحدیث 1768

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نیک و گنہگار شخص کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو! ہر نیک و گنہگار میت کی

نماز جنازہ پڑھ لیا کرو اور ہر نیک و گنہگار شخص (یعنی امیر) کے ساتھ مل کر جہاد کیا کرو!  
فائدہ نمبر 2:

”فاجر“ سے مراد وہ شخص ہے جس کے عقائد تو درست ہوں لیکن اعمال میں فسق آچکا ہو۔ اگر امام ایسا شخص ہو کہ اس کا فسق حد کفر تک جا پہنچا ہو تو ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر امام کا عقیدہ خراب ہے اگرچہ اعمال میں بظاہر اچھا ہو تو بھی اس کے پیچھے نماز جائز نہ ہوگی۔

1: علامہ احمد بن محمد بن اسماعیل الطحاوی الحنفی (ت 1231ھ) مراقی الفلاح کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

وَالْمَرَادُ: الْفَاسِقُ بِالْجَارِحَةِ لَا بِالْعَقِيدَةِ.

حاشیہ الطحاوی علی مراقی الفلاح: ص 204

ترجمہ: ”فاسق“ سے مراد اعمال کے اعتبار سے اللہ کی اطاعت سے نکلنے والا شخص ہے نہ کہ عقیدہ کے اعتبار سے۔

2: حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

”سوال (293): غیر مقلد کے پیچھے حنفی کی نماز ہوتی ہے یا نہیں اور کیسی

ہوتی ہے؟

جواب: غیر مقلد بہت طرح کے ہیں، بعض ایسے ہیں کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا خلاف احتیاط یا مکروہ یا باطل ہے۔ چونکہ پورا حال معلوم ہونا فی الفور مشکل ہے اس لیے احتیاط یہی ہے کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم“

امداد الفتاویٰ: ج 1 ص 304 باب الامامۃ والجماعۃ

3: حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاچپوری رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب

میں فرماتے ہیں: (سوال وجواب دونوں نقل کیے جاتے ہیں)

”غیر مقلد امام کے پیچھے نماز پڑھنا: (سوال ۲۳۱) غیر مقلد امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ہمارے یہاں بعض حنفی غیر مقلدوں کی مسجد میں جاکر نماز پڑھتے ہیں ان کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) مقلدین و غیر مقلدین میں بہت سے اصولی و فروعی اختلاف ہیں مثلاً یہ لوگ صحابہ کو معیار حق نہیں مانتے۔ ائمہ اربعہ پر سب و شتم کرتے ہیں اور ان کی تقلید کو جس کے وجوب پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اس کو بدعت بلکہ بعض تو شرک تک کہہ دیتے ہیں اور اسی طرح بہت سے اجماعی مسائل کے منکر ہیں، بیس رکعت تراویح کو بدعت عمری کہتے ہیں۔ وقوع طلاق ثلاثہ کو قرآن و حدیث کے خلاف کہتے ہیں۔ جمعہ کی اذان اول کو بدعت عثمانی کہتے ہیں۔ اور بعض تو چار سے زائد عورتوں سے نکاح کو جائز کہتے ہیں، متعہ کے جواز کے قائل ہیں اس لیے ہمارے اکابرین فرماتے ہیں کہ حتیٰ الوسع ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اور نماز جیسی اہم عبادت کو مشتبہ طور پر ادا کرنا کس طرح مناسب ہو سکتا ہے؟ اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے ان کے پیچھے نماز پڑھ لی تو احتیاطاً بعد میں اعادہ کر لے۔“

فتاویٰ رحیمیہ: ج 4 ص 183 باب الامامۃ والجماعۃ

4: حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ (ت 1422ھ) لکھتے ہیں:

”آج کل کے غیر مقلدین کی اکثریت صرف یہی نہیں کہ رعایت مذہب کا خیال نہیں رکھتی بلکہ اس کو غلط سمجھتی ہے، اور عہد اُس کے خلاف کا اہتمام کرتی ہے اور اس کو ثواب سمجھتی ہے اس لیے ان کی اقتداء سے حتی الامکان احتراز لازم ہے.... یہ تفصیل اس وقت ہے جب امام صحیح العقیدہ ہو، اگر اس کا عقیدہ فاسد ہے، مقلدین کو

مشرک جانتا ہے اور سب سلف کرتا ہے [یعنی اکابرین امت کو گالیاں دیتا ہے] تو اس کی امامت بہر حال مکروہ تحریمی ہے۔“

احسن الفتاویٰ: ج 3 ص 282 باب الامامۃ والجماعۃ

5: دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ (Fatwa ID: 395-318/D=4/1435-U) میں لکھا ہے:

”اگر غیر مقلد امام سوتی موزے پر مسح کرتا ہے یا تقلید کو شرک کہتا ہے یا ائمہ مجتہدین کو برا بھلا کہتا ہے تو ایسے امام کے پیچھے نماز درست نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم، دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند“

6: دارالعلوم دیوبند فتویٰ (فتویٰ: 787-798/1433/N=10) میں لکھا ہے:

”جو غیر مقلد تقلید کو شرک، خلفائے راشدین کی جاری کردہ سنن کو بدعات اور ائمہ مجتہدین وغیرہم کے متعلق زبان درازیاں کرتا ہو وہ فاسق ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، اور آج کل کے اکثر غیر مقلدین ایسے ہی ہوتے ہیں اس لیے ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہیے.... واللہ تعالیٰ اعلم، دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند“

7: دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ (فتویٰ: 725-725/U/1436-Sd=12) میں لکھا ہے:

”بدعتی کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور عید کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا، گلے ملنا، مروجہ قرآن خوانی کرنا، تراویح پڑھانے پر اجرت لینا؛ یہ سب امور بھی شریعت کی رو سے صحیح نہیں ہیں۔ اگر کوئی امام ان چیزوں کا مرتکب ہے تو اس کے پیچھے بھی نماز مکروہ ہوگی لیکن بدعتی کا معاملہ زیادہ نازک ہے؛ اس لیے کہ بعض بدعتی کے عقائد سراسر اسلام کے خلاف اور کفریہ ہوتے ہیں، اُن کے پیچھے نماز ہوتی ہی نہیں اور جن بدعتیوں

کے عقائد و اعمال فسقہ ہوتے ہیں، اُن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے اور عقائد کا تعلق اگرچہ اندرون اور دل سے ہے؛ لیکن ظاہری اعمال ہی سے باطن پر حکم لگایا جاتا ہے.... واللہ تعالیٰ اعلم، دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند“

8: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے فتویٰ (144202200404) میں لکھا ہے:

”بدعتی کی اقتدا میں نماز ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ کسی صحیح العقیدہ، متقی، پرہیزگار امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے.... اگر کوئی شخص ایسی بدعات میں مبتلا ہو جو حد کفر و شرک تک پہنچی ہوئی ہوں اور اس میں تاویل معتبر نہ ہو، یا یقینی طور پر اس کے عقائد کا شرکیہ ہونا معلوم ہو تو ایسے بدعتی امام کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اور اگر کسی نے پڑھ لی تو اعادہ ضروری ہو گا۔“

9: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔ سوال و جواب دونوں نقل کیے جاتے ہیں:

”سوال: اگر کوئی مولوی صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر سمجھتا ہو یا ان کو عالم الغیب سمجھتا ہو، نیز یہ بھی کہتا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی علم ہے کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ بارش کب ہوگی؟ کون کب مرے گا؟ یا ان کو نور مانتا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: جس امام کے بارے میں یہ تحقیق ہو کہ وہ مذکورہ عقائد کا قائل ہے اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب، احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ“

(فتاویٰ عثمانی: ج 1 ص 407)

اس فتویٰ پر مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ کے تصدیقی دستخط بھی موجود ہیں۔

## اهل السنۃ والجماعۃ کے بعض عقائد کا بیان

وَلَا نَقُولُ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا تَصُورُهُ الذُّنُوبُ وَلَا نَقُولُ إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ النَّارَ وَلَا نَقُولُ إِنَّهُ يَخْلُدُ فِيهَا وَإِنْ كَانَ فَاسِقًا بَعْدَ أَنْ يَخْرُجَ مِنَ الدُّنْيَا مُؤْمِنًا

ترجمہ: ہمارا نظریہ یہ نہیں کہ گناہ کرنے سے مؤمن کو نقصان نہیں پہنچتا اور ہمارا نظریہ یہ بھی نہیں کہ مؤمن جہنم میں نہیں جائے گا اور یہ بھی نظریہ نہیں کہ مؤمن ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اگرچہ وہ فاسق ہو لیکن شرط یہ ہے کہ وہ دنیا سے حالتِ ایمان میں رخصت ہوا ہو۔

اهل السنۃ والجماعۃ کا موقف یہ ہے کہ مسلمان اگر گناہوں کا ارتکاب کرے تو سزا کا مستحق قرار پاتا ہے اور اپنے گناہوں کی بدولت جہنم میں جانا اس کا مقدر ٹھہرتا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ اگر چاہیں تو اپنا فضل و کرم فرماتے ہوئے اسے معاف فرمادیں اور اگر چاہیں تو قانونِ عدل سے اسے جہنم کی سزا دیں۔ چونکہ یہ شخص صاحبِ ایمان ہے اس لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تو جہنم میں نہیں رہے گا بلکہ اگر اپنی سزا پانے کے لیے جہنم میں چلا بھی گیا تو سزا مکمل ہونے کے بعد جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَأَعْلَمُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنْهَا وَآخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا. رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ كَبُورًا فَيَقُولُ اللَّهُ: أَذْهَبَ فَأَدْخُلِ الْجَنَّةَ فَيَأْتِيَهَا فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلَأَى فَيَزْجَعُ فَيَقُولُ يَا رَبِّ وَجَدْتُهَا مَلَأَى فَيَقُولُ أَذْهَبَ فَأَدْخُلِ الْجَنَّةَ فَيَأْتِيَهَا فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلَأَى فَيَزْجَعُ فَيَقُولُ يَا رَبِّ وَجَدْتُهَا مَلَأَى فَيَقُولُ أَذْهَبَ فَأَدْخُلِ الْجَنَّةَ فَإِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْيَا وَعَشْرَةَ أَمْثَالِهَا أَوْ إِنَّ لَكَ مِثْلَ عَشْرَةِ أَمْثَالِ الدُّنْيَا فَيَقُولُ تَسْخَرُ مِنِّي أَوْ تَضْحَكُ مِنِّي وَأَنْتَ الْمَلِكُ فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ

حَتَّىٰ بَدَتْ نَوَاجِذُهُ وَكَانَ يَقُولُ ذَٰلِكَ أَذْنَىٰ أَهْلِ الْجَنَّةِ مَذْلَةً.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 6571، صحیح مسلم: رقم الحدیث 186

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس آدمی کو خوب اچھی جانتا ہوں جو جہنم سے سب سے آخر میں نکلے گا اور جنت میں سب سے آخر میں داخل ہو گا۔ ایک شخص ہو گا جو جہنم سے گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے نکلے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ! وہ شخص جنت کے قریب آئے گا لیکن اسے یوں محسوس ہو گا کہ جنت تو بھری ہوئی ہے۔ تو وہ واپس آئے گا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا کہ اے میرے رب! میں نے تو جنت کو دیکھا ہے، وہ تو بھری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے پھر فرمائیں گے کہ جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ! وہ دوبارہ جنت کے قریب آئے گا اور اس بار بھی اسے یوں محسوس ہو گا کہ جنت بھری ہوئی ہے۔ وہ واپس جا کر عرض کرے گا کہ اے میرے رب! میں نے تو جنت کو دیکھا ہے، وہ تو بھری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ! تمہیں دنیا اور اس جیسی دس گنا جنت دی جاتی ہے یا اللہ تعالیٰ یوں فرمائیں گے کہ تمہیں دنیا کی طرح دس گنا دیا جاتا ہے۔ وہ شخص کہے گا: اے اللہ! آپ مجھ سے مذاق کرتے ہیں حالانکہ آپ تو مالک ہیں! حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اس بات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آگئی اور دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جنت میں سب سے کم درجے والا شخص ہو گا۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ گناہگار مسلمان جہنم میں سزا پانے کے بعد اس سے ضرور نکلے گا اور جنت میں داخل ہو گا۔ اسے جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ کی سزا نہیں ملے گی۔

## فرقہ مرجئہ سے براءت کا اعلان

وَلَا نَقُولُ إِنَّ حَسَنَاتِنَا مَقْبُولَةٌ وَسَيِّئَاتِنَا مَغْفُورَةٌ كَقَوْلِ الْمَرْجَّةِ وَلَكِنْ نَقُولُ مَنْ عَمِلَ حَسَنَةً بِجَمِيعِ شَرَائِطِهَا خَالِيَةً عَنِ الْعُيُوبِ الْمُفْسِدَةِ وَلَمْ يُبْطِلْهَا بِالْكَفْرِ وَالرَّدَّةِ حَتَّى خَرَجَ مِنَ الدُّنْيَا مُؤْمِنًا فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَا يُضِيعُهَا بَلْ يَقْبَلُهَا مِنْهُ وَيُثَبِّتُهَا عَلَيْهَا وَمَا كَانَ مِنَ السَّيِّئَاتِ دُونَ الشِّرْكِ وَالْكَفْرِ وَلَمْ يَتُبْ عَنْهَا صَاحِبُهَا حَتَّى مَاتَ مُؤْمِنًا فِي مَشِيئَةِ اللَّهِ تَعَالَى إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَلَمْ يُعَذِّبْ بِالنَّارِ أَصْلًا.

ترجمہ: ہمارا نظریہ یہ نہیں کہ ہماری نیکیاں قبول ہیں اور ہماری برائیاں معاف ہیں جیسا کہ فرقہ مرجئہ کا نظریہ ہے بلکہ ہمارا نظریہ یہ ہے کہ جو شخص بھی تمام شرائط قبولیت ملحوظ رکھتے ہوئے اور نیکیوں کو برباد کرنے والے عیوب سے بچتے ہوئے کوئی نیکی کرتا ہے اور کفر و اور تداد سے اس نیکی کو ضائع نہیں کرتا تا آنکہ حالت ایمان میں دنیا سے چلا جاتا ہے تو اللہ اس کی نیکی کو ضائع نہیں فرماتے بلکہ اس کی نیکی کو قبول فرما کر اسے ثواب عطا فرماتے ہیں۔ شرک اور کفر کے علاوہ جتنے بھی گناہ ہیں اگر ان کا مرتکب توبہ کیے بغیر حالت ایمان میں فوت ہو جائے تو ایسے شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو اسے معاف فرمادے اور جہنم کا عذاب بالکل نہ دے۔

## اہل السنۃ والجماعہ کا موقف:

بندہ مومن حالت ایمان میں اگر طاعات بجالائے تو اسے نفع حاصل ہوتا ہے اور اگر معاصی کا ارتکاب کرے تو اسے نقصان ہوتا ہے۔ اہل السنۃ والجماعہ کا موقف ہر گز یہ نہیں کہ ایمان کی حالت میں نیک کام ضرور قبول ہوتے ہیں اور گناہ ضرور بخشنے



جاتے ہیں۔

اہل السنۃ والجماعۃ کے دلائل:

[1]: إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ

سورۃ النساء: 48

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس بات کو کبھی معاف نہیں کرتے کہ اس کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے لیکن شرک کے علاوہ اور گناہ معاف کر دیتے ہیں۔

”مَا دُونَ ذَلِكَ“ سے مراد شرک کے علاوہ گناہ ہیں۔ ”مَا“ کلمہ عام ہے جو کبار اور صغائر دونوں کو شامل ہے۔ معلوم ہوا کہ شرک کے بارے میں تو حتمی فیصلہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائیں گے اور شرک کے علاوہ کے بارے میں فیصلہ یہ ہے کہ معاف کرنا چاہیں تو معاف کریں گے اور اگر سزا دینا چاہیں تو سزا دیں گے۔ شرک کے علاوہ دیگر گناہوں کے لیے معافی کا تذکرہ اللہ تعالیٰ کی چاہت پر موقوف رکھنا (لِمَنْ يَشَاءُ) اس بات کی دلیل ہے کہ گناہ نقصان دہ ضرور ہوتے ہیں تبھی تو انہیں معاف کرنے یا ان پر عذاب دینے کا اعلان ہے۔ اگر یہ بالکل نقصان نہ دیتے تو معاف کرنے یا عذاب دینے کا کوئی معنی نہ ہوتا۔

[2]: قَوْلٌ لِلْمُصَلِّينَ (٤) الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (٥) الَّذِينَ هُمْ يُرْءَاوْنَ (٦) وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ (٧)

سورۃ الماعون: 4 تا 7

ترجمہ: ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں، جو دکھاوے کے لیے نماز پڑھتے ہیں اور استعمال کی چیز (عند الجہور زکوٰۃ مراد ہے) مانگنے پر نہیں دیتے۔ نمازوں سے غفلت پر تنے اور زکوٰۃ نہ دینے پر ہلاکت کی وعید سننا اس بات کی دلیل ہے کہ گناہ نقصان دہ ہوتے ہیں۔

[3]: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ... قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "خَمْسُ صَلَوَاتٍ كَتَبَهُنَّ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى الْعِبَادِ فَمَنْ جَاءَ بِهِنَّ لَمْ يُضَيَّعْ مِنْهُنَّ شَيْئًا اسْتَخْفَافًا بِحَقِّهِنَّ كَانَ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَمَنْ يَأْتِ بِهِنَّ فَلَيْسَ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدٌ إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ أَذْخَلَهُ الْجَنَّةَ."

موطا مالک: رقم الحدیث 400

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ عزوجل نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جو شخص یہ پانچ نمازیں پڑھے اور انہیں غیر اہم سمجھتے ہوئے ان کے حقوق کو ضائع نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اس کو جنت عطا فرمائے گا، اور جو شخص ان نمازوں کو ادا نہ کرے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں، اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے عذاب دے دے اور اگر چاہے تو اس کو جنت میں داخل فرما دے۔

[4]: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاةً مُثِلَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَفْرَعَهُ لَهُ رَبِّبَتَانِ يُطَوِّفُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَأْخُذُ بِلَهْزِمِيهِ - يَعْنِي شِدْقِيهِ - ثُمَّ يَقُولُ أَنَا مَالِكٌ أَنَا كُنْتُكَ" ثُمَّ تَلَا "وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ" الْآيَةَ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 4564

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو اللہ نے مال دیا ہو پھر بھی وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کے مال کو گنجنے سانپ کی شکل دی جائے گی جس کی آنکھوں کے اوپر دو سیاہ

نقطے ہوں گے۔ وہ سانپ اس شخص کے گلے کا طوق بن جائے گا پھر اس کی دونوں باجھوں کو پکڑے گا اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ الْخ" (ترجمہ آیت: جو لوگ اس مال میں بخل سے کام لیتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے لیے اچھی بات ہے بلکہ یہ ان کے لیے بری بات ہے۔ جس مال میں انہوں نے بخل سے کام لیا ہو گا قیامت کے دن وہی مال ان کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا۔)

[5]: عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى قَبْرَيْنِ فَقَالَ: "إِنَّهُمَا لِيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ مِنْ كِبِيرٍ"، ثُمَّ قَالَ: "بَلَى أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَسْعَى بِالنَّمِيمَةِ وَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ" قَالَ: ثُمَّ أَخَذَ عُوْدًا رَطْبًا فَكَسَرَهُ بِإِثْنَتَيْنِ ثُمَّ عَزَزَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى قَبْرِ ثُمَّ قَالَ: "لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيَسَّ"۔

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1378

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے قریب سے گزرے۔ آپ نے فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور ان کو کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا، بلکہ ایک کو تو اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ چغلی کیا کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔ پھر آپ نے کھجور کی ایک ترٹہنی لی اور اس کے دو ٹکڑے کئے، ان دو ٹکڑوں میں سے ہر ایک کی قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا، پھر ارشاد فرمایا: جب تک یہ خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔

پیشاب سے نہ بچنے اور چغلی کھانے کی وجہ سے عذاب قبر ہونا دلیل ہے کہ

گناہ نقصان دہ ہیں۔

[6]: عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكِبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي."

سنن الترمذی: رقم الحدیث 2435

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا ہوگا۔

کبیرہ گناہوں کے مرتکب کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شفاعت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ گناہ نقصان دہ ہوتے ہیں۔ اگر گناہ بالکل نقصان نہ دیتے ہوں تو شفاعت غیر موثر ہو جائے گی کیونکہ پھر اس کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔

فرقہ مرجہ کا موقف:

بندے میں ایمان موجود ہو تو گناہ کرنا بالکل نقصان دہ نہیں ہوتا اگرچہ بندہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے مسلمان کبائر کا ارتکاب بھی کرے تب بھی سزا نہیں پاسکتا۔ حالت ایمان میں گناہ بالکل نقصان نہیں دیتے جیسے حالت کفر میں طاعت بالکل فائدہ نہیں دیتی۔

ان کے موقف کے بارے میں علماء کی تصریحات ملاحظہ ہوں:

1: حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت 852ھ) لکھتے ہیں:

وَمِنْهُمْ مَنْ أَرَادَ تَأْخِيرَ الْقَوْلِ فِي الْحُكْمِ عَلَى مَنْ أَتَى الْكِبَائِرَ وَتَرَكَ الْفَرَائِضَ بِالنَّارِ لِأَنَّ الْإِيْمَانَ عِنْدَهُمْ الْإِقْرَارُ وَالْإِعْتِقَادُ وَلَا يَضُرُّ الْعَمَلُ مَعَ ذَلِكَ.

مقدمہ فتح الباری: ص 646

ترجمہ: بعض کے ہاں ار جاء سے مراد گناہ کبیرہ کے مرتکب اور فرائض کے تارک پر دخول فی النار کے حکم کو موخر کرنا ہے کیونکہ ان (مرجئہ) کے ہاں ایمان محض اقرار اور اعتقاد کا نام ہے۔ ار تکاب کبیرہ اور ترک فرائض ایمان کے ہوتے ہوئے نقصان دہ نہیں۔

2: ملا علی بن سلطان محمد القاری الہروی الحنفی (ت 1014ھ) لکھتے ہیں:

ثُمَّ الْمَرْجِئَةُ... هُمْ طَائِفَةٌ قَالُوا لَا يَصُحُّ مَعَ الْإِيمَانِ ذَنْبٌ كَمَا لَا يَنْفَعُ مَعَ الْكُفْرِ طَاعَةٌ فَرَعَمُوا أَنَّ أَحَدًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ لَا يِعَاقِبُ عَلَى شَيْئٍ مِنَ الْكَبَائِرِ.

شرح فقہ اکبر: ص 75

ترجمہ: مرجئہ ایسا فرقہ ہے جس کا اعتقاد یہ ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کچھ نقصان دہ نہیں جیسے کفر کی موجودگی میں طاعت کچھ فائدہ مند نہیں۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ کوئی مسلمان کبیرہ گناہ کی وجہ سے سزا پا ہی نہیں سکتا۔

3: شیخ الاسلام علامہ زاہد بن الحسن الکوثری (ت 1371ھ) لکھتے ہیں:

وَأَمَّا الْإِرْجَاءُ الَّذِي يُعَدُّ بِدْعَةً فَهُوَ قَوْلٌ مَنْ يَقُولُ لَا تَصُحُّ مَعَ الْإِيمَانِ مَعْصِيَةٌ.

تانیب الخطیب: ص 45

ترجمہ: وہ ار جاء جو بدعت شمار ہوتا ہے وہ اس بات کا اعتقاد رکھتا ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کچھ نقصان دہ نہیں۔

فرقہ مرجئہ کے دلائل:

فرقہ مرجئہ کا استدلال ان نصوص سے ہے جن میں محض کلمہ شہادت یعنی تصدیق قلبی پر جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ مثلاً

1: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ أَبْيَضٌ وَهُوَ تَائِمٌ ثُمَّ أَتَيْتُهُ وَقَدْ

اسْتَيْقَظَ فَقَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ مَاتَ عَلَى ذَلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ  
قُلْتُ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ  
وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ عَلَى رَعْمِهِ  
أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 5827

ترجمہ: میں ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ایک سفید کپڑا اوڑھے ہوئے آرام فرما رہے تھے۔ (اس وقت میں واپس چلا آیا لیکن پھر) میں دوبارہ حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بیدار ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا اور پھر وہ اسی حالت میں وہ فوت ہوا تو وہ ضرور جنت میں داخل ہو گا۔ میں نے عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے! میں نے دوبارہ عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے! میں نے تیسری بار عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تب بھی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے! اگرچہ ابو ذر کو ناگوار گزرے۔

2: عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا مُعَاذُ، قُلْتُ: لَبَّيْكَ، قَالَ: "بَشِّرِ النَّاسَ أَنَّهُ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ."

المعجم الكبير للطبرانی: ج 14 ص 444 رقم الحدیث 16509

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! میں نے عرض کیا: میں حاضر ہوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کو اس بات کی خوشخبری دے دو کہ جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔

3: عَنْ أَبِي حَرْبٍ بْنِ زَيْدٍ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ: أَشْهَدُ عَلَى أَبِي، زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: أَرْسَلَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ لِي: بَشِّرِ النَّاسَ أَنَّهُ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ فَلَهُ الْجَنَّةُ.

عمل الیوم واللیلۃ للنسائی، ت 303ھ: رقم الحدیث 1110

ترجمہ: ابو حرب بن زید بن خالد الجہنی فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ان سے سنا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیغام دے کر بھیجا کہ لوگوں کو اس بات کی خوشخبری دے دو کہ جس شخص نے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ“ کہا تو اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔

ان دلائل کے جوابات:

(1): جنت میں داخلے کی دو صورتیں ہیں:

دخولِ اوّلیٰ      دخولِ مطلق

اس حدیث کا تعلق دخولِ مطلق کے ساتھ ہے، دخولِ اوّلیٰ کے ساتھ نہیں ہے۔ یعنی کلمہ گو مسلمان جنت میں ضرور جائے گا۔ اگر ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ بھی بجالاتا رہا تو اوّلیٰ طور پر ہی جنت جائے گا اور اگر گناہ کا مرتکب ہو اور توبہ کیے بغیر فوت ہو تو اللہ تعالیٰ چاہیں تو جنت میں دخولِ اوّلیٰ کے ساتھ ہی داخل ہو اور اگر چاہیں تو یہ سزا بھگتنے کے بعد داخل ہو۔

(2): ان جیسی روایات کا تعلق اس دور کے ساتھ ہے جب فرائض و احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ اس دور میں صرف تصدیق کافی سمجھی جاتی تھی۔

امام ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک بن بطلال القرطبی (ت 449ھ) لکھتے ہیں:  
عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَسَلْيَمَانَ بْنِ كَيْسَارٍ، وَعُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّ ذَلِكَ كَانَ قَبْلَ  
نُزُولِ الْفَرَائِضِ.

شرح صحیح البخاری لابن بطلال: ج 1 ص 208

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب، حضرت سلیمان بن یسار اور حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق فرائض کے نازل ہونے سے پہلے والے دور کے ساتھ ہے۔

(3): ان جیسی احادیث کا معنی یہ ہے کہ بندہ کلمہ پڑھے اور اس کے حقوق اور فرائض کا خیال بھی رکھے تو جنت ضرور داخل ہو گا۔

علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی (ت 676ھ) لکھتے ہیں:

وَمَعْنَاهُ: مَنْ قَالَ الْكَلِمَةَ وَأَدَّى حَقَّهَا وَفَرِيضَتَهَا. وَهَذَا قَوْلُ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ.

شرح مسلم للنووی: ج 1 ص 219

ترجمہ: اس روایت کی مراد وہ شخص ہے جو کلمہ شہادت کہے پھر اس کے حقوق و فرائض بھی ادا کرے۔ یہ توجیہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے۔

(4): ان جیسی روایات کا مطلب یہ ہے کہ یہ بشارت اس شخص کے لیے ہے جو موت سے پہلے گناہوں سے توبہ کرے اور نادم ہو جائے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) ان احادیث کا معنی یہ بیان کرتے ہیں:

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: هَذَا عِنْدَ الْمَوْتِ أَوْ قَبْلَهُ إِذَا تَابَ وَنَدِمَ وَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ



غُفِرَ لَهُ.

صحیح البخاری: تحت رقم الحدیث 5827

ترجمہ: امام ابو عبد اللہ (بخاری) فرماتے ہیں: ان احادیث کا معنی یہ ہے کہ بندہ موت کے وقت یا اس سے پہلے جب توبہ کرے، نادام ہو اور لا الہ الا اللہ کہے تب اس کی بخشش ہوگی۔

### قبولیت اعمال کی شرائط:

قبولیت اعمال کی تین شرائط ہیں:

- 1: عقیدہ کا درست ہونا
- 2: عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہونا (یعنی عمل کا ریاکاری اور عجب سے پاک ہونا)
- 3: عمل کا سنت نبوی کے موافق ہونا۔

## ریا کاری اور خود پسندی کا نقصان

وَالْيَايَةُ إِذَا وَقَعَ فِي عَمَلٍ مِنَ الْأَعْمَالِ فَإِنَّهُ يُبْطِلُ أَجْرَهُ وَكَذَلِكَ الْعُجْبُ

ترجمہ: ریا کاری جب کسی عمل میں شامل ہو جائے تو اس کا اجر و ثواب ضائع کر دیتی ہے۔ یہی حال خود پسندی کا ہے۔

یہاں اعمال کے اجر و ثواب کو ضائع کرنے والی دو چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے ریا اور عجب

[۱]: ریا

بندہ اگر اعمالِ صالحہ کرے اور مقصود اللہ تعالیٰ کی رضامندی نہ ہو بلکہ مقصود دکھلاوا اور ریا کاری ہو تو اس سے اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ اعمال کی قبولیت میں اخلاص شرط ہے کہ عمل میں خالصۃً اللہ تعالیٰ کی رضامندی مقصود ہو۔ جب اعمال میں ریا کاری کی آمیزش ہو گئی تو رضائے الہی مقصود ہی نہ رہی بلکہ مقصود کچھ اور بن گیا۔ تو جب اعمال کی قبولیت کی شرط ہی نہ رہی تو عمل مقبول ہی نہ ہو گا۔ اس لیے انسان کو اعمال کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں ریا کاری سے بچانے کی فکر کرنی چاہیے۔

(۱): اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَمَرَّكَهَ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ

سورۃ البقرہ: ۲۶۴

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور ایذا دے کر ضائع مت کرو! (یہ باطل کرنا اس طرح ہے) جس طرح وہ شخص ہے جو اپنا مال دکھلاوے کے لیے

خرچ کرتا ہے اور اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتا۔ اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے ایک چٹان ہو جس پر مٹی پڑی ہو، اب اس پر اس قدر زور کا پانی پڑا (جس سے چٹان کی وہ مٹی ختم ہو گئی) تو بالکل پتھر ظاہر ہو کر رہ گیا (بالکل اسی طرح) یہ (ریاکار لوگ) اپنے اعمال کا کچھ حصہ بھی نہ پاسکیں گے۔ اللہ کافروں کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا۔ اس آیت میں بتایا گیا کہ ایسے صدقات کا کچھ فائدہ نہیں جن کا مقصد لوگوں پر احسان جتلانا ہو اور انہیں تکلیف دینا ہو۔ یہ ایسے ہی ضائع ہو جاتے ہیں جس طرح منافق شخص کا مال ضائع ہو جاتا ہے جس کا مقصد رضائے الہی نہیں بلکہ دکھلاوا ہوتا ہے۔

(2): حضرت جناب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ سَمِعَ سَمِعَ اللَّهُ بِهِ وَمَنْ يُرِئِي يُرِئِي اللَّهُ بِهِ." صحیح البخار 4 ی: رقم الحدیث 6499

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص شہرت حاصل کرنے کے لیے کوئی عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو ظاہر فرمادیں گے اور جو شخص دکھلاوے کے لیے عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اس شخص کو رسوا کر دیں گے۔

[۲]: عجب

اعمال میں عجب یعنی خود پسندی پیدا ہو جائے تب بھی عمل ناقابل قبول ہو جاتا ہے۔ خود پسندی کبھی اپنی عقل و دانش دیکھ کر پیدا ہوتی ہے اور کبھی اپنے اعمال اور مقام و مرتبہ دیکھ کر ہوتی ہے۔ خود پسندی سے بھی عمل ختم ہو جاتا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: الْهَلَاكُ فِي اثْنَتَيْنِ: الْقُنُوطُ وَالْعُجْبُ.

الزواج عن اقتراف الکبائر لابن حجر المکی، ت 974ھ: ج 1 ص 186

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: دو چیزیں ایسی ہیں جو ہلاکت کا باعث بنتی ہیں: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا اور خود پسندی میں مبتلا ہونا!

## معجزات، کرامات، استدراجات

وَالْآيَاتِ لِلْأَنْبِيَاءِ وَالْكَرَامَاتِ لِلْأَوْلِيَاءِ حَقٌّ وَأَمَّا الَّتِي تَكُونُ لِأَعْدَائِهِمْ مِثْلُ إِبْلِيسَ وَفِرْعَوْنَ وَالذَّجَالِ مِمَّا رُوِيَ فِي الْأَخْبَارِ أَنَّهُ كَانَ وَيَكُونُ لَهُمْ لَا نُسَبِّحُهَا آيَاتٍ وَلَا كَرَامَاتٍ وَلَكِنْ نُسَبِّحُهَا قَضَاءَ حَاجَاتِهِمْ وَذَلِكَ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقْضِي حَاجَاتِ أَعْدَائِهِ اسْتِدْرَاجًا لَهُمْ وَعُقُوبَةً لَهُمْ فَيَعْتَزُّونَ بِهِ وَيَزْدَادُونَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا وَكُلُّهُ جَائِزٌ مُمَكِّنٌ لَا يَسْتَحِيلُ.

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کے لیے معجزات اور اولیاء کے لیے کرامات کا ظہور برحق ہے۔ جہاں تک ان (خرقِ عادت) امور کا تعلق ہے جو احادیث کے مطابق اللہ کے دشمنوں مثلاً ابلیس، فرعون اور دجال کے ہاتھوں پر ظاہر ہوئے یا ہوں گے تو ہم انہیں معجزات یا کرامات نہیں کہہ سکتے بلکہ ہم اس کو ان لوگوں کی حاجات اور ضروریات پورا کرنے کا نام دے سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو ڈھیل اور سزا دینے کے لیے ان کی حاجات پوری کرتا ہے لیکن یہ لوگ دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور سرکشی و کفر میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ساری باتیں (یعنی معجزات، کرامات اور استدراجات) بالکل ممکن الوقوع ہیں، محال نہیں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں تین امور کا ذکر فرمایا ہے؛ معجزہ، کرامت، استدراج۔ ان کی تعریفات اور مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

فائدہ نمبر 1: معجزہ

”معجزہ“ کا لغوی معنی ہے ”عاجز کر دینا، مجبور کر دینا۔“

معجزہ کا اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے علامہ سید الشریف علی بن محمد الجرجانی

(ت 816ھ) لکھتے ہیں:

أَمْرٌ خَارِقٌ لِلْعَادَةِ مِنْ قِبَلِ شَخْصٍ مُقَارِنٍ لِلدَّعْوَى النَّبَوِيَّةِ.

کتاب التعریفات للجرجانی: ص 129، النبراس 295، شرح العقائد ص 146

ترجمہ: وہ خلاف عادت کام جو ایسے شخص سے ظاہر ہو جو دعوائے نبوت کرتا ہو اسے ”معجزہ“ کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کو پیغام حق دے کر لوگوں کے پاس بھیجتا ہے۔ کچھ لوگ پیغمبر علیہ السلام کی صداقت پر اعتماد کرتے ہوئے ان پر ایمان لاتے ہیں اور بعض لوگ اس پیغمبر کی دعوت کا انکار کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان منکرین اور معاندین کے سامنے اپنے پیغمبر کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لیے اس پیغمبر کے ہاتھ پر کچھ ایسی چیزیں ظاہر فرما دیتے ہیں جو عام عادت سے ہٹ کر ہوتی ہیں۔ ان کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی قدرت کار فرما ہوتی ہے۔ چنانچہ معجزہ کے ظہور کے بعد حق کے خواہاں لوگ پیغمبر کی بات قبول کر لیتے ہیں اور معاند اور ضدی لوگ پھر بھی انکار کر دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ لوگ گمراہی کی دلدل میں دھنستے چلے جاتے ہیں۔

فائدہ نمبر 2: انبیاء علیہم السلام کے چند معجزات

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو مختلف معجزات سے نوازا ہے جن کا تذکرہ قرآن میں ملتا ہے۔ چند ایک ملاحظہ ہوں:

معجزہ حضرت صالح علیہ السلام؛ ناقہ

وَيَقَوْمِ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أََرْضِ اللَّهِ

سورۃ ہود: 64

ترجمہ: (حضرت صالح علیہ السلام نے کہا) اے میری قوم! یہ اونٹنی تمہارے لیے

اللہ کی طرف سے ایک نشانی (معجزہ) ہے۔

معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام؛ عصا

وَ إِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ  
اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا

سورۃ البقرہ: 60

ترجمہ: اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تھا تو ہم نے ان سے کہا تھا کہ اپنا  
عصا پتھر پر ماریں (انہوں نے مارا) تو اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔

فَالْقَهْفَ فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ

سورۃ طہ: 20

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ کے کہنے پر موسیٰ علیہ السلام نے) عصا کو ڈال دیا تو دیکھتے ہی دیکھتے  
وہ اسی وقت سانپ بن کر دوڑنے لگا۔

معجزات حضرت عیسیٰ علیہ السلام

مٹی کے پرندے بنانا، اندھے کو بینا کرنا، کوڑھی کو تندرست کرنا، مردے کو زندہ کرنا۔  
أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ  
وَأُبْرِئُ الْأَكْمَةَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ

سورۃ آل عمران: 49

ترجمہ: میں تمہارے لیے گارے سے پرندے کی ایک شکل بنا دیتا ہوں، پھر اس  
میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے ایک پرندہ بن جاتا ہے، اسی طرح میں مادر  
زاد اندھے کو اور کوڑھ کے مریض کو درست کر دیتا ہوں اور مردوں کو اللہ کے حکم سے  
زندہ کر دیتا ہوں۔

معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم؛ قرآن کریم

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ ۚ وَادْعُوا  
شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ

سورۃ البقرۃ: 23

ترجمہ: اگر تمہیں اس قرآن میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے، کوئی شک ہے تو اس جیسی ایک چھوٹی سی سورت بنا کر لاؤ! اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمہارے جتنے مددگار ہیں ان سب کو بلا لو اگر تم سچے ہو تو!!

فائدہ نمبر 3: کرامت

علامہ سید الشریف علی بن محمد الجرجانی (ت 816ھ) لکھتے ہیں:

ظُهُورُ أَمْرِ خَارِقٍ لِلْعَادَةِ مِنْ قِبَلِ شَخْصٍ غَيْرِ مُقَارِنٍ لِدَعْوَى النَّبُوَّةِ بِشَرْطِ أَنْ  
يَكُونَ مَقْرُونًا بِإِلَافِيَّاتِ الْعَمَلِ الصَّالِحِ.

کتاب التعریفات للجرجانی: ص 129

ترجمہ: خلافِ عادت کام کا ایسے شخص سے صادر ہونا جو دعویٰ نبوت نہ کرتا ہو  
”کرامت“ کہلاتا ہے بشرطیکہ یہ شخص صاحبِ ایمان ہو اور عملِ صالح بھی کرتا ہو۔

جس طرح معجزات کا ظہور نبی کے ہاتھ پر ہوتا ہے اسی طرح کرامت کا ظہور ”ولی“ کے  
ہاتھ پر ہوتا ہے۔ کرامت سے مقصود اس ولی کی تائید کرنا، اسے حق پر ثابت قدم رکھنا  
اور اس کے مخالفین کے سامنے اس کی قدر و منزلت کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔

فائدہ نمبر 4: اولیاء اللہ کی چند کرامات

اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو مختلف کرامات سے نوازا ہے جن کا تذکرہ قرآن

میں بھی ملتا ہے۔ چند ملاحظہ ہوں:

بے موسم پھل ملنا (کرامتِ حضرت مریم)

كَلَّمَآ دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْغُرَابُ ۚ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يُمَزِّمُ اَنِّى لَكَ هَذَا ۚ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

سورۃ آل عمران: 37

ترجمہ: جس وقت بھی زکریا اس (مریم) کے پاس آتے تو اس کے پاس (بے موسم کے) پھل دیکھتے۔ انہوں (زکریا) نے فرمایا: اے مریم! یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ وہ بولیں: یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

تین سو نو سال تک سوتے رہنا (کرامتِ اصحابِ کہف)

وَكَيْتُوْا فِىْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَاِزْدَادُوْا تِسْعًا

سورۃ الکہف: 25

ترجمہ: وہ اپنی غار میں تین سو سال اور نو سال اوپر کا عرصہ رہے۔

پلک جھپکنے کی مقدار میں تخت لے آنا (کرامتِ آصف بن برخیا)

ملکہ بلقیس کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

قَالَ الَّذِىْ عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اَتِيَنَّكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّزِيْدَكَ اِلَيْكَ طَرْفًا ۚ فَلَمَّا رَاَهُ مُسْتَقَرًّا عِنْدَهُ

سورۃ النمل: 40

ترجمہ: وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم تھا، وہ (حضرت سلیمان سے) کہنے لگا: میں آپ کے پاس وہ تخت آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے لاتا ہوں۔ جب (حضرت سلیمان علیہ السلام نے) دیکھا تو اسے اپنے پاس پڑا ہوا پایا۔



فائدہ نمبر 5: ولی سے نہ مانگنا

اہل اسلام جب ولی کی کرامت کو دیکھتے ہیں تو ولی کے خدا سے مانگتے ہیں جیسے حضرت زکریا علیہ السلام نے جب حضرت مریم کی کرامت کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے مانگا اور اہل کفر جب ولی کی کرامت کو دیکھتے ہیں تو خود ولی سے مانگتے ہیں جیسے نصاریٰ؛ کہ وہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مانگتے ہیں۔

فائدہ نمبر 6: استدراج

علامہ سید الشریف علی بن محمد الجرجانی (ت 816ھ) لکھتے ہیں:  
مَا (أَنْتَ) ظُهُورُ أَمْرٍ خَارِقٍ لِلْعَادَةِ لَا يَكُونُ مَقْرُونًا بِالْإِيمَانِ وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ  
يَكُونُ اسْتِدْرَاجًا.

کتاب التعریفات ص 129، شرح العقائد ص 146

ترجمہ: خلافِ عادت کام کا ایسے شخص سے صادر ہونا جو ایمان سے متصف نہ ہو (یعنی کافر ہو) یا عمل صالح نہ کرتا ہو (یعنی فاسق ہو) ”استدراج“ کہلاتا ہے۔

جیسے ایک شخص اہل حق کے عقائد کے بالکل خلاف عقائد کا حامل ہو، اس کی زندگی سنت کے مطابق نہ ہو، اخلاقِ حسنہ سے عاری اور اخلاقِ سیئہ کا مجموعہ ہو، اگر اس کے ہاتھ پر کوئی خلافِ عادت چیز رونما ہو جائے تو یہ ”استدراج“ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے ڈھیل ہے۔

”استدراج“ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص ان خلافِ عادت امور کو دیکھ کر حق قبول کرے اور اپنے اعمال درست کر لے۔ اگر یہ شخص ایسا نہ کرے تو یہ استدراج اس کے حق میں مزید گمراہی کا سبب بنتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو مزید ڈھیل دیتے ہیں تاکہ اس پر اتمامِ حجت ہو جائے۔

فائدہ نمبر 7: چند استدراجات

چند استدراجات نقل کیے جاتے ہیں:

(1): ابلیس کو استدراج

قَالَ أَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ قَالَ فِيمَا آغُوَيْتَنِي  
لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ

سورة الاعراف: 14 تا 16

ترجمہ: ابلیس بولا کہ مجھے اس دن تک مہلت دے دیجیے جس دن لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جا! تجھے مہلت دی جاتی ہے۔ ابلیس کہنے لگا کہ آپ نے مجھے گمراہ کر دیا ہے اب میں بھی آپ کے سیدھے راستے پر بیٹھ کر آپ کے بندوں کو گمراہ کروں گا۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَتْهُ صَفِيَّةُ بِنْتُ حَبِيبٍ فَلَبَّأَ رَجَعَتْ انْطَلَقَ مَعَهَا فَمَرَّ بِهِ رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ فَدَعَاهُمَا فَقَالَ إِنَّمَا هِيَ صَفِيَّةُ قَالَا سُبْحَانَ اللَّهِ قَالَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ ابْنِ آدَمَ فَجَرَى الدَّم.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 7171

ترجمہ: حضرت علی بن حسین سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ام المومنین حضرت صفیہ بنت حبیب رضی اللہ عنہا تشریف لائیں۔ جب وہ جانے لگیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ہو لیے۔ اسی اثناء میں دو انصاری صحابی وہاں سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور ان سے فرمایا: یہ (میری بیوی) صفیہ ہیں۔ ان دونوں صحابہ رضی اللہ عنہما نے عرض کیا: سبحان اللہ! (یعنی ہمارے وہم و گمان میں ایسی بات نہیں آئی جس کا آپ ازالہ فرمانا چاہتے ہیں) تو آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان؛ انسان میں اس طرح دوڑتا ہے جس طرح خون ہے۔

## (2): فرعون کو استدراج

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يُقَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَذِهِ الْأَنْهَارُ  
تَجْرِي مِن تَحْتِي ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ<sup>ط</sup>

سورة الزخرف: 51

ترجمہ: فرعون نے اپنی قوم کو پکار کر کہا کہ اے میری قوم! کیا مصر کی حکومت میرے ہاتھ میں نہیں؟ اور یہ جو نہریں میرے (حکم کے) تحت چلتی ہیں! کیا تمہیں یہ چیزیں نظر نہیں آتیں؟!

اس جملہ ”تَجْرِي مِن تَحْتِي“ کی تفسیر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ (ت 110ھ) سے منقول ہے جسے امام حسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی (ت 510ھ) نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے:

وَقَالَ الْحَسَنُ: بِأَمْرِي.

تفسیر البغوی: ج 7 ص 217 تحت قولہ تعالیٰ ”وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ“ سورة الزخرف: 51

ترجمہ: فرعون کہتا تھا کہ دریا (یعنی دریائے نیل) میرے حکم سے چلتا ہے۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الہروی الحنفی (ت 1014ھ) لکھتے ہیں:

كَانَ يَأْمُرُ النَّيْلَ فَيَجْرِي عَلَى وَفْقِ حُكْمِهِ كَمَا أَشَارَ إِلَيْهِ سُبْحَانَهُ حِكَايَةً عَنْهُ  
بِقَوْلِهِ "أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِن تَحْتِي ۚ أَفَلَا  
تُبْصِرُونَ"

ترجمہ: فرعون دریائے نیل کو حکم کرتا تو وہ اس کے حکم کے مطابق چلنے لگتا تھا جیسا کہ اس بات کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں اشارہ فرمایا ہے کہ (فرعون نے اپنی قوم سے کہا): کیا مصر کی حکومت میرے ہاتھ میں نہیں؟ اور یہ جو نہریں میرے (حکم کے) تحت چلتی ہیں!

### (3): دجال کو استدراج

1: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا:

"أَنْذَرْتُكُمْ الْمَسِيحَ وَهُوَ مَسُوحُ الْعَيْنِ" - قَالَ أَحْسِبُهُ قَالَ الْيَسْرِي - يَسِيرُ مَعَهُ جِبَالُ الْخَزِيرِ وَأَنْهَارُ الْمَاءِ عَلَامَتُهُ بِمَكْتُفٍ فِي الْأَرْضِ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا يَنْلُغُ سُلْطَانُهُ كُلَّ مَنَهْلٍ لَا يَأْتِي أَرْبَعَةَ مَسَاجِدَ؛ الْكَعْبَةَ وَمَسْجِدَ الرَّسُولِ وَالْمَسْجِدَ الْأَقْصَى وَالطُّورَ.

مسند احمد: ج 16 ص 520 رقم الحدیث 22984

ترجمہ: میں نے تمہیں مسیح دجال سے ڈرایا تھا۔ اس کی ایک آنکھ خراب ہے، جو برابر کر دی گئی ہے یعنی مسخ کی ہوئی آنکھ والا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بانیں آنکھ کے متعلق ارشاد فرمائی تھی۔ اور اس کے ساتھ روٹیوں کے پہاڑ اور پانی کی نہریں چل رہی ہوں گی۔ دجال کی علامت یہ ہوگی کہ وہ زمین میں چالیس دن رہے گا اور ہر جگہ جائے گا سوائے چار مسجدوں کے۔ وہ چار مسجدیں یہ ہیں: کعبہ، مسجد رسول، مسجد اقصیٰ اور مسجد طور۔

فائدہ: ”کعبہ“ سے مراد مسجد حرام ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے۔ ”مسجد رسول“ سے مراد مسجد نبوی ہے جو مدینہ منورہ میں ہے۔ ”مسجد اقصیٰ“ سے مراد مسلمانوں کا قبلہ اول ہے جو فلسطین کے دارالحکومت بیت المقدس میں واقع ہے۔ اس پر آج کل

اسرائیل کا قبضہ ہے۔ ”مسجد طور“ وہ مسجد ہے جو مصر میں موجود کوہ طور کے قریب واقع ہے۔ کوہ طور وہ پہاڑ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ مسجد طور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں معروف تھی اور بعد کے ادوار میں بھی سلف صالحین کے ہاں متعارف تھی جیسا کہ مسند احمد کی اس روایت میں ملتا ہے:

عَنْ أَبِي بَصْرَةَ الْغَفَارِيِّ قَالَ لَقِيتُ أَبَا هُرَيْرَةَ وَهُوَ يَسِيرُ إِلَى مَسْجِدِ الطُّورِ لِيُصَلِّيَ فِيهِ. قَالَ: فَقُلْتُ لَهُ: لَوْ أَدْرَكْتُكَ قَبْلَ أَنْ تَزُولَ مَا أَرْتَحِلُ! قَالَ: فَقَالَ: وَلِمَ؟ قَالَ: قَالَ فَقُلْتُ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا تُشَدُّ الرَّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَمَسْجِدِي".

مسند احمد: ج 18 ص 478 رقم الحدیث 27107

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری ملاقات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہو گئی۔ آپ مسجد طور جا رہے تھے تاکہ وہاں نماز ادا کریں۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر میں آپ کے سفر پر جانے سے پہلے آپ سے مل لیتا تو آپ وہاں نہ جاتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیوں؟ تو میں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے، وہ تین مساجد مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور یہ میری مسجد (مسجد نبوی) ہیں۔

عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ بعینہ مسجد طور کو یا اس کے آثار کو قرب قیامت تک باقی رکھیں اور دجال کا داخلہ اس میں ممنوع ہو۔ کوہ طور موجودہ جغرافیہ کے مطابق مصر کے صحرائے سیناء کے علاقے میں واقع ہے۔

2: عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثًا طَوِيلًا عَنِ الدَّجَالِ فَكَانَ فِيْمَا حَدَّثَنَا بِهِ أَنْ قَالَ يَأْتِي

الدَّجَالُ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْهِ أَنْ يَدْخُلَ نِقَابَ الْمَدِينَةِ بَعْضُ السَّبَاحِ الَّتِي  
بِالْمَدِينَةِ فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ يَوْمَئِذٍ رَجُلٌ هُوَ خَيْرُ النَّاسِ أَوْ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ فَيَقُولُ:  
أَشْهَدُ أَنَّكَ الدَّجَالُ الَّذِي حَدَّثَنَا عَنْكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثَهُ  
فَيَقُولُ الدَّجَالُ: أَرَأَيْتَ إِنْ قَتَلْتُ هَذَا ثُمَّ أَحْيَيْتُهُ هَلْ تَشْكُونُ فِي الْأَمْرِ؟  
فَيَقُولُونَ: لَا! فَيَقْتُلُهُ ثُمَّ يُحْيِيهِ فَيَقُولُ حِينَ يُحْيِيهِ: وَاللَّهِ مَا كُنْتُ قَطُّ أَشَدَّ  
بَصِيرَةً مِنِّي الْيَوْمَ، فَيَقُولُ الدَّجَالُ: أَقْتُلُهُ فَلَا أَسْلُطَ عَلَيْهِ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1882

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم  
سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے متعلق ایک طویل حدیث بیان فرمائی۔  
اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ دجال مدینہ منورہ  
کی ایک کھاری زمین تک پہنچے گا لیکن اس پر مدینہ میں داخل ہونا حرام ہو گا۔ اس دن  
ایک شخص اس دجال کی طرف نکل کر اس کے سامنے آئے گا۔ یہ شخص لوگوں میں  
سب سے بہترین شخص ہو گا یا (یہ فرمایا کہ) یہ شخص بزرگ ترین لوگوں میں سے ہو گا۔  
یہ شخص دجال کو کہے گا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کے  
متعلق ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ دجال لوگوں سے کہے گا: کیا  
میں اسے قتل کر کے پھر زندہ کر دوں تو تم لوگوں کو میرے بارے میں کوئی شک و شبہ  
باقی رہ جائے گا؟ لوگ (جو اس کے حواری ہوں گے) کہیں گے: ہمیں کوئی شک و شبہ  
باقی نہیں رہے گا۔ اس وقت دجال اس شخص کو قتل کر کے پھر زندہ کر دے گا۔ جب  
دجال اسے زندہ کرے گا تو وہ شخص کہے گا: قسم بخدا! اب تو مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ  
تو وہی دجال ہے۔ دجال کہے گا: لاؤ! میں اسے پھر قتل کرتا ہوں لیکن اس مرتبہ وہ اس پر  
قادر نہ ہو سکے گا۔

## خالقیت و رازقیت باری تعالیٰ

وَكَانَ اللَّهُ تَعَالَى خَالِقًا قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ وَرَازِقًا قَبْلَ أَنْ يَرْزُقَ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی خالق تھے اور مخلوق کو رزق دینے سے پہلے بھی رازق تھے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے قبل بھی اللہ تعالیٰ کے خالق اور رازق ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے، اب یہاں تاکید کے لیے دوبارہ ذکر فرمایا ہے۔

## دیدار باری تعالیٰ کا برحق ہونا

وَاللَّهُ تَعَالَى يُرَى فِي الْآخِرَةِ وَيَرَاهُ الْمُؤْمِنُونَ وَهُمْ فِي الْجَنَّةِ بِأَعْيُنٍ رُؤُوسِهِمْ  
بَلَا تَشْبِيهِ وَلَا كَيْفِيَّةٍ وَلَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ خَلْقِهِ مَسَافَةٌ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا آخرت میں دیدار ہو گا۔ اہل ایمان جنت میں رہ کر اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو بلا تشبیہ و بلا کیفیت دیکھیں گے۔ اس دوران اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان کوئی مسافت نہ ہوگی۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف ہے کہ آخرت میں مومنین اللہ رب العزت کے دیدار سے سرفراز ہوں گے۔ یہ نظریہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

دلائل اہل السنۃ والجماعۃ:

چند دلائل پیش خدمت ہیں:

(1): اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَجُودُهُ يُؤَمِّنُ تَأْخِذَةً إِلَى رَبِّهَا نَاطِقَةً

سورة القيامة: 22، 23

ترجمہ: اس دن کئی چہرے تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

علامہ فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازی (ت 606ھ) اس آیت کو اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف کی دلیل بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

إِعْلَمُ أَنَّ جُمْهُورَ أَهْلِ السُّنَّةِ يَتَمَسَّكُونَ بِهَذِهِ الْآيَةِ فِي إِثْبَاتِ أَنَّ الْمُؤْمِنِينَ يَرَوْنَ اللَّهَ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

التفسير الكبير للرازي: ج 30 ص 200

ترجمہ: جان لیجیے کہ جمہور اہل السنۃ اس آیت کو دلیل بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مؤمنین کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔

(2): اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ

سورة يونس: 26

ترجمہ: جن لوگوں نے اچھے کام کیے تو بہترین حالت انہی کی ہوگی اور اس سے بڑھ کر کچھ اور بھی!

اس آیت میں موجود الفاظ ”حسنى“ اور ”زيادة“ کی تفسیر خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”جنت“ اور ”زیارت باری تعالیٰ“ سے فرمائی ہے۔

علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی الشافعی (ت 911ھ) ایک روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ



اللَّهُ يَبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُنَادِيًا يُنَادِي: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ بِصَوْتٍ يَسْمَعُهُ أَوَّلُهُمْ  
وَأَخْرَهُمْ - إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ الْحُسْنَى وَزِيَادَةً فَالْحُسْنَى الْجَنَّةُ وَالزِّيَادَةُ النَّظَرُ إِلَى وَجْهِ  
الرَّحْمَنِ.

تفسیر الدر المنثور للسیوطی: ج 3 ص 574

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک منادی سے بلند آواز میں یہ اعلان  
کروائے گا کہ اے جنت والو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جو ”حسنى“ اور ”زیادۃ“ کا وعدہ فرمایا  
تھا تو وہ حسنى جنت ہے اور زیادۃ: رحمن کا دیدار ہے۔

(3): اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

عَلَى الْأَرَآئِكَ يَنْظُرُونَ

المطففين: 23

ترجمہ: (جنتی) آرام دہ نشستوں پر بیٹھے نظارہ کر رہے ہوں گے۔  
حافظ ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی شافعی (ت 774ھ) اس آیت کی تفسیر  
میں لکھتے ہیں:

"عَلَى الْأَرَآئِكَ يَنْظُرُونَ" أَمْعَى إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ.

تفسیر ابن کثیر: ج 6 ص 417

ترجمہ: جنتی لوگ آرام دہ نشستوں پر بیٹھے کر اللہ رب العزت کا دیدار کریں گے۔

(4): امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِذْ نَظَرْنَا إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ: "أَمَّا إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا لَا  
تَضَامُونَ فِي رُؤْيَيْتِهِ".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 573

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، آپ علیہ السلام نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھ کر فرمایا: تم اپنے رب کو ایسے دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اس کے نور و جمال کو دیکھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے گی۔

(5): امام ابوالحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری (ت 261ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ صُهَيْبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ قَالَ يَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى تُرِيدُونَ شَيْئًا أَزِيدُكُمْ؟ فَيَقُولُونَ: أَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوهَنَا أَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُخْرِجَنَا مِنَ النَّارِ قَالَ: فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ، فَمَا أُعْطُوا شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَى رَبِّهِمْ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 181

ترجمہ: حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب جنتی جنت میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ ان سے ارشاد فرمائیں گے: اگر تم لوگ کوئی اور نعمت چاہتے ہو تو میں تمہیں عطا کر دوں؟ جنتی لوگ عرض کریں گے: یا اللہ! کیا آپ نے ہمارے چہرے بارونق نہیں فرمائے؟ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور کیا دوزخ سے ہمیں نجات نہیں بخشی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ پر دہ ہٹائیں گے تو جنت والوں کو کوئی ایسی نعمت نہیں دی گئی جو ان کو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے زیادہ محبوب ہوگی۔

اشکال:

اہل السنۃ والجماعۃ تو اللہ تعالیٰ کی رویت کو بغیر تشبیہ کے مانتے ہیں جبکہ اس

حدیث میں تو روایت کو چاند کے دیکھنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

جواب:

یہاں روایت باری تعالیٰ کو ”نظر الی القمر“ سے تشبیہ نہیں دی گئی بلکہ تشبیہ اس بات میں ہے کہ جس طرح تم لوگ چاند کو دیکھتے ہو تو تمہیں یقین ہو جاتا ہے کہ یہ چاند ہی ہے، تمہیں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہوتا بالکل اسی طرح جب تم لوگ اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے تو تمہیں یقین ہو جائے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی ہیں، تمہیں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہو گا۔

علمائے امت کا موقف:

(1): امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی (ت 321ھ)

وَالرُّؤْيَا حَقٌّ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ بِغَيْرِ احَاطَةٍ وَلَا كَيْفِيَّةٍ.

عقیدۃ الطحاویۃ مع الشرح لتکلم الاسلام: ص 63

ترجمہ: اہل جنت کا اللہ تعالیٰ کو بغیر احاطہ اور بغیر کیفیت کے دیکھنا برحق ہے۔

(2): امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت 458ھ) نے چند

آیات و احادیث سے استدلال کرتے ہوئے روایت باری تعالیٰ کو ثابت کیا اور یہ باب قائم فرمایا:

”بَابُ الْقَوْلِ فِي اثْبَاتِ رُؤْيَا اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي الْآخِرَةِ“

کتاب الاعتقاد: ص 58

(3): حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر دمشقی

شافعی (ت 774ھ) روایت باری تعالیٰ کی احادیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

قَدْ تَوَاتَرَتْ الْأَخْبَارُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَنَسٍ، وَجَرِيرٍ، وَصَهْبٍ، وَبِلَالٍ

وَعَبَّ وَاجِدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ الْمُؤْمِنِينَ يَرَوْنَ اللَّهَ فِي الدَّارِ الْآخِرَةِ.

تفسیر القرآن الکریم لابن کثیر: ج 3 ص 309 لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ترجمہ: حضرت ابوسعید الخدری، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس بن مالک، حضرت جریر، حضرت صہیب، حضرت بلال اور دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ حدیث تواتر سے مروی ہے کہ ایمان والوں کو آخرت میں دیدار الہی نصیب ہو گا۔

(4): حافظ بدر الدین محمود بن احمد بن موسیٰ العینی الحنفی (ت 855ھ) نے روایت باری تعالیٰ پر چار اقوال کا تذکرہ فرما کر اہل حق کا قول ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

قَالَ أَهْلُ الْحَقِّ: يَرَاهُ الْمُؤْمِنُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ دُونَ الْكُفَّارِ.

عمدة القاری: ج 6 ص 631 بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى وَجُوهٌ يُؤْمِنُونَ نَاضِرَةٌ إِلَى رَبِّهَا نَاطِرَةٌ ترجمہ: اہل حق کا کہنا ہے کہ مؤمنین کو قیامت کے دن دیدار الہی نصیب ہو گا جبکہ یہ شرف کفار کو نہ ملے گا۔

(5): شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی (ت 1369ھ) فرماتے ہیں:

”قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے یقینی طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا۔ گمراہ لوگ اس کے منکر ہیں کیونکہ یہ دولت ان کے نصیب میں نہیں۔“

تفسیر عثمانی: ج 2 ص 834 تحت الْآيَةِ وَجُوهٌ يُؤْمِنُونَ نَاضِرَةٌ إِلَى رَبِّهَا نَاطِرَةٌ سورة القيامة: 22، 23 (6): شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی (ت 1394ھ) فرماتے ہیں:

جنت میں اہل ایمان کے لیے دیدار خداوندی برحق ہے... آخرت کی اس روایت اور دیدار پر ہمارا ایمان ہے۔

سوال: رویت باری تعالیٰ کا عقیدہ قرآن مجید کے خلاف ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ

سورۃ الانعام: 103

ترجمہ: آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا احاطہ کرتا ہے۔

جواب: احادیث میں جو رویت ثابت ہے وہ ”رویت بدون الاحاطہ“ ہے یعنی دیدار باری تعالیٰ تو ہو گا لیکن حق تعالیٰ شانہ کی ذات اور صفات کے کلی احاطہ کے بغیر ہو گا اور آیت میں جس رویت کی نفی ہے وہ ”رویت بالاحاطہ“ ہے یعنی باری تعالیٰ کو ذات و صفات کے احاطہ کے ساتھ دیکھنا ممکن نہیں ہے۔ امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسن الرازی الشافعی (ت 606ھ) لکھتے ہیں:

الْمَرْئِيُّ إِذَا كَانَ لَهُ حَدٌّ وَنِهَائِيَّةٌ وَأَدْرَكَهُ الْبَصَرُ بِجَمِيعِ حُدُودِهِ وَجَوَانِبِهِ وَنِهَائِيَّاتِهِ صَارَ كَأَنَّ ذَلِكَ الْإِبْصَارَ أَحَاطَ بِهِ فَتَنَسَّيَ هَذِهِ الرُّؤْيِيَّةُ إِدْرَاكًَا أَمَّا إِذَا لَمْ يُحِطِ الْبَصَرُ بِجَوَانِبِ الْمَرْئِيِّ لَمْ تُسَمَّ تِلْكَ الرُّؤْيِيَّةُ إِدْرَاكًَا فَالْحَاصِلُ أَنَّ الرُّؤْيِيَّةَ جَنْسٌ تَحْتَهَا نَوْعَانِ: رُؤْيِيَّةٌ مَعَ الْإِحَاطَةِ وَرُؤْيِيَّةٌ لَا مَعَ الْإِحَاطَةِ وَالرُّؤْيِيَّةُ مَعَ الْإِحَاطَةِ هِيَ الْمُسَمَّاةُ بِالْإِدْرَاكِ فَتَقَعُ الْإِدْرَاكُ يُفِيدُ نَفْيَ نَوْعٍ وَاحِدٍ مِنْ نَوْعِي الرُّؤْيِيَّةِ وَنَفْيِ النَّوْعِ لَا يُوجِبُ نَفْيَ الْجِنْسِ فَلَمْ يَلْزَمْ مِنْ نَفْيِ الْإِدْرَاكِ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى نَفْيِ الرُّؤْيِيَّةِ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى.

التفسير الكبير: ج 13 ص 104 لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ سورة الانعام: 103

ترجمہ: دیکھی جانے والی چیز کی جب حد اور انتہاء ہو اور دیکھنے والی نظر تمام حدود، اطراف اور انتہاؤں کو گھیر لے تو گویا اس نظر نے اس چیز کو گھیر لیا۔ اس دیکھنے کو ”ادراک“ کہا جاتا ہے، لیکن جب نظر؛ دیکھی جانے والی چیز کے اطراف کا احاطہ نہ کرے تو اس دیکھنے کا نام ”ادراک“ نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ”دیکھنا“ ایک جنس ہے

جس کے نیچے دو انواع ہیں، ایک دیکھنا احاطے کے ساتھ اور دوسرا دیکھنا بلا احاطہ کیے، صرف احاطے والے دیکھنے کو ”ادراک“ کہا جاتا ہے۔ اس لیے ادراک کی نفی سے دیکھنے کی ایک قسم کی نفی ثابت ہوئی اور ایک نوع کی نفی سے جنس کی نفی نہیں ہوتی۔ لہذا اللہ کے ادراک کی نفی سے اللہ کے دیکھنے کی نفی لازم نہیں آتی۔

تو اس آیت میں ”ادراک“ کی نفی ہے، ”رؤیت“ کی نفی نہیں ہے۔

فائدہ:

اہل ایمان کو رؤیت باری تعالیٰ کی نعمت تو جنت میں ملے گی لیکن امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اسی زندگی میں عطا فرمائی ہے۔ چند دلائل پیش ہیں:

1: علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی الشافعی (ت 911ھ) روایت نقل فرماتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "رَأَيْتُ رَبِّيَّ عَزَّ وَجَلَّ".

الخصائص الكبرى للسيوطي: ج 1 ص 267

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔

2: امام ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق البصری المعروف البزار (ت 292ھ) روایت فرماتے ہیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: .... وَفُتِّحَ لِي بَابٌ مِنْ أَبْوَابِ السَّمَاءِ وَرَأَيْتُ النُّورَ الْأَعْظَمَ.

مسند البزار: ج 14 ص 10 رقم الحديث 7389

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (طویل حدیث معراج نقل کرتے ہوئے) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے لیے آسمان کے دروازے کھولے گئے اور میں نے (آگے جا کر) نورِ اعظم (اللہ تعالیٰ کے نور) کو دیکھا ہے۔

3: عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَبَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى.

مسند البزار: ج 13 ص 426 رقم الحدیث 7165

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو دیکھا ہے۔

4: امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی الماکی (ت 671ھ) لکھتے ہیں:  
وَحَكَى ابْنُ إِسْحَاقَ أَنَّ مَرْوَانَ سَأَلَ أَبَا هُرَيْرَةَ: هَلْ رَأَى مُحَمَّدٌ رَبَّهُ؟  
فَقَالَ: نَعَمْ!

الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ج 1 ص 1219 لَا تُذَرِّكُهُ الْبَصَارُ وَهُوَ يُذَرِّكُ الْبَصَارَ الانعام: 103  
ترجمہ: ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟ انہوں نے فرمایا:  
”ہاں“

5: امام ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الصنعانی (ت 211ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنِ الْمُبَارَكِ بْنِ فُضَالَةَ قَالَ: كَانَ الْحَسَنُ يَحْلِفُ بِاللَّهِ ثَلَاثَةً لَقَدْ رَأَى مُحَمَّدٌ رَبَّهُ.  
التفسير لعبد الرزاق: ج 3 ص 252

ترجمہ: مبارک بن فضالہ کہتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تین مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔

6: امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی (ت 671ھ) لکھتے ہیں:  
وَالِیْ هَذَا ذَهَبَ الشَّيْخُ أَبُو الْحَسَنِ الْأَشْعَرِيُّ وَجَمَاعَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى اللَّهَ بِبَصَرِهِ وَعَيْنَيْ رَأْسِهِ، وَقَالَ أَنَسُ وَابْنُ عَبَّاسٍ  
وَعِكْرِمَةُ وَالزَّبَّيْجُ وَالْحَسَنُ.

الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ج 1 ص 1219 لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ الانعام: 103  
ترجمہ: امام ابو الحسن اشعری اور ان کے شاگردوں کی ایک بڑی جماعت کا یہی  
موقف ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے  
دیکھا ہے۔ یہی موقف حضرت انس، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، زبج اور  
حسن بصری رحمہم اللہ کا بھی ہے۔

7: علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی (ت 676ھ) لکھتے ہیں:  
فَالْحَاصِلُ أَنَّ الرَّاجِحَ عِنْدَ أَكْثَرِ الْعُلَمَاءِ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى  
رَبَّهُ بِعَيْنَيْ رَأْسِهِ لَيْلَةَ الْإِسْرَاءِ لِحَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَغَيْرِهِ.

شرح مسلم للنووی: ج 1 ص 312  
ترجمہ: خلاصہ یہ ہے کہ اکثر علماء کے ہاں راجح بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے معراج کی رات اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے جیسا کہ حدیث ابن  
عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر روایات سے ثابت ہے۔

### اشکال نمبر 1:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا موقف تو یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔

امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری (ت 261ھ) روایت کرتے ہیں:  
عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ كُنْتُ مُتَكِنًا عِنْدَ عَائِشَةَ فَقَالَتْ يَا أَبَا عَائِشَةَ! ثَلَاثٌ مَنْ



تَكَلَّمَ بِوَاحِدَةٍ مِنْهُمْ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللَّهِ الْفِرْيَةَ قُلْتُ: مَا هُنَّ؟ قَالَتْ: مَنْ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَبَّهُ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللَّهِ الْفِرْيَةَ. قَالَ: وَكُنْتُ مُتَكِنًا فَجَلَسْتُ فَقُلْتُ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ! أَنْظِرِيْنِي وَلَا تَعْجَلِيْنِي أَلَمْ يَقُلِ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ "وَلَقَدْ رَأَاهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ" "وَلَقَدْ رَأَاهُ نَزْلُهُ أُخْرَى" فَقَالَتْ: أَنَا أَوَّلُ هَذِهِ الْأُمَّةِ سَأَلَ عَنْ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنَّمَا هُوَ جَبْرِيلُ لَمْ أَرَهُ عَلَى صُورَتِهِ الَّتِي خُلِقَ عَلَيْهَا غَيْرَ هَاتَيْنِ الْمَرَّتَيْنِ رَأَيْتُهُ مُنْهَبِطًا مِنَ السَّمَاءِ سَادًّا عِظَمَ خَلْقِهِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ فَقَالَتْ: أَوَلَمْ تَسْمَعْ أَنَّ اللَّهَ يَقُولُ "لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ" وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ" أَوَلَمْ تَسْمَعْ أَنَّ اللَّهَ يَقُولُ "وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَآئِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ" قَالَتْ: وَمَنْ زَعَمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَمَ شَيْئًا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللَّهِ الْفِرْيَةَ وَاللَّهُ يَقُولُ "يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ" وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ" قَالَتْ: وَمَنْ زَعَمَ أَنَّهُ يُخَيِّرُ مَا يَكُونُ فِي غَدٍ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللَّهِ الْفِرْيَةَ وَاللَّهُ يَقُولُ "قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ"

صحیح مسلم: رقم الحدیث 177

ترجمہ: حضرت مسروق (بن اجدع تابعی) رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے مجھے فرمایا: اے ابو عائشہ! (یہ مسروق تابعی کی کنیت ہے) تین باتیں ایسی ہیں کہ جس نے ان میں سے کوئی ایک بھی کہی تو اس نے اللہ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ میں نے دریافت کیا: امی جان! وہ تین باتیں کون سی ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جو یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ مسروق کہتے ہیں کہ میں اس وقت ٹیک لگائے ہوئے تھا لیکن (آپ رضی اللہ عنہا کی یہ بات سنتے ہی) سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور میں نے ان سے عرض کیا: اے ام المؤمنین! مجھے بات کرنے دیجیے اور جلدی نہ فرمائیے! کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا ہے، اور کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ علیہ السلام نے اسے ایک بار اترتے ہوئے دیکھا ہے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو تو دیکھا ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: میں اس امت میں سب سے پہلی ہوں جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں، میں نے انہیں ان کی اصلی شکل جس میں وہ پیدا کیے گئے صرف دو مرتبہ دیکھا ہے: میں نے انہیں دیکھا جب وہ آسمان سے اتر رہے تھے، اس وقت ان کی بڑی جسامت نے آسمان اور زمین کے درمیان خلاء کو بھر دیا تھا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: (اے ابو عائشہ!) کیا تم نے قرآن کریم کی یہ آیت نہیں سنی جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”آنکھیں اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا احاطہ کرتا ہے، اور وہ باریک بین اور ہر چیز سے باخبر ہے۔“ اور کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا: ”اور کسی انسان میں یہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے (رو برو) کلام فرمائے، اللہ تعالیٰ کا کلام یا تو وحی کے ذریعے ہوتا ہے یا پردے کے پیچھے ہوتا ہے یا وہ کسی پیغام لانے والا (یعنی فرشتے) کو بھیج دیتا ہے اور وہ آنے والا (فرشتہ) اس کے حکم سے جو چاہے وحی کرتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ بلند و بالا مقام کا مالک اور حکیم ذات ہے۔“ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے کچھ چھپا لیا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے پیغمبر! جو کچھ آپ کے رب کی

طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے اسے (لوگوں تک) پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو (اس کا مطلب یہ ہوا کہ) آپ نے فریضہ رسالت ادا نہیں کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مزید فرمایا: جو شخص یہ کہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کل کی خبر دیتے تھے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: آپ فرما دیجیے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں پائے جانے والے غیب کو نہیں جانتا۔

### جوابات:

**1:** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے موقف پر حدیث مرفوع پیش نہیں کی بلکہ آیت "لَا تُدْرِكُهُ الْبَصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْبَصَارَ" سے استدلال فرمایا ہے اور یہاں اس آیت میں "ادراک" کی نفی ہے جو کہ رؤیت بالاحاطہ ہے۔ رؤیت بالاحاطہ سے رؤیت بدون الاحاطہ کی نفی نہیں ہوتی۔ چنانچہ علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی (ت 676ھ) فرماتے ہیں:

فَأَمَّا احْتِجَاجُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا بِقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: "لَا تُدْرِكُهُ الْبَصَارُ" فُجَوَابُهُ ظَاهِرٌ، فَإِنَّ الْإِدْرَاكَ هُوَ الْإِحَاطَةُ وَاللَّهُ تَعَالَى لَا يُحَاطُ بِهِ، وَإِذَا وَرَدَ النَّصُّ بِنَقْيِ الْإِحَاطَةِ لَا يَلْزَمُ مِنْهُ نَقْيُ الرُّؤْيَا بِغَيْرِ إِحَاطَةٍ.

شرح مسلم للنووی: ج 1 ص 312

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو آیت "لَا تُدْرِكُهُ الْبَصَارُ" کو دلیل بنایا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں "ادراک" کا معنی "احاطہ کرنا" ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی ذات ہے جس کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ تو آیت میں "احاطہ کرنے" کی نفی منقول ہے، اس سے بغیر احاطہ کے دیکھنے کی نفی ہرگز نہیں ہوتی۔

حافظ بدر الدین محمود بن احمد بن موسیٰ العینی الحنفی (ت 855ھ) حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کے مستدل "لَا تُدْرِكُهُ الْبَصَارُ" کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

الْمُرَادُ بِالْإِدْرَاكِ الْإِحَاطَةُ وَنَفَى الْإِحَاطَةِ لَا يَسْتَلْزِمُ نَفَى نَفْسِ الرُّوْيَةِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا لَا يُحِيطُ بِهِ.

عمدة القاری: ج 10 ص 589

ترجمہ: ”ادراک“ سے مراد ایسا دیکھنا ہے جس میں کسی کو احاطہ کے ساتھ (یعنی تمام اطراف سے) دیکھنا پایا جائے، اس لیے احاطہ کے ساتھ دیکھنے کی نفی کرنے سے مطلق دیکھنے کی نفی لازم نہیں آتی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جو روایت منقول ہے وہ ایسی نہیں جس میں احاطہ کے ساتھ دیکھنا ہو۔

اس لیے دونوں میں منافات نہیں!

**2:** جب دو صحابہ میں اختلاف ہو اور ایک صحابی قرآن مجید سے استدلال کریں اور دوسرا صحابی اس سے اختلاف کرے تو اس آیت سے مستنبط قول بالاتفاق حجت نہیں ہوتا بلکہ اس مستنبط قول کے علاوہ دیگر قرائن سے آیت کا معنی متعین کیا جائے گا۔

علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی (ت 676ھ) فرماتے ہیں:

لِأَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا لَمْ تُحْبِزْ أَنَّهَا سَمِعَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَمْ أَرِ رَبِّي! وَإِنَّمَا ذَكَرْتُ مُتَأَوِّلَةً ... لِقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: "لَا تُدْرِكُهُ الْبَصَارُ" وَالصَّحَابِيُّ إِذَا قَالَ قَوْلًا وَخَالَفَهُ غَيْرُهُ مِنْهُمْ لَمْ يَكُنْ قَوْلُهُ حُجَّةً.

شرح مسلم للنووی: ج 1 ص 312

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ نہیں فرمایا کہ ”میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو نہیں دیکھا!“ بلکہ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمان باری تعالیٰ "لَا تُدْرِكُهُ الْبَصَارُ" سے استدلال کیا اور صحابی جب (آیت سے استدلال کرتے ہوئے) کوئی بات پیش کرے اور کسی دوسرے صحابی کا

قول اس کے خلاف ہو تو اس صحابی کا (جس نے آیت سے استدلال کیا ہو) قول حجت نہیں بنتا۔

ما قبل میں آیت کا معنی متعین کیا گیا کہ یہاں ادراک کی نفی ہے، روایت کی نہیں اور روایت خود احادیث مرفوعہ سے ثابت ہے اس لیے روایت کے موقف کو ترجیح ہوگی۔

## اشکال نمبر 2:

ایک روایت میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی نفی معلوم ہوتی ہے۔ صحیح مسلم میں روایت ہے:

عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ؟ قَالَ: "نُورٌ أَتَى أَرَاةً."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 261

ترجمہ: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تو نور تھا اور میں نور کو کیسے دیکھ سکتا ہوں؟

## جواب:

سائل کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقت رب کو دیکھا ہے؟ یعنی کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا دیدار ادراک کے ساتھ کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نُورٌ أَتَى أَرَاةً" کہ اللہ تعالیٰ تو ایک نور ہے۔ میں نور محض کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادراک کیسے کر سکتا ہوں؟ تو سوال ذات باری تعالیٰ کی حقیقت اور روایت بالادراک کے متعلق تھا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو کوئی معلوم نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کی ذات کا کوئی احاطہ کر سکتا ہے۔

## ایمان کی تعریف

وَالْإِيمَانُ هُوَ الْإِقْرَارُ وَالتَّصْدِيقُ وَإِيمَانُ أَهْلِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ وَالْمُؤْمِنُونَ مُسْتَوُونَ فِي الْإِيمَانِ وَالتَّوْحِيدِ مُتَفَاضِلُونَ فِي الْأَعْمَالِ.

ترجمہ: ایمان؛ اقرار اور تصدیق کا نام ہے۔ آسمان والوں اور زمین والوں کے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے نہ کمی۔ تمام مومنین ایمان اور توحید میں تو برابر ہیں البتہ اعمال میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔

قَوْلُهُ: وَالْإِيمَانُ هُوَ الْإِقْرَارُ وَالتَّصْدِيقُ

ترجمہ: ایمان؛ اقرار اور تصدیق کا نام ہے۔

”ایمان“ دراصل ”تصدیق قلبی“ یعنی دل سے ماننے کا نام ہے۔ زبان سے اقرار کرنا ایمان کا رکن اصلی نہیں بلکہ ایمان کی علامت اور اجرائے احکام کے لیے شرط ہے۔ بالفاظ دیگر ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور اقرار باللسان اجراء احکام کے لیے شرط ہے۔ تصدیق چونکہ ایک باطنی اور پوشیدہ امر ہے اس لیے اس کا علم زبان سے اظہار کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔ اسی بات کا تذکرہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے الفقہ الاکبر کی ابتداء میں ان الفاظ سے فرمایا:

أَصْلُ التَّوْحِيدِ وَمَا يَصْحُحُ الْإِعْتِقَادُ عَلَيْهِ يَجِبُ أَنْ يَقُولَ: أَمَنْتُ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْقَدَرِ خَيْرٌ وَشَرٌّ مِنْ اللَّهِ تَعَالَى وَالْحِسَابِ وَالْمِيزَانِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ حَقٌّ كُلُّهُ.

ترجمہ: توحید کی بنیاد اور ان چیزوں کا بیان جن کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ہر بندے پر لازم ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں اللہ پر ایمان لایا الخ

”وَمَا يَصِحُّ إِلَّا عِتْقَادُ عَلَيْهِ“ سے مراد تصدیق قلبی ہے کہ ان امور پر دل سے یقین رکھنا ضروری ہے اور ”يَجِبُ أَنْ يَقُولَ“ سے مراد اقرار لسانی ہے کہ زبان سے بھی ان کا اظہار کرنا لازم ہے۔

زندگی میں ایک بار اور بوقتِ ضرورت زبان سے اقرار کرنا فرض ہے۔ اگر کوئی شخص دل سے تو اعتقاد رکھتا ہے اور معذور بھی نہیں کہ اپنی زبان سے بول بھی سکے، اس کے باوجود بوقتِ تقاضا زبان سے اقرار نہیں کرتا تو اسے مؤمن نہیں کہا جاسکتا۔

### اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف:

نقطہ ”تصدیق قلبی“ ہی ایمان کا رکن اصلی ہے، زبان سے اقرار کرنا ایمان کی شرط ہے۔ اعمالِ ظاہرہ سرانجام دینا یہ نفسِ ایمان کے رکن اصلی نہیں ہیں البتہ مکمل ایمان ضرور ہیں۔ اقرار اور اعمالِ صالحہ؛ ایمان کے اجزاء نہیں ہیں۔

### دلائل:

1: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

سورة البقرة: 82

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو وہ جنتی ہیں، جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازی الشافعی (ت 606ھ) لکھتے ہیں:

وَهَاهُنَا مَسَائِلُ: الْمَسْأَلَةُ الْأُولَى: الْعَمَلُ الصَّالِحُ خَارِجٌ عَنِ مُسَمَّيِ الْإِيمَانِ

لَآئِنَّهُ تَعَالَى قَالَ "وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ" فَلَوْ ذَلَّ الْإِيمَانُ عَلَى الْعَمَلِ الصَّالِحِ لَكَانَ ذِكْرُ الْعَمَلِ الصَّالِحِ بَعْدَ الْإِيمَانِ تَكَرُّارًا.

التفسير الكبير للرازي: ج 3 ص 584

ترجمہ: اس مقام پر کئی مسئلے قابل بیان ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ عمل صالح: ایمان کے مسمیٰ سے خارج ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا: "وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ" اگر ایمان سے عمل صالح مراد ہو سکتا تو ایمان کے بعد عمل صالح کا ذکر کرنا تکرار ہو گا۔ (معلوم ہوا کہ ایمان سے مراد عمل صالح نہیں)

2: مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيْمَانِهِ إِلَّا مَنْ أَكْرَهَ وَ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ

سورة النحل: 106

ترجمہ: جو شخص اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرے۔ وہ نہیں جسے زبردستی (کلمہ کفر کہنے پر) مجبور کر دیا گیا ہو جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، بلکہ وہ شخص جس نے اپنا سینہ کفر کے لیے کھول دیا ہو۔ تو ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے غضب نازل ہو گا اور ان کے لیے زبردست عذاب تیار ہے۔

اس آیت میں ایمان کے ساتھ فقط دل کے اطمینان کا ذکر ہے، لسان اور

اعضاء و جوارح کا ذکر نہیں کیا گیا۔

3: أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ

سورة المجادلة: 22

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو نقش فرما دیا ہے۔

4: عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ: بَعَثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ، فَصَبَّحْنَا الْحَرَقَاتِ مِنْ جُھَيْنَةَ، فَأَذْرَكُنَّ رَجُلًا فَقَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ،



فَطَعَنَتْهُ فَوْقَ فِي نَفْسِي مِنْ ذَلِكَ، فَذَكَرْتُهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَقَتْلَتُهُ؟ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّمَا قَالَهَا خَوْفًا مِنَ السِّلَاحِ، قَالَ: أَفَلَا شَقَقْتُ عَنْ قَلْبِهِ حَتَّى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أَمْ لَا؟ فَمَا زَالَ يُكْرِرُهَا عَلَيَّ حَتَّى تَمْنَيْتُ أَنِّي أَسْلَمْتُ يَوْمَئِذٍ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 190

ترجمہ: حضرت اسماء بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک سریہ میں بھیجا۔ ہم قبیلہ جہینہ کی شاخ ”خُرقات“ کے پاس صبح صبح جا پہنچے۔ میں نے ایک آدمی کو وہاں پھرتے ہوئے پایا تو اس نے (مجھے دیکھتے ہی) لا الہ الا اللہ کہا۔ میں نے اسے ایک برچھی سے قتل کر دیا۔ یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی (کہ اس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا اس لیے اسے نہیں مارنا چاہیے تھا) میں نے اس بات کا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے لا الہ الا اللہ کہا اور تم نے اس کو مار ڈالا؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس نے میرے ہتھیار سے ڈر یہ کہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا تاکہ تجھے معلوم ہوتا کہ اس کے دل نے یہ کلمہ کہا تھا یا نہیں؟ (یعنی دل کا حال تجھے کہاں سے معلوم ہوا؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ میں نے یہ تمنا کی کہ کاش میں اسی دن مسلمان ہوا ہوتا۔

اس حدیث میں بھی لا الہ الا اللہ کا تعلق دل سے جوڑا گیا ہے۔ ان دلائل سے

ثابت ہوتا ہے کہ ایمان؛ تصدیق قلبی کا نام ہے۔

قَوْلُهُ: وَإِيمَانُ أَهْلِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ.

ترجمہ: آسمان والوں اور زمین والوں کے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے نہ کمی۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ ایمان؛ تصدیق قلبی کا نام ہے۔

اعمالِ ظاہرہ نفسِ ایمان کے اجزائے اصلیہ میں داخل نہیں بلکہ مکمل ایمان ہیں یعنی ان کی کمی اور زیادتی کی وجہ سے نفسِ ایمان کم زیادہ نہیں ہوتا ہاں البتہ کمالِ ایمان کم زیادہ ہوتا رہتا ہے یعنی اعمال کے کم یا زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کی کیفیت میں کمی یا زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ نیک کام کرنے والا مؤمن اور گناہ کرنے والا مؤمن نفسِ ایمان میں تو برابر سمجھے جائیں گے البتہ نیک اعمال کرنے والا ”کامل و صالح مؤمن“ اور گناہ کرنے والا ”فاسق مؤمن“ کہلائے گا۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الہروی الخفی (ت 1014ھ) امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَمَعْنَاهُ أَنَّهُ يَزِيدُ بِاعْتِبَارِ أَحْمَالِهِ الْحَسَنَةِ حَتَّى يَدْخُلَ صَاحِبُهُ الْجَنَّةَ دُخُولًا أَوَّلِيًّا، وَيَنْقُصُ بِازْتِكَابِ أَحْمَالِهِ السَّيِّئَةِ حَتَّى يَدْخُلَ صَاحِبُهُ النَّارَ أَوَّلًا ثُمَّ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِإِحْمَانِهِ آخِرًا كَمَا هُوَ مُقْتَضَى أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ.

شرح الفقہ الاکبر لعلی القاری: ص 88

ترجمہ: اس عبارت (وَإِحْمَانُ أَهْلِ السَّيِّئَةِ وَالْأَرْضِ لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ) کا معنی یہ ہے کہ ایمان؛ اعمالِ حسنہ کے اعتبار سے بڑھتا ہے یہاں تک کہ اعمالِ صالحہ کرنے والا شخص دخولِ اولی کے اعتبار سے جنت میں داخل ہو گا اور ایمان؛ اعمالِ سیئہ کرنے سے کم ہوتا ہے یہاں تک کہ گناہ کرنے والا شخص پہلے تو آگ میں داخل ہو گا پھر آخر کار اپنے ایمان کی وجہ سے جنت میں جائے گا جیسا کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے۔

فائدہ نمبر 1:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نفسِ ایمان میں کمی زیادتی کے قائل نہیں البتہ کمالِ ایمان میں کمی زیادتی کے قائل ہیں۔ اس کی تصریح خود آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک رسالہ میں کی ہے جو عثمان البتی کی طرف لکھا تھا۔

آپ اس رسالہ میں لکھتے ہیں:

الْمُضَيِّعُ لِلْعَمَلِ لَمْ يَكُنْ مُضَيِّعاً لِلْإِيمَانِ ... أَوْ لَسْتَ تَقُولُ: مُؤْمِنٌ ظَالِمٌ  
وَمُؤْمِنٌ مُذْنِبٌ وَمُؤْمِنٌ مُخْطِئٌ وَمُؤْمِنٌ عَاصٍ وَمُؤْمِنٌ جَائِرٌ ... وَمَنْ أَصَابَ  
الْإِيمَانَ وَضَيَّعَ شَيْئاً مِنَ الْفَرَائِضِ كَانَ مُؤْمِناً مُذْنِباً

الرسالۃ الی عثمان البتی للامام ابی حنیفہ ص 38 بحوالہ التعلیق علی الرفع والتکمیل ص 365

ترجمہ: اعمال کو ضائع کرنے والا ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں ہوتا۔ کیا آپ یہ نہیں کہتے کہ مومن ظالم، مومن گنہگار، مومن خطاکار، مومن عاصی، مومن ستم کرنے والا۔ اس لیے جو شخص ایمان لائے اور فرائض میں سے کچھ ضائع کر دے تو یہ مومن گنہگار ہو گا۔

فائدہ نمبر 2:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے، اعمال ظاہر نفس ایمان کے اجزاء نہیں البتہ مکمل ایمان ضرور ہیں۔ محدثین حضرات کا ایمان کے بارے میں موقف یہ ہے کہ اعمال؛ ایمان کا جزء ہیں لیکن اگر کوئی شخص ترک اعمال کا مرتکب ہوتا ہے تو محدثین کے نزدیک یہ شخص ایمان سے خارج نہیں ہوتا مگر یہ نزاع حقیقی نہیں بلکہ لفظی ہے اور محض تعبیر کا اختلاف ہے۔ امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری (ت 1352ھ) فرماتے ہیں:

فَأَكْثَرُ الْمُحَدِّثِينَ إِلَى أَنَّ الْإِيمَانَ مُرَكَّبٌ مِنَ الْأَعْمَالِ وَإِمَامُنَا الْأَعْظَمُ رَحِمَهُ  
اللَّهُ تَعَالَى وَأَكْثَرُ الْفُقَهَاءِ وَالْمُتَكَلِّمِينَ إِلَى أَنَّ الْأَعْمَالَ غَيْرُ دَاخِلٍ فِي الْإِيمَانِ مَعَ  
اتِّفَاقِهِمْ عَلَى أَنَّ فَاقِدَ التَّصَدِيقِ كَافِرٌ، وَفَاقِدَ الْعَمَلِ فَاسِقٌ، فَلَمْ يَبْقَ الْخِلَافُ  
إِلَّا فِي التَّعْبِيرِ.

فیض الباری شرح صحیح البخاری: ج 1 ص 54

ترجمہ: اکثر محدثین کا موقف یہ ہے کہ ایمان؛ اعمال سے مرکب ہے۔ ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر فقہاء و متکلمین کا موقف یہ ہے کہ اعمال؛ ایمان میں داخل نہیں۔ فریقین کے اس موقف کے باوجود دونوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص تصدیق کا حامل نہ ہو وہ کافر ہے اور جو عمل کا حامل نہ ہو وہ فاسق ہے۔ لہذا فریقین کے درمیان یہ اختلاف محض تعبیر کا اختلاف ہے۔

شیخ عبدالفتاح ابو غندہ (ت 1417ھ) علامہ ظفر احمد عثمانی (ت 1394ھ) کی عبارت ”وَيُشْهِدُ لَهَا ذِكْرُ نَاكَ“ پر تعلیق لکھتے ہیں:

أَيُّ مَنْ أَنَّ إِطْلَاقَ الْإِجْمَاعِ مِنَ الْمُحَدِّثِينَ عَلَى مَنْ لَا يَقُولُ بِزِيَادَةِ الْإِيْمَانِ وَنَقْصَانِهِ وَلَا يَقُولُ بِدُخُولِ الْعَمَلِ فِي حَقِيقَةِ الْإِيْمَانِ وَأَنَّ ذَلِكَ الْقَوْلُ مِنْهُمْ لَيْسَ بِطَعْنٍ فِي الْحَقِيقَةِ إِذْ أَنَّ الْخِلَافَ لَفْظِيٌّ.

التعلیق علی قواعد فی علوم الحدیث: ص 239

ترجمہ: علامہ عثمانی اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ محدثین کی جانب سے ارجاء کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو ایمان میں کمی زیادتی کا قائل نہ ہو اور نہ ہی اعمال کو ایمان کی حقیقت میں داخل مانتا ہو۔ محدثین کی جانب سے یہ اطلاق طعن نہیں ہے کیونکہ (محدثین کے موقف اور اس ارجاء کا) یہ اختلاف؛ اختلاف لفظی ہے۔

قَوْلُهُ: وَالْمُؤْمِنُونَ مُسْتَوُونَ فِي الْإِيْمَانِ وَالتَّوْحِيدِ مُتَّفَاعِلُونَ فِي الْأَعْمَالِ.

ترجمہ: تمام مومنین ایمان اور توحید میں تو برابر ہیں البتہ اعمال میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔

ایمان اور توحید میں برابر ہونے سے مراد ”ایمانیات“ میں مساوی ہونا ہے یعنی جن چیزوں پر ایمان لانا ہے اس میں تمام مومنین برابر ہیں۔ ایسا نہیں کہ بعض چیزوں پر کچھ مومنین کا ایمان لانا ضروری ہو اور بعض کا ضروری نہ ہو۔ جب ایمان لانے کا مکلف

ٹھہرایا جائے تو اس میں انبیاء علیہم السلام اور امت سب شریک ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلَكَاتِهِ وَ  
كُتُبِهِ وَرُسُلِهِ ۖ

سورة البقرة: 285

ترجمہ: رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ان چیزوں پر ایمان لائے ہیں جو ان پر ان کے رب کی جانب سے نازل کی گئی ہیں اور مؤمنین بھی ایمان لائے ہیں۔ سب کے سب اللہ پر، اللہ کے فرشتوں پر، اللہ کی کتابوں پر اور اللہ کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔

اس آیت سے واضح ہے کہ مُرْسَل من اللہ امور پر رسول بھی ایمان لاتے ہیں اور مؤمنین بھی ایمان لاتے ہیں۔ ہاں البتہ کیفیت میں اختلاف ضرور ہے۔

مؤمنین کا اعمال کے اعتبار سے باہم متفاوت ہونا بھی مسلم ہے۔ اعمال کی بنیاد معرفت اور اخلاص پر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور عبادت میں اخلاص سب سے زیادہ انبیاء و رسل علیہم السلام کو حاصل ہوتا ہے، اس لیے انبیاء علیہم السلام کی عبادت کا مقام تمام امت کی عبادت سے زیادہ ہوتا ہے اس کے بعد درجہ بدرجہ امت کے افراد کی اعمال کے اعتبار سے ایک دوسرے پر فضیلت ہوتی ہے۔

اشکال:

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے کہ ایمان نہ بڑھتا ہے، نہ کم ہوتا ہے حالانکہ قرآن کریم کی آیات اور روایات سے ایمان میں کمی زیادتی ثابت ہوتی ہے۔  
مثلاً

1: فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَأَزَادْتَهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ

ترجمہ: جو لوگ ایمان والے ہیں یہ (آیات) ان کا ایمان بڑھاتی ہیں اور اہل ایمان (ان کے نزول پر) خوش ہوتے ہیں۔

2: وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَيَقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيُزَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا

سورۃ المدثر: 31

ترجمہ: ہم نے جہنم کے داروغے فرشتوں کو مقرر کیا ہے اور ہم نے ان کی تعداد کافروں کی آزمائش ہی کے لیے بنائی ہے تاکہ اہل کتاب اچھی طرح یقین کر لیں اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے ایمان میں اضافہ ہو جائے۔

3: امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت 458ھ) نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: "اجْلِسُوا بِنَا نَزِدْ إِيمَانًا"

شعب الایمان للبیہقی: ج 1 ص 73 رقم الحدیث 45

ترجمہ: حضرت علقمہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہمیں فرمایا: آؤ! ہمارے ساتھ بیٹھو تاکہ ہم ایمان میں اضافہ کریں۔

جواب:

امام صاحب کے موقف کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کی کمیت یعنی ایمانیات میں کمی زیادتی نہیں ہوتی اور قرآن کریم اور بعض روایات سے جو زیادتی ثابت ہو رہی ہے اس سے ایمان کی کیفیت میں زیادتی ہونا مراد ہے۔

اشکال:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا

سورة البقرة: 137

ترجمہ: اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لائیں جس طرح آپ (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم) ایمان لائے ہیں تو یہ لوگ ہدایت یاب ہو جائیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسا ایمان لانا بعد کے لوگوں کے بس میں نہیں۔ اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صحبت نبوت حاصل تھی۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پردہ فرما گئے اور قیامت تک کوئی نبی نبی بھی نہیں آئے گا۔ اس لیے اب صحبت نبوت ممکن نہیں۔ لہذا اب صحابہ جیسا ایمان تو ممکن نہیں۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان جیسا ایمان ہمارے اختیار میں ہی نہیں تو اس کا معنی یہ ہوا کہ اب ہمیں ہدایت بھی نہیں مل سکتی۔ یہ تو تکلیف مالا یطاق ہے یعنی انسان کو ایسی چیز کا مکلف بنایا جا رہا ہے جو اس کے اختیار میں نہیں ہے۔

جواب:

مثل کی دو قسمیں ہیں: مثل بالکیف اور مثل بالکم۔

مثل بالکیف:

ایک چیز کیفیت میں دوسری چیز کے برابر ہو۔ مثلاً خون کا سرخ ہونا کیفیت میں پھول کی سرخی کی مثل ہے۔ دھوپ کی گرمائش کیفیت میں آگ کی گرمائش کی مثل ہے۔

مثل بالکم:

ایک چیز مقدار میں دوسری چیز کے برابر ہو۔ مثلاً ایک لٹر دودھ مقدار میں

ایک لٹریٹورل کی مثل ہوتا ہے۔ ایک کلو گھی مقدار میں ایک کلو گندم کی مثل ہوتا ہے۔ ایک درجن گائے مقدار میں ایک درجن بکریوں کی مثل ہیں۔

معتز کے ذہن میں مثل سے مراد مثل بالکیف ہے اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان جیسا ایمان لانے کو محال سمجھ رہا ہے جبکہ قرآن کریم میں مثل سے مراد مثل بالکیف نہیں بلکہ مثل بالکم ہے اور مراد ایمانیات ہیں۔ اب آیت کا معنی یہ ہو گا کہ اگر تمہاری ایمانی کمیت صحابہ کی ایمانی کمیت جیسی ہو یعنی جن جن چیزوں پر صحابہ کرام ایمان لائے ہیں ان چیزوں پر تم ایمان لاؤ گے تو ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے اور اگر ان میں سے ایک چیز بھی چھوڑ دو گے تو تمہارا ایمان قبول نہیں ہو گا۔ اب اس معنی پر کوئی اشکال نہیں۔

فائدہ:

قرآن کریم میں مثل بالکم کی یہ مثال موجود ہے:

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِيَتْلَمَّزُوا اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا

سورة الطلاق: 12

ترجمہ: اللہ وہی ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہی کی مانند سات زمین بھی بنائیں، ان کے درمیان اللہ کا حکم نازل ہوتا ہے (یہ بیان اس لیے کیا جا رہا ہے) تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم تمام چیزوں کو محیط ہے۔



## اسلام اور ایمان میں مناسبت

وَالْإِسْلَامُ هُوَ التَّسْلِيمُ وَالْإِنْقِيَادُ لِأَمْرِ اللَّهِ تَعَالَى فَمِنْ طَرِيقِ اللُّغَةِ فَرَّقُ  
بَيْنَ الْإِسْلَامِ وَالْإِيمَانِ وَلَكِنْ لَا يَكُونُ إِيْمَانٌ بِلَا إِسْلَامٍ وَلَا يُوجَدُ إِسْلَامٌ  
بِلَا إِيْمَانٍ وَهُمَا كَالظَّهْرِ مَعَ الْبَطْنِ

ترجمہ: اسلام؛ اللہ تعالیٰ کے اوامر کو تسلیم کرنے اور ان کی اطاعت کرنے کا نام ہے۔  
لغوی اعتبار سے تو اسلام اور ایمان میں فرق ہے لیکن ایمان؛ اسلام کے بغیر اور  
اسلام؛ ایمان کے بغیر نہیں پایا جاسکتا۔ ان کا آپس میں تعلق ایسے ہے جیسے پیٹھ اور  
پیٹ کا تعلق ہے (کہ ایک کا وجود دوسرے کے بغیر ممکن نہیں ہے)۔

”اسلام“ کا لغوی معنی ”تسلیم اور اطاعت کرنا“ ہے جبکہ ”ایمان“ کا لغوی  
معنی ”تصدیق“ ہے۔ لغوی اعتبار سے دونوں میں فرق ہے۔ تصدیق کا محل ”دل“ ہے  
جس کی ترجمان زبان ہے جبکہ تسلیم اور اطاعت کا مفہوم عام ہے، یہ دل، زبان اور  
اعضاء و جوارح تینوں سے ممکن ہے۔

## اسلام اور ایمان میں لغوی فرق:

اسلام اور ایمان میں لغت کے اعتبار سے فرق ہے۔ اس فرق پر کئی دلائل  
موجود ہیں۔

قرآن کریم میں ہے:

[1]: قَالَتِ الْأَعْرَابُ أَمْنًا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا  
يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ

ترجمہ: دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ (تم ایمان ہرگز نہیں لائے ہو، ہاں) تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم نے تسلیم کر لیا ہے، ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔

یہاں دیہاتی لوگوں کا اقرار باللسان یعنی اسلام تو موجود ہے لیکن ایمان یعنی تصدیق قلبی موجود نہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

[2]: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى عَلَى الْجَنَازَةِ، قَالَ: "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَمِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا وَذُكْرِنَا وَأُنْثَانَا. اللَّهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ."

سنن الترمذی: رقم الحدیث 1024

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز جنازہ پڑھتے تو یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! ہمارے زندوں اور مردوں کو بخش دے، ہمارے حاضر اور غائب کو بخش دے، ہمارے چھوٹوں اور بڑوں کو بخش دے، ہمارے مردوں اور عورتوں کو بخش دے۔ اے اللہ! ہم میں سے جس کو زندہ رکھے تو اسلام پر زندہ رکھ اور جسے موت دے تو ایمان کی حالت میں موت دے۔ تو ایمان اور اسلام میں لغوی اعتبار سے تو فرق ہے لیکن حقیقت میں ایک ہیں۔ کیونکہ ”ایمان“ کا معنی ہے دل سے ماننا اور ”اسلام“ کا معنی ہے دل و جان سے سر تسلیم خم کرنا۔ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔

اشکال:

ایمان تو بغیر اسلام کے ہو سکتا ہے جیسے فاسق شخص ہے۔ کیونکہ ایمان

تصدیق قلبی کا نام ہے اور اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے۔ اس شخص کو تصدیق قلبی تو حاصل ہے لیکن اعمال صالحہ حاصل نہیں۔ جبکہ امام صاحب فرما رہے ہیں ”لَا يَكُونُ إِيمَانًا بِلَا إِسْلَامٍ“

جواب:

اس سے مراد یہ ہے کہ کامل ایمان بغیر اسلام کے نہیں ہو سکتا۔ جس طرح ان احادیث مبارکہ میں ہے:

1: عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 15

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے محبوب نہ ہو جاؤں۔

2: عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 13

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہ چیز پسند نہ کر لے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

## لفظ ”دین“ کا اطلاق

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَالْإِسْلَامَ وَالشَّرَائِعَ كُلَّهَا

ترجمہ: ”دین“ ایسا لفظ ہے جو ایمان، اسلام اور تمام احکام شرعیہ پر صادق آتا ہے۔

### لفظ دین کی جامعیت:

”دین“ ایک جامع لفظ ہے۔ جب لفظ ”دین“ بولا جاتا ہے تو اس سے یہ تینوں

چیزیں مراد ہوتی ہیں:

1: ایمان... یعنی تصدیق

2: اسلام... یعنی تسلیم و رضا

3: شرائع... یعنی شریعت کاملہ

### دلائل:

یہ بات اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات سے ثابت ہوتی ہے:

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

سورۃ آل عمران: 19

ترجمہ: بے شک اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہی ہے۔

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ

سورۃ آل عمران: 85

ترجمہ: جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا تو وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا اور یہ شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں شمار ہوگا۔

## فائدہ نمبر 1:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت ”وَالَّذِينَ اسْتَمُوا عَلَى الْإِيمَانِ وَالْإِسْلَامِ وَالشَّرَائِعِ كُلِّهَا“ میں ”كُلِّهَا“ کا تعلق صرف ”الشَّرَائِعِ“ کے ساتھ نہیں بلکہ ما قبل میں مذکور تمام چیزوں کے ساتھ ہے۔ یعنی دل سے قبول کرنے کا نام ”ایمان“ ہے، دل و جان سے تسلیم کرنے کا نام ”اسلام“ ہے اور عقائد و اعمال کے مجموعے کا نام ”شریعت“ ہے اور ان تینوں پر لفظ ”دین“ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

## فائدہ نمبر 2:

دین اسلام ہی برحق دین ہے، اس کے علاوہ کوئی دین قبول نہیں کیا جائے گا۔ آج یہودی اور عیسائی اپنے اپنے دین کی دعوت دیتے ہیں اور اسے برحق سمجھتے ہیں جبکہ ہم مسلمان دین اسلام کی دعوت دیتے ہیں جو یقیناً برحق ہے۔ کسی بھی دین کی دوسرے ادیان پر ترجیح اور فوقیت ثابت کرنے کے لیے چار باتوں کو دیکھا جائے گا۔ جو دین ان چار باتوں پر پورا اترے تو وہی قابل قبول اور سب کے لیے لائق عمل ہو گا اور اسی کی دعوت دینا بھی درست ہو گا۔ وہ چار باتیں یہ ہیں:

## دین کی فوقیت اور ترجیح کی چار شرائط:

(1): اس دین کے نبی کا اعلان ہو کہ میں سب کا نبی ہوں، اس لیے میرا کلمہ پڑھو! اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کا کلمہ نجات کے لیے پڑھا جاتا ہے۔ اگر بروز قیامت اعمال میں کوتاہی کی وجہ سے عذاب جہنم کا خدشہ ہو تو شفاعت وہی نبی کرے گا جس کے کہنے پر انسان نے کلمہ پڑھا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ انسان شفاعت کی امید رکھے اور وہ نبی کہے کہ میں نے تو تمہارے لیے نبوت کا اعلان ہی نہیں کیا تھا بلکہ میری نبوت کا دائرہ تو محدود تھا۔

یہود و نصاریٰ کے نبی کا دائرہ محدود تھا جو خاص قوم اور مخصوص علاقوں پر مشتمل تھا لیکن ہمارے پیغمبر کا دائرہ نبوت محدود نہیں بلکہ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام لوگوں کے لیے عام ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان ہے کہ میں سب کا نبی ہوں۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا

سورۃ الاعراف: 158

ترجمہ: (اے پیغمبر) کہہ دیجیے! اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ؛ أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِي النَّبِيُّونَ."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 1195

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے چھ اعزازات دے کر دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی: (۱) مجھے جوامع الکلم دیے گئے (۲) رعب عطا فرما کے میری مدد کی گئی (۳) مال غنیمت کو میرے لیے حلال کیا گیا (۴) پوری زمین کو میرے لیے ”طہور“ یعنی پاک کرنے کا ذریعہ بنادیا گیا (۵) پوری زمین کو میرے لیے سجدہ گاہ بنادیا گیا اور (۶) مجھے پوری مخلوق کا نبی بنادیا گیا۔ ان تمام اعزازات کی وجہ یہ ہے کہ مجھے آخری نبی بنایا گیا ہے۔

اس حدیث مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک اعزاز ”پوری

مخلوق کا نبی“ ہونا ارشاد فرمایا ہے۔

(2): اس نبی کا اعلان ہو کہ میں آخری نبی ہوں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ ایک نبی کا کلمہ پڑھ لیں اور دوسرا نبی آجائے تو اب لا محالہ دوسرے نبی کا کلمہ پڑھنا پڑے گا۔ تو جب تک وہ نبی آخری نہ ہو یہ خدشہ بہر حال رہے گا کہ اس نبی کی تعلیمات منسوخ ہوتی ہیں یا باقی رہتی ہیں! اس لیے آج کے دور میں اس نبی کو دیکھیں جو آخری ہو تاکہ یہ خدشہ ہی ختم ہو جائے اور ایسا نبی صرف ہمارے نبی پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا

الاحزاب: 40

ترجمہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔

عَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِينَ، وَحَتَّى يَعْبُدُوا الْأَوْثَانَ، وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يُزْعَمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي."

سنن الترمذی: رقم الحدیث 2219

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ میری امت کے کچھ لوگ مشرکین سے نہ جا ملیں اور بتوں کی پرستش نہ شروع کریں۔ میرے بعد تیس جھوٹے لوگ آئیں گے جن میں سے ہر ایک کا یہی دعویٰ ہو گا کہ وہ اللہ کا نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہو گا۔

(3): اس نبی کی نبوت پر دلیل آج بھی موجود ہو۔

اس کی وجہ یہ ہے کسی نبی کو ماننے کے لیے دلیل چاہیے تاکہ ثابت ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ جس نبی کی نبوت پر دلیل آج بھی موجود ہے وہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دلیل نبوت قرآن مجید ہے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ ۚ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ

سورة البقرة: 23

ترجمہ: اگر تم اس قرآن کے بارے میں ذرا بھی شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی کوئی ایک سورت بنا لاؤ اور اگر سچے ہو تو اللہ کے سوا اپنے سارے مددگار بلاؤ۔

جب امت قرآن مجید کی مثل لانے سے عاجز ہے تو یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور نبی کی سچائی پر دلیل ہے۔ کیونکہ ضابطہ ہے کہ جس چیز کی مثل انسان نہ بنا سکیں تو وہ چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔

(4): اس نبی کی تعلیمات آج بھی موجود ہوں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی پر ایمان لایا جاتا ہے تاکہ نبی کی لائی ہوئی شریعت پر نبی کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق عمل کر سکیں۔ جب نبی کی لائی ہوئی تعلیمات اور ان کے مطابق اس نبی کا طریقہ ہی موجود نہ ہو تو اس نبی کا کلمہ پڑھنے والا شخص عمل کیسے کرے گا؟ اور آج اگر کسی نبی کی تعلیمات ہیں تو وہ صرف ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ان چار باتوں سے معلوم ہوا کہ آج دین اسلام ہی برحق دین ہے۔



## معرفت و عبادتِ باری تعالیٰ

نَعْرِفُ اللَّهَ تَعَالَى حَقَّ مَعْرِفَتِهِ كَمَا وَصَفَ نَفْسَهُ فِي كِتَابِهِ بِجَمِيعِ صِفَاتِهِ  
وَلَيْسَ يَقْدِرُ أَحَدٌ أَنْ يَعْبُدَ اللَّهَ حَقَّ عِبَادَتِهِ كَمَا هُوَ أَهْلٌ لَهُ وَلَكِنَّهُ يَعْبُدُهُ  
بِأَمْرِهِ كَمَا أَمَرَهُ بِكِتَابِهِ وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ.

ترجمہ: ہم اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہیں جیسا کہ اسے پہچاننا چاہیے (اور پہچانتے بھی بالکل  
اسی طرح ہیں) جس طرح اس نے اپنی کتاب (قرآن کریم) میں اپنی ذات کو تمام  
ترصفات کے ساتھ بیان فرمایا ہے لیکن کوئی بھی شخص ٹھیک اسی طرح سے اللہ  
تعالیٰ کی عبادت نہیں کر سکتا جس طرح کی عبادت اس کی شان کے لائق ہے البتہ  
انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس طرح کرتا ہے جس طرح اللہ  
تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے  
ذریعے بیان فرمایا ہے۔

قَوْلُهُ: نَعْرِفُ اللَّهَ تَعَالَى حَقَّ مَعْرِفَتِهِ كَمَا وَصَفَ نَفْسَهُ فِي كِتَابِهِ بِجَمِيعِ صِفَاتِهِ.  
ترجمہ: ہم اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہیں جیسا کہ اسے پہچاننا چاہیے (اور پہچانتے بھی بالکل  
اسی طرح ہیں) جس طرح اس نے اپنی کتاب (قرآن کریم) میں اپنی ذات کو تمام تر  
صفات کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو ٹھیک اسی  
طرح جانے اور ماننے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو صفات کے ساتھ قرآن مجید  
میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات دو قسم کی ہیں۔ بعض صفات ثبوتیہ ہیں اور بعض  
سلبیہ۔

## صفاتِ ثبوتیہ:

إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

سورة البقرة: 20

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

سورة البقرة: 224

ترجمہ: اللہ سنے والا اور جاننے والا ہے۔

هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ

سورة البقرة: 255

ترجمہ: وہ (اللہ) زندہ اور تھامنے والا ہے۔

## بعض صفاتِ سلبیہ:

لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ

سورة البقرة: 255

ترجمہ: اسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند۔

وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ

سورة آل عمران: 182

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا

سورة مریم: 64

ترجمہ: اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔

تو صحیح معرفت یہی ہے کہ جو صفات ثبوتیہ ہیں اللہ تعالیٰ کو ان کے ساتھ

متصف مانا جائے اور جو صفات سلبیہ ہیں ان کی اللہ تعالیٰ کی ذات سے نفی کی جائے۔  
بالفاظ دیگر کمالات کو ثابت مانا جائے اور نقائص ہیں ان کی نفی کی جائے۔

سوال: علامہ محمد عبد الرؤف بن تاج العارفین ابن علی مناوی القاہری  
(ت 1031ھ) لکھتے ہیں:

وَفِي الْخَبَرِ سُبْحَانَكَ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ.

فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للمناوی: ج 2 ص 520 تحت رقم الحدیث 2170

ترجمہ: "بعض آثار میں یہ مقولہ منقول ہے کہ اے اللہ! ہم آپ کو اس طرح نہیں  
پہچان سکتے جس طرح آپ کے پہچاننے کا حق ہے۔" جبکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرما  
رہے ہیں کہ "نَعْرِفُ اللَّهَ تَعَالَى حَقَّ مَعْرِفَتِهِ" کہ ہم اللہ تعالیٰ کو اسی طرح پہچانتے  
ہیں جیسا کہ اسے پہچانا چاہیے۔ دونوں میں بظاہر تضاد ہے۔

جواب: دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔ اس لیے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مراد یہ  
ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنی ذات کو صفات سے متصف فرما کر بیان فرمایا ہے ہم  
بھی اسے ان صفات کے ساتھ متصف مانتے ہیں، نہ ان صفات کا حتمی معنی بیان کرتے  
ہیں کیونکہ ہمارا علم ناقص ہے، نہ ان میں تشبیہ کے قائل ہیں، نہ ہی تعطیل کے۔ بعض  
عارفین کے قول کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی حقیقت کا ادراک  
مخلوق کے بس میں نہیں ہے اور یہ بات اپنی جگہ درست ہے۔ اس لیے دونوں میں کوئی  
تضاد نہیں ہے۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الہروی الحنفی (ت 1014ھ) لکھتے ہیں:

أَمَّا قَوْلُ مَنْ قَالَ: "مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ"، فَمَبْنِيٌّ عَلَى أَنَّ إِدْرَاكَ الذَّاتِ  
وَالْإِحَاطَةَ بِكُنْهِ الصِّفَاتِ لَيْسَ فِي قُدْرَةِ الْمَخْلُوقَاتِ.

ترجمہ: بعض لوگوں کا جو قول ہے ”اے اللہ! ہم آپ کو اس طرح نہیں پہچان سکتے جس طرح آپ کے پہچاننے کا حق ہے“ تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی حقیقت کا احاطہ کرنا مخلوق کے اختیار میں نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: وَلَيْسَ يَقْدِرُ أَحَدٌ أَنْ يَعْبُدَ اللَّهَ حَقَّ عِبَادَتِهِ كَمَا هُوَ أَهْلٌ لَهُ وَلَكِنَّهُ يَعْبُدُهُ بِأَمْرِهِ كَمَا أَمَرَ بِكِتَابِهِ وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ.

ترجمہ: کوئی بھی شخص ٹھیک اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کر سکتا جس طرح کی عبادت اس کی شان کے لائق ہے البتہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس طرح کرتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ذریعے بیان فرمایا ہے۔

”عبادت“ دراصل اللہ تعالیٰ کی ایسی تعظیم و تکریم کرنے کا نام ہے جو اس کی شان و شوکت، عظمت اور کبریائی کے لائق ہو۔ اللہ تعالیٰ کی شان، عظمت اور کبریائی کی کوئی انتہا نہیں اس لیے بندے کے بس میں ہی نہیں کہ وہ ایسی عبادت سرانجام دے سکے جو اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تکریم کا حق ادا کرے۔

امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری (ت 261ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: فَقَدْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِنَ الْفَرَاشِ فَالْتَمَسْتُهُ فَوَقَعَتْ يَدِي عَلَى بَطْنٍ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوبَتَانِ وَهُوَ يَقُولُ: "اَللّٰهُمَّ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَمِنْ مُعَاَفَاتِكَ مِنْ عِقُوْبَتِكَ وَاعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اُثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 486

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہ پایا تو میں آپ کو ڈھونڈنے لگی۔ تو (ڈھونڈتے

ہوئے) میرا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک پر لگا، آپ اس وقت مسجد میں موجود تھے۔ آپ نے اپنے پاؤں مبارک [حالتِ سجدہ میں] کھڑے کیے ہوئے تھے اور یہ دعا فرما رہے تھے: اے اللہ! میں تیرے غصہ سے تیری خوشی کی پناہ میں آتا ہوں، تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں اور میں تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور میں تیری حمد و ثنا ایسی نہیں کر سکتا جیسی تو نے خود اپنی حمد و ثنا بیان کی ہے۔

اسی طرح امام محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَنْ يَدْخُلَ أَحَدًا عَمَلُهُ الْجَنَّةَ." قَالُوا: وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: "لَا وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللَّهُ بِفَضْلٍ وَرَحْمَةٍ."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 5673

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کسی شخص کو محض اس کے اعمالِ جنت میں نہیں لے جا سکتے! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ بھی؟ (یعنی آپ بھی محض اپنے اعمال کی بدولت جنت میں نہ جائیں گے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: نہیں! میں بھی نہیں، ہاں اگر اللہ اپنا فضل و کرم فرمادے تو الگ بات ہے۔

فائدہ: محض اعمال کے پیشِ نظر نجات نہ ملنا اس بات کی دلیل ہے کہ اعمالِ انسانی بساط کے مطابق سرانجام دیے جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ اسی وجہ سے تو نجات کے لیے اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کی ضرورت پڑتی ہے۔ باقی انسان عبادت اس لیے کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو اس نے قرآن مجید میں اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے امت کو دیا ہے، اس حکم کی تعمیل میں انسان خدا کی عبادت کرتا ہے۔

## مؤمنین کے ایمان میں یکسانیت کا بیان

وَيَسْتَوِي الْمُؤْمِنُونَ كُلُّهُمْ فِي الْمَعْرِفَةِ وَالْيَقِينِ وَالتَّوَكُّلِ وَالْمَحَبَّةِ وَالرِّضَاءِ  
وَالْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ وَالْإِيمَانِ فِي ذَلِكَ وَيَتَفَاءَتُونَ فِيهَا مُحَدِّثُونَ الْإِيمَانِ فِي ذَلِكَ كُلِّهِ.

ترجمہ: تمام مؤمنین اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس پر یقین و توکل، اس کی محبت و رضا مندی، اس سے ڈرنے اور پُر امید ہونے اور ان تمام امور پر ایمان لانے میں برابر ہیں البتہ ایمان کے علاوہ باقی امور میں (مختلف اعتبارات سے) ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے مؤمنین کا تعلق مختلف جہات سے ہے۔ ان میں معرفت و یقین، توکل، محبت، رضامندی، خوف، امید اور ان امور پر ایمان لانا شامل ہیں۔ ان امور میں کمیت کے اعتبار سے تو مؤمنین برابر ہیں البتہ کیفیات میں باہمی تفاوت موجود ہے۔ بعض مؤمنین کا ملین کو اللہ تعالیٰ کی معرفت و یقین اعلیٰ درجہ کی حاصل ہوگی اور بعض افراد کو یہ معرفت ادنیٰ درجہ کی حاصل ہوگی۔ بعض افراد کا اللہ تعالیٰ پر توکل اعلیٰ درجہ کا ہوگا اور بعض کا کم درجہ کا، یہی حال دیگر امور کا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان امور میں کمیت کے اعتبار سے تو برابری ہے لیکن کیفیات کے اعتبار سے کمی بیشی ہے۔ اس پر کچھ گفتگو ما قبل میں ہو چکی ہے۔

فائدہ: متن میں مذکورہ امور (معرفت و یقین، توکل، محبت، رضامندی، خوف، امید) کی دو قسمیں ہیں: عقلی اور طبعی۔ شریعت میں یہ امور عقلی درجہ میں مطلوب ہیں نہ کہ طبعی درجہ میں کیونکہ بسا اوقات انسان پر یہ امور طبعی درجے میں غالب آجاتے ہیں لیکن جب طبیعت اور عقل کا تقابل ہوتا ہے تو انسان عقل کو ترجیح دیتا ہے۔ اس لیے مطلوب شریعت طبعی امور ہوئے۔

## فضل و عدلِ باری تعالیٰ

وَاللّٰهُ تَعَالٰی مُتَفَضِّلٌ عَلٰی عِبَادِهِ عَادِلٌ قَدْ يُعْطِي مِنَ الثَّوَابِ أَضْعَافَ مَا يَسْتَوْجِبُهُ الْعَبْدُ تَفَضُّلاً مِنْهُ وَقَدْ يُعَاقِبُ عَلَى الذَّنْبِ عَذَابًا مِنْهُ وَقَدْ يَغْفُو فَضْلاً مِنْهُ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر فضل و احسان کرنے والے اور ان کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کرنے والے ہیں۔ کبھی اپنا فضل و کرم فرماتے ہوئے بندے کو اس کے استحقاق سے کئی گنا زیادہ ثواب عطا فرماتے ہیں اور کبھی عدل کے پیشِ نظر اسے اس کے گناہ کی سزا دیتے ہیں اور کبھی تو اس کے گناہ کو فضل فرماتے ہوئے معاف بھی کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ساتھ کبھی فضل کا معاملہ فرماتے ہیں اور کبھی عدل کا۔ بندہ اپنے اعمال کے سبب ایک مخصوص اجر کا مستحق ہوتا ہے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس کے مقررہ اجر سے بھی زیادہ سے نوازتے ہیں۔ بندہ کبھی نافرمانی کرتے کرتے مخصوص سزا کا مستحق قرار پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس جرم کے بقدر سزا دیتے ہیں جو بقاضائے عدل ہے۔ اس کے جرم سے بڑھ کر اسے سزا نہیں دیتے۔ کبھی گناہ گار بندے پر بھی اپنے فضل و احسان کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے معاف بھی فرما دیتے ہیں۔

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللَّهُ يُضَعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

سورة البقرة: 261

ترجمہ: ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے

مال) کی مثال ایک دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں نکلیں، ہر بالی میں سودا نے ہوں، اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے بڑھاتا ہے۔ اللہ وسعت والے جاننے والے ہیں۔

وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ

سورۃ الشوری: 30

ترجمہ: تمہیں جو مصیبت بھی پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے سبب ہی پہنچتی ہے، اللہ تو تمہاری کئی خطاؤں سے درگزر فرماتا ہے۔

### شفاعتِ انبیاء علیہم السلام کا بیان

وَشَفَاعَةُ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ حَقٌّ وَشَفَاعَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُؤْمِنِينَ الْمُنْذِرِينَ وَلَا أَهْلَ الْكِبَائِرِ مِنْهُمْ الْمُسْتَوْجِبِينَ الْعِقَابِ حَقٌّ ثَابِتٌ.

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کا شفاعت کرنا برحق ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گناہگار مؤمنین اور کبار کا ارتکاب کر کے سزا کا مستحق قرار پانے والوں کی شفاعت کرنا بھی برحق ہے اور ثابت شدہ ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا اپنی اپنی امتوں کی شفاعت کرنا برحق ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کے گناہگاروں اور مرتکبین کبیرہ کی شفاعت کرنا بھی برحق ہے۔ شفاعت کا عقیدہ قرآن اور احادیث سے ثابت ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:



"مَنْ قَالَ حِينَ يَسْعُ الدَّاءَ اللَّهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةُ التَّامَّةُ وَالصَّلَاةُ الْقَائِمَةُ  
أَتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ حَلَّتْ لَهُ  
شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 614

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اذان سننے کے بعد یہ دعا پڑھی تو قیامت کے دن اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (دعا کا ترجمہ یہ ہے) اے اللہ! اے اس دعوتِ کاملہ اور اس کھڑی ہونے والی نماز کے رب! تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور انہیں اس مقام محمود پر پہنچا دے جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔“

فائدہ نمبر 1: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو شفاعت فرمائیں گے وہ آٹھ قسم کی ہے:

1: شفاعت کبریٰ: یہ تمام لوگوں کے لیے ہوگی۔ یہ شفاعت اس وقت ہوگی جب حساب کتاب کے انتظار کا ہیبت ناک منظر ہو گا اور لوگ بہت پریشان ہوں گے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفارش فرمائیں گے تو حساب کتاب شروع ہو جائے گا۔

2: حساب کتاب میں سہولت کیے جانے کی شفاعت۔

3: بلا حساب کتاب جنت میں داخلے کی شفاعت۔

4: بعض جنتیوں کے درجات کی بلندی کی شفاعت۔

5: جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں گے (یعنی اصحابِ اعراف) ان کے جنت میں داخلے کی شفاعت۔

6: جہنم میں داخل ہو جانے والے گناہگاروں کے لیے جہنم سے نکلنے اور جنت

میں داخلے کی شفاعت۔

7: جن کے متعلق جہنم کا فیصلہ ہو چکا ہو گا (لیکن ابھی تک جہنم میں داخل نہ ہوئے ہوں گے) ان کے لیے جنت میں داخلہ کی شفاعت۔

8: جو عذاب کے مستحق ہو چکے ان کے عذاب میں تخفیف کی شفاعت۔

فائدہ نمبر 2: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے علاوہ علماء، شہداء، حفاظ قرآن، نابالغ بچے، قرآن، روزہ وغیرہ بھی قیامت کے دن شفاعت کریں گے۔

✽ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ (ت 273ھ) روایت کرتے ہیں:  
عَنْ عُمَانَ بْنِ عَفَّانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:  
يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةٌ: الْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ.

سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث 4313

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے: انبیاء، علماء اور پھر شہداء۔

✽ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (ت 279ھ) روایت کرتے ہیں:  
عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:  
"مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَاسْتَظْهَرَ فَاحْلَلْ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ أَدْخَلَهُ اللَّهُ بِهِ الْجَنَّةَ وَشَفَعَهُ فِي عَشْرَةٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ".

سنن الترمذی: رقم الحدیث 2905

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قرآن مجید کو پڑھا اور اس کو حفظ کیا، اس کے حلال کو حلال جانا

اور اس کے حرام کو حرام جانا تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل فرمادیں گے اور اس کے گھرانے میں سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس (حافظ قرآن) کی سفارش کو قبول فرمائیں گے جن کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہوگی۔

✽ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (ت 279ھ) روایت کرتے ہیں:  
عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ كَانَ لَهُ فَرْطَانِ مِنْ أُمَّتِي أَدْخَلَهُ اللَّهُ بِهِمَا الْجَنَّةَ". فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: فَمَنْ كَانَ لَهُ فَرْطٌ مِنْ أُمَّتِكَ؟ قَالَ: "وَمَنْ كَانَ لَهُ فَرْطٌ يَأْمُرُ بِهَا!" قَالَتْ: فَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ فَرْطٌ مِنْ أُمَّتِكَ؟ قَالَ: "فَأَنَا فَرْطٌ أُمَّتِي لَنْ يُصَابُوا بِمِثْلِي".

سنن الترمذی: رقم الحدیث 1062

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: میری امت میں سے جس شخص کے دو پیش رو ہو گئے (یعنی دو بچے بچپن میں ہی فوت ہو گئے) تو اللہ تعالیٰ ان کی بدولت اس شخص کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ کی امت میں سے جس کا ایک پیش رو ہو تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے نیک بخت عورت! اس کو وہ ایک پیش رو ہی جنت میں لے جائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا: جس شخص کا کوئی پیش رو نہ ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا کوئی پیش رو نہیں ہو گا تو اس کا پیش رو میں ہوں گا کیونکہ میری امت کو میری جدائی سے بڑھ کر کوئی رنج اور صدمہ نہیں پہنچا۔

✽ امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل البغدادی (ت 241ھ) روایت کرتے ہیں:  
عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الصِّيَامُ

وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُولُ الصَّيَّامُ أَمْسَى رَبِّ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفَعْنِي فِيهِ وَيَقُولُ الْقُرْآنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفَعْنِي فِيهِ قَالَ: فَيُشَفَّعَانِ.

مسند احمد: ج 6 ص 188 رقم الحديث 6626

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزہ اور قرآن قیامت کے دن بندے کی سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا کہ اے رب! میں نے اس بندے کو دن کے وقت کھانے پینے اور خواہشات سے روکا ہے، اس لیے اس کے حق میں میری شفاعت کو قبول فرما، اور قرآن کہے گا کہ میں نے اسے رات کے وقت نیند سے روک رکھا، اس لیے اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی۔

## ترازو کے ذریعے اعمال کا وزن ہونا

وَوُزِنَ الْأَعْمَالُ بِالنِّيزَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَقٌّ

ترجمہ: قیامت کے دن اعمال کا ترازو کے وزن کیا جانا برحق ہے۔

فائدہ نمبر 1: ترازو کو ”میزان“ کہتے ہیں۔ قیامت کے دن وزن کا اعمال کیا جانا یقینی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَالْوِزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

سورۃ الاعراف: 8

ترجمہ: قیامت کے دن اعمال کا وزن ہونا برحق ہے۔ جن کے ترازو کے پلڑے

بھاری ہوں گے تو وہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

وَنَضْعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۚ وَإِنْ كَانَ  
مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۚ وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ

سورۃ الانبیاء: 47

ترجمہ: اور ہم قیامت کے دن ایسے ترازو قائم کریں گے جو سراپا انصاف ہوں گے۔ کسی پر کوئی ظلم نہیں ہو گا اور اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہو گا تو ہم اسے بھی سامنے لے آئیں گے اور حساب لینے کے لیے ہم کافی ہیں۔

فائدہ نمبر 2: میزان کی جمع ”موازين“ ہے۔ رائج قول کے مطابق اعمال کو تولنے کے لیے ایک ہی ترازو ہو گا لیکن وہ اتنا بڑا ہو گا کہ اس کے بڑے پن کو بیان کرنے کے لیے اسے جمع لاکر ”موازين“ بھی کہہ دیا جائے تو بھی درست ہے۔ گویا ایک ہی ترازو کو ”موازين“ کہنا عظمت اور بڑے پن کی وجہ سے ہے نہ کہ تعدد کی وجہ سے۔ حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت 852ھ) لکھتے ہیں:

وَالَّذِي يَتَرَجَّحُ أَنَّهُ مِيزَانٌ وَاحِدٌ.

فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج 13 ص 659 تحت رقم الحدیث 7563

ترجمہ: رائج یہی ہے کہ قیامت کے دن اعمال کو تولنے والا ترازو ایک ہی ہو گا۔

فائدہ نمبر 3: قیامت کے دن اعمال کو صرف گنا نہیں جائے گا بلکہ تولا بھی جائے گا۔ اس لیے اعمال کے وزن کی بنیاد حسن نیت ہو گی۔ جس شخص کے اعمال حسن نیت سے معمور ہوں گے اس کا میزان بھی بھاری ہو گا اور جس شخص کے اعمال ریا اور عجب کا شکار ہوں گے تو اس کا میزان ہلکا اور بے وزن ہو گا۔ اسی لیے قرآن کریم میں ہے:

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

سورۃ الملک: 2

ترجمہ: وہی ذات ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں جانچے کہ کس کے اعمال اچھے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے ”اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا“ نہیں فرمایا کہ کس کے اعمال زیادہ ہیں بلکہ ”اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا“ فرمایا کہ کس کے اعمال اچھے ہیں۔ حسنِ عمل؛ حسنِ نیت سے ہی معرضِ وجود میں آتا ہے۔ اس لیے اعمال سرانجام دیتے وقت حسنِ نیت کو بطورِ خاص ملحوظ رکھنا چاہیے۔

فائدہ نمبر 4: نبی کا عمل مقدار کے اعتبار سے بظاہر کم بھی ہو تب بھی وزن کے اعتبار سے امت کے تمام اعمال سے بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے کہ قیامت کے دن اعمال کو گنا نہیں جائے گا بلکہ ان کا وزن کیا جائے گا۔ وزن کی بنیاد تواضع، خشوع و خضوع، حسنِ نیت اور اخلاص پر ہوگی۔ تنہا پیغمبر کا عمل جس تواضع، خشوع و خضوع، حسنِ نیت اور اخلاص کے ساتھ ہوتا ہے پوری امت کے اعمال جمع ہو کر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

## حوض کوثر

وَحَوْضُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حَقٌّ

ترجمہ: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حوض (کوثر) برحق ہے۔

اس حوض سے مراد حوض کوثر ہے۔ ”کوثر“ جنت میں ایک نہر کا نام ہے۔ اس نہر سے دو پر نالے اس تالاب میں گرتے ہیں۔ اس حوض کی لمبائی ایک مہینے کی

مسافت کے برابر ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ اس حوض پر پانی پینے کے برتنوں کی تعداد ستاروں کی تعداد سے بھی زیادہ ہوگی۔ بدعتی آدمی وہاں سے پانی نہیں پی سکے گا۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا آيَةُ الْحَوْضِ؟  
قَالَ: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا نَبِيَّتُهُ أَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ نُجُومِ السَّمَاءِ وَكَوَاكِبِهَا  
أَلَا فِي اللَّيْلَةِ الْمُظْلِمَةِ الْمُصْحِيَةِ آيَةُ الْجَنَّةِ مَنْ شَرِبَ مِنْهَا لَمْ يَظْمَأْ آخِرَ مَا عَلَيْهِ  
يَسْخَبُ فِيهِ مِزَابَانِ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْ شَرِبَ مِنْهُ لَمْ يَظْمَأْ عَرَضُهُ مِثْلُ طُولِهِ مَا بَيْنَ  
عَمَّانَ إِلَى أَيْلَةَ مَاوَةَ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَأَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2300

ترجمہ: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! حوض کوثر کے برتنوں کی تعداد کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں مجھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، اس حوض کوثر کے برتنوں کی تعداد آسمان کے ستاروں اور سیاروں کی تعداد سے بھی زیادہ ہے اور ستارے بھی وہ ہوں جو ایسی کالی سیاہ رات میں ہوں جس میں بادل وغیرہ نہ ہو (یعنی گھٹا ٹوپ رات میں چونکہ ستارے زیادہ واضح نظر آتے ہیں تو برتنوں کی تعداد ان سے بھی زیادہ ہوگی) جو شخص اس حوض سے ایک بار پانی پی لے گا تو اسے کبھی پیاس نہیں ستائے گی۔ اس حوض میں جنت کے دو پرنا لے گرتے ہیں۔ جو شخص اس حوض سے پانی پی لے گا تو وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔ اس حوض کی لمبائی اس کی چوڑائی کے برابر ہے یعنی جتنا عَمَّان سے لے کر ایلہ تک کا درمیانی فاصلہ ہے۔ نیز اس حوض کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔

عُمان: اس شہر کے بارے میں علامہ یحییٰ بن شرف النووی (ت 676ھ) لکھتے ہیں:  
وَأَمَّا "عُمَانُ" فَبِفَتْحِ الْعَيْنِ وَتَشْدِيدِ الْمِيمِ، وَهِيَ بَلَدَةٌ بِالْبَلْقَاءِ مِنَ الشَّامِ.

شرح مسلم للنووی: ج 2 ص 251 تحت رقم الحدیث 2300

ترجمہ: عُمان؛ شام کے علاقہ ”بلقاء“ کا ایک شہر ہے۔

”آیلہ“: اس شہر کے بارے میں امام ابو القاسم عبد الکریم بن محمد الرافعی القزوینی (ت 623ھ) لکھتے ہیں:

وَأَيْلَةُ مَدِينَةٍ مِنْ يَلَادِ الشَّامِ عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ.

التدوین فی اخبار القزوین: ص 142

ترجمہ: ”آیلہ“ شام کے ساحلی علاقوں میں ایک شہر کا نام ہے۔

احادیث مبارکہ میں حوض کوثر کی لمبائی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف شہروں اور علاقوں کا نام لے کر فاصلہ بتایا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ فاصلہ اندازاً مراد ہے۔ عمومی طور پر فاصلہ آدھا ماہ، اس سے کچھ کم یا زیادہ مسافت پر مشتمل ہے۔ حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت 852ھ) لکھتے ہیں:

وَهَذِهِ الْمَسَافَاتُ مُتَقَارِبَةٌ وَكُلُّهَا تَرْجِعُ إِلَى نَحْوِ نِصْفِ شَهْرٍ أَوْ تَزِيدُ عَلَى ذَلِكَ قَلِيلًا أَوْ تَنْقُصُ.

فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج 11 ص 471 تحت رقم الحدیث 6208

ترجمہ: احادیث میں بیان کیے گئے یہ فاصلے ایک دوسرے سے قریب قریب ہیں اور یہ آدھا ماہ، اس سے کم یا کچھ زیادہ مسافت پر مشتمل ہیں۔

✽ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَنَا فَرَطُكُمْ



عَلَى الْحَوْضِ وَلَيْزَ فَعَنَ مَعِيَ رَجُلًا مِنْكُمْ ثُمَّ لِيُخْتَلَجَنَّ دُونِي فَأَقُولُ يَا رَبِّ!  
أَصْحَابِي فَيَقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحَدَتْهُوَ أَبْعَدَكَ".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 6576

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں حوض کوثر پر تمہارا منتظر رہوں گا۔ کچھ لوگ میرے سامنے لائے جائیں گے پھر انہیں مجھ سے دور کر دیا جائے گا تو میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ تو میری امت کے لوگ ہیں۔ تو مجھ سے کہا جائے گا کہ آپ کو پتہ نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیادعات گھڑی تھیں۔

اس لیے انسان کو چاہیے کہ سنت پر عمل پیرا رہے اور بدعات سے اجتناب کرتا رہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کوثر سے سیراب ہونے کا شرف حاصل ہو سکے۔

## قصاص برحق ہے

وَالْقِصَاصُ قِيَمًا بَيْنَ الْخُصُومِ بِالْحَسَنَاتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَقٌّ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمُ الْحَسَنَاتُ فَكُفْرُ السَّيِّئَاتِ عَلَيْهِمْ حَقٌّ جَائِزٌ.

ترجمہ: دنیا میں جھگڑا کرنے والوں کا قیامت کے دن فیصلہ کرتے وقت نیکیوں کے ذریعے (ظالم کے ظلم کا) بدلہ چکایا جانا برحق ہے۔ اگر ان (ظالموں) کی نیکیاں نہ ہوں تو دوسروں (مظلوموں) کے گناہ کا ان پر ڈالا جانا بھی برحق اور ثابت شدہ ہے۔

قیامت کے دن ظالموں سے ان کے ظلم کا بدلہ لیا جائے گا۔ اگر دنیا میں کسی نے دوسرے پر ظلم کیا ہو گا تو قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ یوں ہو گا کہ ظالم

کی نیکیاں مظلوم کے پلڑے میں ڈال دی جائیں گی اور اگر ظالم ایسا گنہگار ہو کہ اس کی نیکیاں ہی نہ ہوں تو مظلوم کے گناہوں کو اس ظالم کے پلڑے میں ڈال دیا جائے گا۔

امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری (ت 261ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَتَذَرُونَ مَا الْمُفْلِسُ؟ قَالُوا: الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ. فَقَالَ: إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ، وَصِيَامٍ، وَزَكَاةٍ، وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا، وَقَذَفَ هَذَا، وَأَكَلَ مَالَ هَذَا، وَسَفَكَ دَمَ هَذَا، وَضَرَبَ هَذَا، فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْطَى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَ عَلَيْهِ، ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2581

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار پوچھا: کیا تم لوگ جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہمارے ہاں تو مفلس وہ شخص شمار ہوتا ہے جس کے پاس نہ تو پیسہ ہو اور نہ کوئی سامان ہو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن بہت سی نمازیں، روزے، زکوٰۃ لے کر آئے گا لیکن اس کا حال یہ ہو گا کہ اس نے کسی کو گالی دی ہو گی، کسی پر تہمت لگائی ہو گی، کسی کا ناحق مال کھایا ہو گا، کسی کا ناحق خون بہایا ہو گا اور کسی کو مارا پیٹا ہو گا۔ تو اس کی نیکیوں میں سے ایک حق والے کو نیکیاں دی جائیں گی۔ اس کے بعد دوسروں کے حقوق چکائے جانے سے پہلے پہلے اگر اس کی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو اگر حقداروں اور مظلوموں کے کوئی گناہ ہوں گے تو وہ ان سے لے کر اس شخص پر ڈال دیے جائیں گے اور پھر اس کو جہنم کی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

## جنت اور جہنم کا فنا نہ ہونا

وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ مَخْلُوقَتَانِ الْيَوْمَ لَا تَفْنِيَانِ أَبَدًا.

ترجمہ: جنت اور جہنم پیدا کی جا چکی ہیں جو آج بھی موجود ہیں، یہ کبھی فنا نہیں ہوں گی۔

جنت و جہنم کے پیدا ہو جانے اور کبھی فنا نہ ہونے پر ماقبل میں دلائل مع اشکالات و جوابات بیان ہو چکے ہیں۔ وہیں ملاحظہ کر لیے جائیں۔

فائدہ:

جنت آسمانوں میں ہے اور جہنم زمین کے نیچے ہے۔

✽ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) حضرت ابو ہریرہ رضی

اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللَّهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِهِ كُلُّ دَرَجَتَيْنِ مِمَّا بَيْنَهُمَا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَسَلُّوهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمَنِ وَمِنْهُ تَفْجَرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 7423

ترجمہ: جنت کے ایک سو درجات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے تیار کیے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے برابر ہے۔ اس لیے جب تم اللہ سے جنت مانگو تو جنت الفردوس مانگا کرو! کیونکہ یہ جنت کا بہترین اور بلند ترین حصہ ہے۔ اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔

❦ قاضی ثناء اللہ پانی پتی (ت 1225ھ) آیت "يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا" (سورة النحل: 111) کی تفسیر میں ایک روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ مُعَاذٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مِنْ أَيْنَ يُجَاءُ بِمَهْتَمَةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: "يُجَاءُ بِهَا مِنَ الْأَرْضِ السَّابِعَةِ، لَهَا أَلْفُ زَمَامٍ، لِكُلِّ زَمَامٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ تُسَبِّحُ فَإِذَا كَانَتْ مِنَ الْعِبَادِ مَسِيرَةَ أَلْفِ سَنَةٍ زَفَرَتْ زَفْرَةً فَلَا يَبْقَى مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ، إِلَّا جَفَى عَلَى رُكْبَتَيْهِ يَقُولُ: رَبِّ! نَفْسِي نَفْسِي."

التفسير المظهری: ج 5 ص 383

ترجمہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ قیامت کے دن جہنم کو کہاں سے لایا جائے گا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جہنم کو ساتویں زمین سے لایا جائے گا، اس وقت جہنم کی ایک ہزار لگائیں ہوں گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو تسبیح کر رہے ہوں گے۔ جب بندوں تک پہنچنے میں ایک ہزار سال کا فاصلہ رہ جائے گا تو جہنم پھر پڑے گی۔ اس وقت کوئی بھی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل نہ ہو گا جو گھٹنوں کے بل بیٹھ نفسی نفسی نہ کہ رہا ہو۔

❦ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں؛

وَأَنَّ الْجَنَّةَ فِي السَّمَاءِ، وَإِنَّ النَّارَ فِي الْأَرْضِ.

المستدرک علی الصحیحین: ج 4 ص 612 رقم الحدیث 8698

ترجمہ: جنت آسمان میں ہے اور جہنم زمین کے نیچے ہے۔

## حورِ عین کا فنا نہ ہونا

لَا تَمُوتُ الْحُورُ الْعَيْنُ.

ترجمہ: حورِ عین پر بھی موت نہیں آئے گی۔

”حورِ عین“ کا معنی ایسی عورت ہے جس کی آنکھوں میں سفیدی نہایت سفید اور سیاہی نہایت سیاہ ہو۔ نیک مومن کو اللہ تعالیٰ جنت کا داخلہ عطا فرمائیں گے تو اس کا نکاح حورِ عین سے کر دیں گے۔  
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَزَوْجُهُمْ بِحُورٍ عِينٍ

سورۃ الدخان: 54

ترجمہ: اور ہم ان (جنتیوں) کا نکاح بڑی بڑی آنکھوں والی سفید عورتوں سے کروا دیں گے۔

وَحُورٌ عِينٌ (۲۲) كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ (۲۳) جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

سورۃ الواقعة: 22 تا 24

ترجمہ: (اہل جنت کے لیے) بڑی بڑی آنکھوں والی سفید عورتیں ہوں گی جیسے چھپا کر رکھا ہوا موتی ہو۔ یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہے۔

حورِ عین ہمیشہ ہمیشہ رہے گی۔ کیوں کہ جنت اور جنت کی چیزیں دائمی ہیں اس لیے حورِ عین کو بھی موت نہیں آئے گی۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (ت 279ھ) روایت کرتے ہیں:  
عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَمَجْتَمَعًا لِلْحُورِ الْعِينِ يُرْفَعْنَ بِأَصْوَاتٍ لَمْ يَسْمَعْ الْخَلَائِقُ مِثْلَهَا"، قَالَ: "

يُقَلْنَ: نَحْنُ الْحَالِدَاتُ فَلَا نَبِيدُ، وَنَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبَأُ، وَنَحْنُ الرَّاغِبَاتُ  
فَلَا نَسْخَطُ، طُوبَى لِمَنْ كَانَ لَنَا وَكُنَّا لَهُ"

سنن الترمذی: رقم الحدیث 2564

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں حور عین کے لیے ایک محفل سجائی جائے گی۔ اس میں وہ ایسی آواز میں اپنا نغمہ سنائے گی کہ مخلوق نے ایسی آواز کبھی نہیں سنی ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا: حور عین کہیں گی کہ ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں، ہم کبھی فنا نہیں ہوں گی۔ ہم ناز و نعمت والی ہیں، ہم کبھی محتاج نہیں ہوں گی۔ ہم خوش رہنے والی ہیں، ہم کبھی ناراض نہیں ہوں گی۔ خوش خبری اور مبارک ہو اس شخص کے لیے جو ہمارے لیے بنا ہے اور ہم اس کے لیے بنی ہیں۔

اس حدیث میں ”نَحْنُ الْحَالِدَاتُ فَلَا نَبِيدُ“ کے الفاظ سے حور عین کا ہمیشہ

رہنا ثابت ہوتا ہے۔

فائدہ نمبر 1:

قرآن کریم میں حور ان جنت کی درج ذیل صفات ذکر کی گئی ہیں:

(1، 2): پاکیزہ بیویاں، ہمیشہ رہنے والی

وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

سورة البقرة: 25

ترجمہ: ان (جنتیوں) کے لیے جنت میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

(3، 4، 5): نگاہیں نیچی رکھنے والی، بڑی بڑی آنکھوں والی، چھپائے ہوئے

اندھوں کی مانند

وَعِنْدَهُمْ قَصِرَتُ الظَّرْفِ عَيْنٌ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ

سورة الصافات: 48، 49

ترجمہ: ان جنتیوں کے پاس نگاہیں نیچی رکھنے والی، بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی گویا کہ وہ چھپا کر رکھے ہوئے انڈے ہیں۔

(6): جن وانس سے محفوظ

فِيهِنَّ قَصِرَتُ الظَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ

سورة الرحمن: 56

ترجمہ: انہی عورتوں میں نگاہیں نیچی رکھنے والی ہوں گی جنہیں پہلے کسی جن نے چھوا ہو گا نہ انسان نے۔

(7، 8): مثل یاقوت، مثل مرجان

كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ

سورة الرحمن: 58

ترجمہ: گویا وہ (عورتیں) یاقوت اور مرجان ہیں۔

(9، 10): بہترین، خوبصورت

فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ

سورة الرحمن: 70

ترجمہ: انہی عورتوں میں بہترین اور خوبصورت بھی ہوں گی۔

(11، 12): گوری رنگت والی، خیموں میں پردہ نشین

حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ

سورة الرحمن: 72

ترجمہ: گوری رنگت والی عورتیں خیموں میں پردہ نشین ہوں گی

(13) محفوظ موتیوں کی مانند

وَحُورٌ عَيْنٌ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ

سورة الواقعة: 23

ترجمہ: وہ عورتیں گوری رنگت والی، بڑی بڑی آنکھوں والی ہوں گی جیسے چھپے ہوئے موتی۔

(14، 15) نوخیز، ہم عمر

وَكُوعِبَ أَتْرَابًا

سورة النبأ: 33

ترجمہ: (جنتی عورتیں) نوخیز اور ہم عمر ہوں گی۔

فائدہ نمبر 2:

مردوں کو جنت میں حوریں ملیں گی تو عورتوں کو کیا ملے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی عورتیں جن کے خاوند ہوں گے تو وہ اپنے خاوندوں کے ساتھ ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ انہیں نئی جوانی عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّا أَنْشَأْنَهُنَّ إِنْشَاءً فَجَعَلْنَهُنَّ أَبْكَارًا عُرُبًا أَتْرَابًا

سورة الواقعة: 35 تا 37

ترجمہ: ہم ان کی بیویوں کو ایک خاص شان سے بنائیں گے اور انہیں کنواریاں بنادیں گے جو خاوندوں سے محبت کرنے والی اور ہم عمر ہوں گی۔ اور اگر کسی خاتون کی دنیا میں شادی نہیں ہوئی ہوگی تو جنت میں اس کا نکاح دنیا کے کسی مرد سے فرمادیں گے۔

تنبیہ:

قرآن کریم میں ”حور“ کا لفظ مونث ہی کے لیے استعمال ہوا ہے، اس لیے یہ کہنا کہ ”عورتوں کو حور ملے گی جو مذکر ہوگا“ درست نہیں!



1: وَعِنْدَهُمْ قَصِرَاتُ الظَّرْفِ عَيْنٌ كَانَهُنَّ بَيْنُصْ مَكْنُونٌ

سورة الصافات: 48، 49

ترجمہ: ان جنتیوں کے پاس نگاہیں نیچی رکھنے والی، بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی گویا کہ وہ چھپا کر رکھے ہوئے انڈے ہیں۔

ان آیات میں ”قاصرات“ اور ”کانتھن“ مونث ہی کے لیے مستعمل ہیں۔

2: فِيهِنَّ قَصِرَاتُ الظَّرْفِ لَمْ يَطْمِئِنَّ أَنْسَ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ

سورة الرحمن: 56

ترجمہ: انہی عورتوں میں نگاہیں نیچی رکھنے والی ہوں گی جنہیں پہلے کسی جن نے چھوا ہو گا نہ انسان نے۔

یہاں ”قاصرات“ اور ”يَطْمِئِنَّ“ کی ضمیر مونث۔

3: وَحُورٌ عَيْنٌ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ

سورة الواقعة: 23

ترجمہ: وہ عورتیں گوری رنگت والی، بڑی بڑی آنکھوں والی ہوں گی جیسے چھپے ہوئے موتی۔

اس آیت کی تفسیر میں امام محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم الحلی الشافعی (ت 864ھ) لکھتے ہیں:

نِسَاءٌ شَدِيدَاتُ سَوَادِ الْعُيُونِ وَبَيَاضِهَا.

تفسیر الجلالین: ص 714 طبع بیروت

ترجمہ: حوریں ایسی عورتیں ہیں جن کی آنکھیں سیاہ اور سفید ہیں (یعنی سیاہ حصہ انتہائی سیاہ اور سفید حصہ انتہائی سفید)

## فائدہ نمبر 3:

دنیا کی عورتیں سردار ہوں گی اور جنت کی حوریں خادمہ ہوں گی۔ اس کی وجہ واضح ہے کہ دنیا کی عورت نے مشقت برداشت کی ہے، دین پر چلنا آسان نہیں لیکن اس نے اپنی خواہشات کو دبا کر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی ہے۔ اس لیے جو مقام اس کا ہو گا وہ جنتی عورت کا نہیں ہو گا۔

✽ حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر دمشقی شافعی (ت 774ھ) روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

يَا رَسُولَ اللَّهِ! نِسَاءُ الدُّنْيَا أَفْضَلُ أَمْ الْحُورُ الْعَيْنُ؟ قَالَ: "بَلْ نِسَاءُ الدُّنْيَا أَفْضَلُ مِنَ الْحُورِ الْعَيْنِ كَفَضْلِ الظَّهَارَةِ عَلَى الْبِطَانَةِ". قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَبِمَ ذَاكَ؟ قَالَ: "بِصَلَاتِهِنَّ وَصِيَامِهِنَّ وَعِبَادَتِهِنَّ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ".

تفسیر القرآن الکریم لابن کثیر: ج 7 ص 532 تحت قولہ تعالیٰ "إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً" سورۃ

الواقعة: 35

ترجمہ: یا رسول اللہ! دنیا کی عورت افضل ہوگی حور عین؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: دنیا کی عورت حور عین سے یوں افضل ہوگی جس طرح کسی چیز کا بیرونی حصہ اس کے اندرونی حصہ سے افضل ہوتا ہے۔ میں (حضرت ام سلمہ) نے عرض کیا: اس فضیلت کی وجہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: وجہ یہ ہے کہ یہ عورتیں نماز پڑھتی ہیں، روزہ رکھتی ہیں اور اللہ عزوجل کی عبادت کرتی ہیں۔

✽ امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی (ت 671ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ نِسَاءَ الدُّنْيَا مَنْ دَخَلَ مِنْهُنَّ الْجَنَّةَ فَضِلْنَ عَلَى الْعَيْنِ بِمَا عَمِلْنَ فِي الدُّنْيَا.

التذکرۃ للقرطبی: ص 555

ترجمہ: دنیا کی جو عورت جنت میں داخل ہوگی تو اسے حور عین پر فضیلت حاصل ہوگی کیونکہ اس نے دنیا میں نیک اعمال سرانجام دیے ہیں۔

سوال:

جنت کی تو تمام نعمتیں فنا نہیں ہوں گی پھر صرف ”حور عین“ ہی کے عدم فنا کا ذکر کیوں کیا ہے؟

جواب:

اس کی افضلیت و خصوصیت کے پیش نظر اس کا ذکر کیا ہے۔

سوال:

جنت میں ایک مرد کو کئی عورتیں ملیں گی لیکن ایک عورت کو کئی مرد نہیں ملیں گے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب:

جنت عزت کی جگہ ہے۔ مرد کے نکاح میں کئی عورتیں ہوں تو یہ اس کی عزت ہے لیکن ایک عورت کئی مردوں کے نکاح میں ہو تو یہ اس کی عزت نہیں بلکہ بے حرمتی ہے۔ عورت کی عزت اسی میں ہے کہ وہ ایک مرد کے پاس ہو۔

## عذاب و ثوابِ الہی کا ختم نہ ہونا

وَلَا يَغْنِي عِقَابُ اللَّهِ تَعَالَى وَلَا ثَوَابُهُ سَرْمَدًا.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا عذاب (برائے کفار) اور ثواب (برائے مومنین) کبھی ختم نہیں ہو گا بلکہ ہمیشہ رہے گا۔

جہنم اور جہنم کا عذاب، اسی طرح جنت اور جنت کی نعمتیں کبھی ختم نہیں

ہوں گی۔

1: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَ الْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ط

سورۃ البینہ: 6

ترجمہ: اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا تو وہ آگ میں ڈالے جائیں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ مخلوق میں سے بدترین لوگ ہیں۔

2: وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَ رَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

سورۃ النساء: 13

ترجمہ: جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اللہ اسے ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ لوگ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

جہنم ہمیشہ رہے گی اور اس میں موجود لوگ بھی ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں

گے۔ اسی طرح جنت بھی ہمیشہ رہے گی اور اس میں موجود جنتی بھی ہمیشہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے انعامات میں خوش و خرم رہیں گے۔

## ہدایت و گمراہی کا فیصلہ

وَاللّٰهُ تَعَالٰی يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ فِضْلًا مِّنْهُ وَيُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ عَذْلًا مِّنْهُ وَاِضْلَالُهُ خِذْلَانُهُ وَتَفْسِيْرُ الْخِذْلَانِ اَنْ لَا يُوَفِّقَ الْعَبْدَ اِلٰى مَا يَزِيْرُ صَاهُ عَنْهُ وَهُوَ عَذْلٌ مِّنْهُ وَكَذَا عُقُوْبَةُ الْمَخْذُوْلِ عَلٰى الْمَعْصِيَةِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنے فضل و کرم سے اسے ہدایت عطا فرمادے اور جسے چاہے اپنے قانونِ عدل کے مطابق اسے گمراہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کو گمراہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ اس بندے کو اس کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ اس بندے کو اپنی رضامندی والے کاموں کی توفیق نہیں دیتے اور ایسا کرنا اس کی طرف سے عینِ عدل ہے۔ اسی طرح ایسے شخص کو اس کے گناہ کی سزا دینا بھی عینِ عدل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا اور ان میں حق اور باطل پر چلنے کی طاقت بھی رکھ دی۔ بندوں کو یہ عقل و شعور دیا کہ وہ حق اور باطل کو سمجھیں اور اپنی صلاحیت کی وجہ سے باختیار خود جس راہ پر چلنا چاہیں چل سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو مجبور محض نہیں بنایا۔ اگر بندہ مجبور محض ہوتا تو اس کے حق و باطل پر چلنے کا امتحان نہ ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا مل جانا اس کا انتہائی فضل و کرم ہے۔ ہدایت ملنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے میں ہدایت کی طرف میلان کے آثار دیکھتے ہیں تو اسے ایسے اسباب عطا فرماتے ہیں جن سے ہدایت کا ملنا آسان ہو جاتا ہے۔ اسے ”توفیق الہی“ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں اسے گمراہ کر دیتے ہیں۔ گمراہ کرنے کا معنی کہ بندہ جب حق کی طرف مائل ہی نہ ہو اور اس کا طبعی میلان گمراہی کی طرف ہی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رضا والے کاموں کی توفیق نہیں دیتے۔ یہ عینِ عدل

ہے۔ کیونکہ بندے نے حق کی طرف آنے کا ارادہ ہی نہیں کیا تو اسے توفیق دینے کا کیا فائدہ؟ اللہ تعالیٰ کا ایسے بندے کو راہ ہدایت کی طرف آنے کی توفیق نہ دینا "خذلان" ہے۔

### شیطان اور سلبِ ایمان

وَلَا يَجُوزُ أَنْ نَقُولَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْلُبُ الْإِيمَانَ مِنَ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ قَهْرًا  
وَجَبْرًا وَلَكِنْ نَقُولُ الْعَبْدُ يَدْعُ الْإِيمَانَ فَيُغْنِيهِ يَسْلُبُهُ مِنْهُ الشَّيْطَانُ

ترجمہ: ہمیں یہ کہنا درست نہیں کہ شیطان زور و زبردستی بندہ مومن سے ایمان چھین لیتا ہے بلکہ ہم یوں کہیں گے کہ بندہ خود ایمان سے دستبردار ہو جاتا ہے تو اس وقت شیطان اس کا ایمان چھین لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو یہ طاقت تو دی ہے کہ وہ بندہ مومن کے دلوں میں وسوسے ڈال سکے اور اسے راہِ راست سے ہٹانے کی کوشش کر سکے لیکن شیطان میں یہ طاقت نہیں کہ وہ جبراً اور قہراً بندے سے ایمان سلب کر سکے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر شیطان میں یہ قوتِ قاہرہ مان لی جائے تو یہ خدائی اختیار ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور میں نہیں۔ شیطان میں یہ اختیار ماننا عقیدہ توحید کے منافی ہے۔ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ شیطان کے ورغلانے کی وجہ سے بندہ مومن اپنے اختیار سے ایمان کو چھوڑ بیٹھتا ہے، نتیجۃً شیطان اس کے ایمان کو اچک لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ أَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي  
لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ

ترجمہ: ابلیس بولا کہ مجھے اس دن تک مہلت دے دیجیے جس دن لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔ اللہ نے فرمایا: جا! تجھے مہلت دی جاتی ہے۔ ابلیس کہنے لگا کہ آپ نے مجھے گمراہ کر دیا ہے اب میں بھی آپ کے سیدھے راستے پر بیٹھ کر آپ کے بندوں کو گمراہ کروں گا۔

### سوالات منکر نکیر اور اعادۂ روح

وَسْؤَالُ مُنْكَرٍ وَنَكِيرٍ حَقٌّ كَائِنٌ فِي الْقَبْرِ وَإِعَادَةُ الرُّوحِ إِلَى الْجَسَدِ فِي قَبْرِهٖ حَقٌّ.

ترجمہ: منکر نکیر کا قبر میں سوال کرنا برحق ہے اور ایسا ہوتا ہے۔ قبر میں میت کے جسم میں روح کا لوٹایا جانا بھی برحق ہے۔

اس مقام پر آٹھ باتیں سمجھیں!

[1]: جب انسان پر موت آتی ہے تو اس کی روح نکل جاتی ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری صحابی کے جنازے میں گئے۔ جب قبرستان پہنچے تو قبر کی تیاری میں کچھ تاخیر تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں میت کے احوال بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ثُمَّ يَجِيءُ مَلَكُ الْمَوْتِ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَيَقُولُ: أَيَّتَہَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ! أَخْرَجِي إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ قَالَ فَتَخْرُجُ تَسِيلُ كَمَا تَسِيلُ الْقَطْرَةُ مِنْ فِي السَّقَاءِ فَيَأْخُذُهَا... ثُمَّ يَجِيءُ مَلَكُ الْمَوْتِ حَتَّى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَيَقُولُ: أَيَّتَہَا النَّفْسُ الْحَبِیْثَةُ! أَخْرَجِي إِلَى سَخَطٍ مِنَ اللَّهِ وَغَضَبٍ

قَالَ فَتَفَرَّقَ فِي جَسَدِهِ فَيَنْتَزِعُهَا كَمَا يُنْتَزَعُ السَّقُودُ مِنَ الصُّوفِ الْمَبْلُولِ  
فَيَأْخُذُهَا.

مسند احمد: ج 14 ص 202 تا ص 204 رقم الحديث 18443

ترجمہ: (مسلمان کی وفات کے وقت) ملک الموت علیہ السلام اس کے سرہانے آکر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: اے پاکیزہ روح! اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی رضامندی کی طرف چلو! وہ روح اتنی آسانی سے نکل آتی ہے جیسے کسی مشک سے پانی کا قطرہ ٹپک آیا ہو... (اور کافر کی موت کے وقت) ملک الموت علیہ السلام اس کے سرہانے آکر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: اے خبیث روح! اللہ تعالیٰ کے غضب و قہر کی طرف چلو! اس کی روح جسم میں پھیل جاتی ہے (یعنی عذاب الہی دیکھ کر پورے بدن میں چھپتی پھرتی ہے اور نکلنے سے ڈرتی ہے) تو ملک الموت اسے اس طرح کھینچ کر نکالتا ہے جس طرح لوہے کا کانا تر صوف میں ڈال کر کھینچا جاتا ہے (یعنی تر صوف سے لوہے کا کانا بڑی مشکل سے کھینچا جاتا ہے اور اس عمل کے دوران صوف کے کچھ اجزاء بھی اس لوہے کے کانٹے کے ساتھ لگ کر باہر آجاتے ہیں بالکل اسی طرح کافر کی روح سختی سے کھینچ کر باہر نکالی جاتی ہے۔)

[2]: اگر بندہ مومن ہو تو اس کی روح علیین میں اور اگر کافر ہو تو سحین میں چلی جاتی ہے جہاں اس کا نام لکھا جاتا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حَتَّى يُنْتَهَى بِهِ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: اَكْتُبُوا كِتَابَ عَبْدِي فِي عِلِّيِّينَ... فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: اَكْتُبُوا كِتَابَهُ فِي سِجِّينَ فِي الْأَرْضِ السُّفْلَى.

مسند احمد: ج 14 ص 203 رقم الحديث 18443



ترجمہ: (مؤمن کی) روح کو ساتویں آسمان تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اللہ عز و جل فرماتے ہیں کہ میرے بندے کا نام علیین میں درج کر دو.... (اور کافر کی روح جب آسمانوں کی طرف لائی جاتی ہے تو) اللہ عز و جل فرماتے ہیں کہ اس کا نام سحین میں درج کر دو جو ساتویں زمین میں ہے۔

[3]: علیین اور سحین میں نام لکھے جانے کے بعد روح کو جسم کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: اَكْتُبُوا كِتَابَ عَبْدِي فِي عِلِّيِّينَ وَأَعِيدُوهُ إِلَى الْأَرْضِ فَإِنِّي مِمَّنْهَا خَلَقْتُهُمْ وَفِيهَا أُعِيدُهُمْ وَمِنْهَا أُخْرِجُهُمْ تَارَةً أُخْرَى. قَالَ: فَتُعَادِرُ وَحْهَ فِي جَسَدِهِ.... فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: اَكْتُبُوا كِتَابَهُ فِي سَحِيحِينَ فِي الْأَرْضِ السُّفْلَى فَتُطْرَحُ رُوحُهُ طَرَحًا.

مسند احمد: ج 14 ص 203 رقم الحدیث 18443

ترجمہ: اللہ عز و جل فرماتے ہیں کہ میرے بندے کا نام علیین میں درج کر دو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے اپنے بندوں کو اسی سے پیدا کیا ہے، اسی میں لوٹاؤں گا اور دوبارہ اسی سے نکالوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اس بندہ مؤمن کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے... (اور کافر کی روح جب آسمانوں کی طرف لائی جاتی ہے تو) اللہ عز و جل فرماتے ہیں کہ اس کا نام سحین میں درج کر دو جو ساتویں زمین کے نیچے ہے، پھر اس روح کو زمین کی طرف پھینک دیا جاتا ہے۔

اکابرین کے اقوال:

1: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی (ت 150ھ) فرماتے ہیں:

وإِعَادَةُ الرُّوحِ إِلَى الْجَسَدِ فِي قَبْرِهٖ حَقٌّ.

الفقہ الاکبر للامام الاعظم ابی حنیفہ

ترجمہ: قبر میں میت کے جسم میں روح کا لوٹایا جانا بھی برحق ہے۔

2: امام احمد بن محمد بن حنبل البغدادی الشیبانی (ت 241ھ)

ابو الحسین محمد بن محمد ابن ابی یعلی الفراء البغدادی الحنبلی (ت 526ھ) نے امام مُسَدَّد بن مُسَرِّد البصری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب انہیں کچھ اشکالات ہوئے تو انہوں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایک خط لکھا کہ فتنہ قدر، رفس، اعتزال، خلق قرآن وغیرہ کے متعلق جو کچھ سنت سے ثابت ہے وہ لکھ بھیجیں تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل خط لکھا۔ اس میں ایمانیات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَالْإِيمَانُ بِمُنْكَرٍ وَنَكِيرٍ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَالْإِيمَانُ بِمَلَكَ الْمَوْتِ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
أَنَّهُ يَقْبِضُ الْأَرْوَاحَ ثُمَّ تُرَدُّ فِي الْأَجْسَادِ فِي الْقُبُورِ فَيُسْأَلُونَ عَنِ الْإِيمَانِ  
وَالْتَّوْحِيدِ.

طبقات الحنابلہ لابی الحسین الفراء البغدادی الحنبلی: ج 1 ص 344

ترجمہ: منکر نکیر کے سوالات کرنے پر ایمان لانا اور عذاب قبر پر ایمان لانا برحق ہے۔ اس بات پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ ملک الموت علیہ السلام جانداروں کی ارواح قبض کرتا ہے، پھر ان ارواح کو قبر میں موجود جسموں میں لوٹایا جاتا ہے تاکہ ان سے ایمان اور توحید کے متعلق سوالات کیے جائیں۔

3: علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی (ت 676ھ) لکھتے ہیں:

ثُمَّ الْمُعَذَّبُ عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ الْجَسَدُ بَعِيْنِهِ أَوْ بَعْضُهُ بَعْدَ إِعَادَةِ الرُّوحِ إِلَيْهِ أَوْ  
إِلَى جُزْءٍ مِنْهُ.

شرح مسلم للنووی: ج 2 ص 386

ترجمہ: اہل السنۃ کا موقف یہ ہے کہ پورے جسم میں یا جسم کے بعض حصے میں روح لوٹانے کے بعد عذاب یا تو پورے جسم کو ہوتا ہے یا جسم کے کچھ حصہ کو۔

4: علامہ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم؛ ابن تیمیہ الحنبلی (ت 728ھ) لکھتے ہیں:  
فَقَدْ صَرَّحَ الْحَدِيثُ بِإِعَادَةِ الرُّوحِ إِلَى الْجَسَدِ بِاخْتِلَافٍ أَضْلَاعِهِ وَهَذَا بَيِّنٌ فِي أَنَّ الْعَذَابَ عَلَى الرُّوحِ وَالْبَدَنِ مُجْتَمِعَيْنِ.

مجموع الفتاویٰ: ج 4 ص 151

ترجمہ: احادیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ روح کو جسم کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور (عذاب کے وقت) پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ عذاب روح اور جسم کے مجموعے کو ہوتا ہے۔

5: حافظ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر المعروف ابن القیم الجوزیہ (ت 751ھ) لکھتے ہیں:

الْمَسْأَلَةُ السَّادِسَةُ وَهِيَ أَنَّ الرُّوحَ هَلْ تُعَادِلُ إِلَى الْمَيِّتِ فِي قَبْرِهِ وَقَدْ سُوِّلَ أَمْرٌ لَا.... فَقَدْ كَفَانَا رَسُولُ اللَّهِ أَمْرَ هَذِهِ الْمَسْئَلَةِ وَأَغْنَانَا عَنْ أَقْوَالِ النَّاسِ حَيْثُ صَرَّحَ بِإِعَادَةِ الرُّوحِ إِلَيْهِ.

کتاب الروح: ص 48

ترجمہ: چھٹا مسئلہ یہ ہے کہ کیا قبر میں سوالات کے وقت روح کو میت کے جسم میں لوٹایا جاتا ہے یا نہیں؟ (جواب یہ ہے کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ میں وضاحت فرما کر ہمیں لوگوں کے اقوال سے بے نیاز کر دیا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت کی ہے کہ جسم میں روح کو لوٹایا جاتا ہے۔

6: حافظ بدر الدین محمود بن احمد بن موسیٰ العینی الحنفی (ت 855ھ) لکھتے ہیں:  
إِنَّ الْأَرْوَاحَ تُعَادِلُ إِلَى الْجَسَادِ عِنْدَ الْمَسْئَلَةِ وَهُوَ قَوْلُ الْأَكْثَرِ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ.  
عمدة القاری شرح صحیح البخاری: ج 12 ص 30 باب قتل ابی جہل

ترجمہ: سوالات کے وقت روحوں کو جسموں میں لوٹایا جاتا ہے۔ یہی اکثر اہل السنہ کا موقف ہے۔

7: علامہ سید محمود آلوسی بغدادی (ت 1270ھ) فرماتے ہیں:

وَالْجَهَّوْرُ عَلَى عَوْدِ الرُّوحِ إِلَى الْجَسَدِ أَوْ بَعْضِهِ وَقَدْ سُئِلَ عَلَى وَجْهِ لَا يُحْسِنُ بِهِ أَهْلُ الدُّنْيَا إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

تفسیر روح المعانی: ج 21 ص 57 تحت قولہ تعالیٰ ”فَإِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَى“ سورة الروم: 52  
ترجمہ: جمہور حضرات کا موقف یہ ہے کہ سوالات کے وقت پورے جسم میں یا جسم کے بعض حصے میں روح لوٹائی جاتی ہے لیکن دنیا والوں کو اس کا احساس نہیں ہو پاتا الا یہ کہ اللہ تعالیٰ جسے دکھانا چاہے دکھا دیتا ہے۔

[4]: روح لوٹائے جانے کے بعد منکر نکیر اس سے سوالات کرتے ہیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَتَعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ فَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُولَانِ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُولُ: رَبِّيَ اللَّهُ. فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا دِينُكَ؟ فَيَقُولُ: دِينِي الْإِسْلَامُ. فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ؟ فَيَقُولُ: هُوَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ... فَتَعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ وَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُولَانِ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُولُ: هَاهَا هَاهَا لَا أَدْرِي.

مسند احمد: ج 14 ص 202 رقم الحدیث 18443

ترجمہ: اس بندہ مؤمن کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ وہیں اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے: میرا دین اسلام ہے! پھر پوچھتے ہیں کہ جو شخص تم میں بھیجے گئے تھے

وہ کون تھے؟ بندہ جواب دیتا ہے: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے... اس (کافر) کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے: ہائے ہائے! مجھے معلوم نہیں۔

[5]: سوالات و جوابات کے بعد مومن کی روح علیین میں اور کافر کی روح سحین میں پہنچا دی جاتی ہے جیسا کہ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) نے اس کی تصریح فرمائی ہے:

”یہ صریح ہے اس میں کہ اعادہ الی الارض منافی اس قرار فی الجنۃ کے نہیں یا تو اس طرح کہ اول یہ اعادہ ہوتا ہو پھر سوال نکیرین کے بعد عروج الی السماء ہوتا ہو اور یا اس طرح کہ یہ اعادہ اور قرار تو جنت میں ہو اور قبر میں اصل قرار نہ ہو۔ کچھ تعلق جسد سے ہو خواہ جسد اصلی حالت پر ہو یا مستحیل ہو گیا ہو اور یہ تعلق صرف اتنا ہو جس سے ادراک نعم و الم کا ہو سکے۔“

امداد الفتاویٰ: ج 5 ص 424

[6]: اس وقت کی حالت کو خواب اور نیند سے تعبیر کرتے ہیں۔

قَالُوا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يُوْثِقُكُمْ اَلْعُرُوْاۤءُ مِنَ الْمَوْتِ ۚ

سورۃ یٰسین: 52

ترجمہ: وہ کہیں گے کہ ہمیں ہماری خواب گاہ سے کس نے بیدار کر دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا:

فَيَقُوْلَانِ نَمَّ كُنُوْمَةُ الْعُرُوۡۤاۤءِ الَّذِي لَا يُوقِظُهُ اِلَّا اَحَبُّ اَهْلِهٖ اِلَيْهٖ.

سنن الترمذی: رقم الحدیث 1071

ترجمہ: فرشتے کہتے ہیں: سو جا جیسے پہلی رات کی دلہن سوتی ہے، جسے گھر والوں میں

سے اس کا محبوب (یعنی خاوند) ہی بیدار کرتا ہے۔

[7]: مومن کی روح علیین میں اور کافر کی روح سجین میں پہنچانے کے بعد ان کا اتنا تعلق جسم کے ساتھ قائم کر دیا جاتا ہے جس سے میت کچھ راحت یا تکلیف محسوس کرتی ہے۔ اس پر علمائے امت کے حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

۱: علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف ابن الہمام (ت 681ھ) فرماتے ہیں:

أَنَّ الْمَيِّتَ الْمُعَذَّبَ فِي قَبْرِهِ تَوَضَّعَ فِيهِ الْحَيَاةُ بِقَدْرِ مَا يَحْسُسُ بِالْأَلَمِ.

فتح القدیر ج 5 ص 193 باب الیمین فی الضرب والقتل

ترجمہ: جس میت کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے تو اسے اتنی حیات دی جاتی ہے جس سے وہ دکھ کو محسوس کر سکے۔

۲: علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ التفتازانی (ت 791ھ) فرماتے ہیں:

اتَّفَقَ أَهْلُ الْحَقِّ عَلَى أَنَّ اللَّهَ يُعِيدُ إِلَى الْمَيِّتِ فِي الْقَبْرِ نَوْعَ حَيَاةٍ قَدَرَهَا مَا يَتَأَلَّمُ وَيَتَلَذَّذُ وَيَشْهَدُ بِذَلِكَ الْكِتَابُ وَالْأُخْبَارُ وَالْأَثَارُ.

شرح المقاصد فی علم الکلام للتفتازانی: ج 2 ص 222

ترجمہ: اہل حق کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت کو اتنی حیات عطا فرماتا ہے جس سے وہ ثواب و عذاب کو محسوس کرتی ہے، اس عقیدہ پہ قرآنی آیات اور احادیث و آثار موجود ہیں۔

۳: سلطان المحدثین نور الدین علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری (ت 1014ھ) فرماتے ہیں:

وَأَعْلَمُ أَنَّ أَهْلَ الْحَقِّ اتَّفَقُوا عَلَى أَنَّ اللَّهَ يَخْلُقُ فِي الْمَيِّتِ نَوْعَ حَيَاةٍ فِي الْقَبْرِ قَدَرُ

مَا يَتَأَلَّمُ وَيَتَلَذُّ.

شرح الفقہ الاکبر: ص 121

ترجمہ: اہل حق کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ مرنے والے کو اتنی حیات عطا فرماتا ہے کہ اگر نیک ہو تو ثواب اور اگر گناہگار ہو تو عذاب کو محسوس کرتا ہے۔

۴: علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز بن احمد بن عبد الرحیم المعروف امام ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (ت 1252ھ) فرماتے ہیں:

وَالْإِلَیْلَامُ وَالْأَذْبُ لَا يَتَحَقَّقُ فِي الْمَيِّتِ وَلَا يَرُدُّ تَعْدِيبُ الْمَيِّتِ فِي قَبْرِهِ لِأَنَّهُ تَوْضَعُ فِيهِ الْحَيَاةُ عِنْدَ الْعَامَّةِ بِقَدَرِ مَا يَحْسُ بِالْأَكْمَرِ.

رد المحتار: ج 5 ص 193 باب الیسین فی الضرب والقتل

ترجمہ: ایسا مارنا جس سے تکلیف ہو اور تادیب ہو یہ میت میں متحقق نہیں ہوتا۔ اس بناء پہ عذاب قبر کا انکار نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ اہل اسلام کے ہاں میت کو قبر میں اتنی حیات عطا کی جاتی ہے جس سے وہ دکھ کو محسوس کرتی ہے۔

نوٹ: اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں یہ تکلیف و تعدیب میت پر نظر نہیں آتی۔ اس کا معنی یہ نہیں کہ میت کو قبر میں عذاب ہی نہیں دیا جاتا۔ لہذا اس عبارت کی بنیاد پر عذاب قبر کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

[8]: قیامت کے دن روح کو جسم کے اندر لوٹا دیا جائے گا اور روح مع الجسد کو

میدان میں کھڑا کر دیا جائے گا۔

وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ

سورۃ الحج: 7

ترجمہ: بے شک اللہ ان سب لوگوں کو (قیامت کے دن) اٹھا کھڑا کرے گا جو قبروں میں ہیں۔

فائدہ:

قبر میں سوالات امت سے ہوں گے، حضرات انبیاء علیہم السلام سے نہیں ہوں گے۔

دلائل: دلیل نمبر 1:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 184

ترجمہ: میری طرف یہ وحی بھیجی گئی ہے کہ بے شک تمہیں قبروں میں آزمایا جائے گا۔

اس روایت میں ”أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ“ کے الفاظ سے خطاب امت کو ہے۔ قنہ قبر سے مراد قبر کے سوالات ہیں۔ علامہ احمد بن حنبل بن غنیم بن سالم النفرای الماکلی (ت 1126ھ) لکھتے ہیں:

"أَنَّ الْمُؤْمِنِينَ يُفْتَنُونَ" أَيْ يُمْتَحَنُونَ وَيُخْتَبَرُونَ فِي قُبُورِهِمْ وَمَعْلَى يُفْتَنُونَ فِي قُبُورِهِمْ "يُسْأَلُونَ" لِاجْتِمَاعِ الْعُلَمَاءِ عَلَى أَنَّ الْمُرَادَ بِفِتْنَةِ الْقَبْرِ سُؤَالَ الْمَلَائِكَةِ مِنْكَ - بِفَتْحِ الْكَافِ - وَنَكْبَرٍ - بِكَسْرِ هَا.

الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابن ابی زید القیروانی: ج 1 ص 306

ترجمہ: حدیث کے الفاظ ”مؤمنین کو قبروں میں آزمایا جائے گا“ کا معنی ہے کہ قبر میں ان کا امتحان لیا جائے گا۔ امتحان لیے جانے سے مراد یہ ہے کہ ان سے قبر میں سوالات کیے جائیں گے کیونکہ اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ قبر کی آزمائش سے مراد



منکر نکیر کا قبر میں سوال کرنا ہے۔

اس روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قبر میں سوالات امت سے کیے جائیں گے، خود نبی سے نہیں۔

دلیل نمبر 2:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا:

فَأَمَّا فِتْنَةُ الْقَبْرِ فَبِئْسَ تُفْتَنُونَ وَعَنِّي تُسْأَلُونَ.

مسند احمد: ج 17 ص 507 رقم الحدیث 24970

ترجمہ: قبر کی آزمائش یہ ہے کہ میری وجہ سے تمہاری جانچ ہوگی اور میرے بارے میں تم سے سوال ہوگا۔

علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس احمد بن حمزہ ابن شہاب الدین الرملی

(ت 1004) لکھتے ہیں:

وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا يُسْأَلُونَ لِأَنَّ غَيْرَ النَّبِيِّ يُسْأَلُ عَنِ النَّبِيِّ فَكَيْفَ يُسْأَلُ هُوَ عَنِ نَفْسِهِ؟

نہایۃ المحتاج: ج 3 ص 42

ترجمہ: صحیح بات یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے (قبروں میں) سوالات نہیں ہوتے کیونکہ غیر نبی سے نبی کے بارے میں سوالات ہوتے ہیں تو خود نبی سے اپنے بارے میں سوالات کیسے ہوں گے؟

دلیل نمبر 3: عقلی وجوہ:

1: سوال اس شخص سے کیا جاتا ہے جس میں ماننے، نہ ماننے اور کرنے، نہ کرنے

کے متعلق دونوں پہلو ہوں۔ اسی سے سوال ہوتا ہے کہ تم نے مانا یا نہیں؟ تم نے فلاں کام سرانجام دیا یا نہیں؟ یہ معاملہ امتی کا ہے اور اس سے سوال نہیں ہوتا جس میں ماننے، نہ ماننے اور کرنے، نہ کرنے کا سوال ہی نہ ہو اور یہ معاملہ انبیاء علیہم السلام کا ہے کہ نبی کا ماننا اور عمل کرنا یقینی ہوتا ہے، اس کے خلاف کا پہلو نبی میں پایا ہی نہیں جاتا۔ اس لیے نبی سے سوال نہیں ہو گا۔ بالفرض اگر نبی سے سوال کا احتمال مانا جائے تو لازم آئے گا کہ بعض انبیاء علیہم السلام نے مانا اور بعض نے نہیں، بعض نے اعمال صالحہ سرانجام دیے اور بعض نے نہیں تبھی تو سوال ہوا حالانکہ انبیاء علیہم السلام کا ماننا اور عمل کرنا یقینی ہے۔ اس لیے نبی سے سوال نہیں ہوتا۔

2: تین سوالات میں سے دوسرا سوال خود نبی کے متعلق ہے جو دلیل ہے کہ ان سوالات کا تعلق اس شخص سے ہو گا جو نبی نہ ہو ورنہ توقف الشیء علی نفسہ لازم آئے گا کہ نبی اپنی نجات کے لیے اپنے نبی ہونے کا اقرار کر رہا ہے جبکہ وہ یہ اقرار خود دوسروں تک سے کروا چکا ہے۔

دلیل نمبر 4:

علمائے امت کا نظریہ بھی یہی ہے کہ قبر میں سوالات امت سے کیے جائیں گے، نبی سے نہیں۔ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

1: علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس احمد بن حمزہ ابن شہاب الدین الرملی (ت 1004) لکھتے ہیں:

وَالصَّحُّ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا يُسْأَلُونَ لِأَنَّ غَيْرَ النَّبِيِّ يُسْأَلُ عَنِ النَّبِيِّ فَكَيْفَ يُسْأَلُ هُوَ عَنِ نَفْسِهِ؟

نہایۃ المحتاج: ج 3 ص 42

ترجمہ: صحیح بات یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے (قبروں میں) سوالات نہیں

ہوتے کیونکہ غیر نبی سے نبی کے بارے میں سوالات ہوتے ہیں تو خود نبی سے اپنے بارے میں سوالات کیسے ہوں گے؟

2: علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحصفی الحنفی (ت 1088ھ) لکھتے ہیں:  
وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ لَا يُسْأَلُونَ.

الدر المختار: ج 2 ص 192 باب صلاة الجنائز

ترجمہ: صحیح بات یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے (قبروں میں) سوالات نہیں ہوتے۔

## ثواب وعذاب قبر

وَضَعُفَةُ الْقَبْرِ وَعَذَابُهُ حَقٌّ كَائِنْ لِّلْكَفَّارِ كُلِّهِمْ وَلِبَعْضِ عَصَاةِ الْمُؤْمِنِينَ.

ترجمہ: قبر کا تمام کفار کو اور بعض گناہگار مؤمنین کو دہانا اور ان کو قبر کا عذاب ہونا برحق ہے اور ایسا ہوتا بھی ہے۔

فائدہ نمبر 1:

موت سے لے کر حشر تک کی زندگی کو ”قیامت صغریٰ“، عالم برزخ اور قبر کی زندگی بھی کہتے ہیں۔

فائدہ نمبر 2:

قبر کا معنی

قبر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں میت یا اجزائے میت ہوں۔ عام طور پر چونکہ

میت کو دفن کیا جاتا ہے اس لیے قبر کا معنی ”زمینی گڑھا“ کر دیا جاتا ہے۔  
چند نصوص ملاحظہ ہوں:

1: وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهٖ

سورة التوبة: 84

ترجمہ: آپ اس کی قبر پر کھڑے نہ ہوں۔

2: وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ

سورة الحج: 7

ترجمہ: بے شک اللہ ان سب لوگوں کو اٹھا کھڑا کرے گا جو قبروں میں ہیں۔

3: امام مالک بن انس المدنی (ت 179ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ قَالَ رَأَيْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَقِفُ عَلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا.

موطا امام مالک: ص 150 باب ماجاء فی الصلوة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: عبد اللہ بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر ٹھہرتے دیکھا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج رہے تھے اور ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے لیے دعا مانگ رہے تھے۔

فائدہ نمبر 3:

برزخ کا معنی:

”برزخ“ سے مراد دو چیزوں کا مجموعہ ہے؛ زمان اور مکان۔

۱: زمان .... موت سے لے کر حشر تک کا وقت

۲: مکان .... سچین سے لے کر علیین تک کی جگہ

”برزخ“ کا معنی سمجھ میں آجائے تو کئی اشکالات ختم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بعض لوگ اشکال کرتے ہیں کہ اگر موت کے بعد انسان برزخ میں چلا جاتا ہے تو فرعون اسی زمین پر موجود ہے اور ہم بھی اسی زمین پر موجود ہیں، اس اعتبار سے اسے تو برزخ نہ ملی کیوں کہ زمین پر موجود ہوتے ہوئے اسے برزخ میں مانا جائے تو لازم آئے گا کہ ہم بھی برزخ میں ہوں کیونکہ ہم بھی تو اسی زمین پر موجود ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرعون کو موت سے لے کر حشر تک کا زمان اور سحین سے لے کر علیین تک کا مکان ملا ہے لیکن ہمیں سحین سے لے کر علیین تک کا مکان تو ملا ہے لیکن موت سے لے کر حشر تک کا زمان نہیں ملا۔ اس لیے فرعون تو برزخ میں ہے لیکن ہم برزخ میں نہیں ہیں۔

فائدہ نمبر 4:

عنوان ”ثواب و عذاب قبر“ ہونا چاہیے نہ کہ صرف ”عذاب قبر“، عام طور پر صرف ”عذاب قبر“ کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔

فائدہ نمبر 5:

ثواب و عذاب قبر پر دلائل:

(1): اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَ يُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ

سورۃ ابراہیم: 27

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے ہیں اللہ ان کو اس مضبوط بات (یعنی کلمہ ایمان) کے ذریعے دنیا کی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت کی زندگی میں بھی۔

اس آیت کی تفسیر میں امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری (ت 261ھ)

نے یہ حدیث نقل کی ہے:

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ" قَالَ: نَزَلَتْ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ، فَيَقَالُ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُولُ: رَبِّي اللَّهُ، وَنَبِيِّي مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَلِكَ قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ "يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ"

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2871

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت "يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ" کے متعلق فرمایا کہ یہ آیت عذاب قبر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو) اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اللہ تعالیٰ کے فرمان "يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ" کا یہی مطلب ہے۔

(2): امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (ت 279ھ) روایت کرتے ہیں: عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، أَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ

سنن الترمذی: رقم الحدیث 2460

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

(3): امام ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الشامی الطبرانی (ت 360ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُخَارِقِ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: إِذَا حَدَّثْتُكُمْ بِحَدِيثٍ أَنْبَأْتُكُمْ بِتَصْدِيقِ ذَلِكَ، إِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ إِذَا مَاتَ أُجْلِسَ فِي قَبْرِهِ، فَيَقَالُ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ؟ مَا دِينُكَ؟ مَنْ نَبِيُّكَ؟ فَيُخْبِرُهُ اللَّهُ فَيَقُولُ: رَبِّي اللَّهُ، وَدِينِي الْإِسْلَامُ، وَنَبِيِّي مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيُوسَّعُ لَهُ فِي قَبْرِهِ، وَيُفَرَّجُ لَهُ فِيهِ، ثُمَّ قَرَأَ عَبْدُ اللَّهِ: "يُكَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ"

المعجم الكبير للطبرانی: ج 8 ص 162 رقم الحديث 9044

ترجمہ: مخارق بن سلیم سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں حدیث بیان کروں گا تو اس کی دلیل بھی دوں گا۔ مسلمان آدمی کو جب موت آتی ہے (اور اسے قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو سوالات کے وقت) اس کو قبر میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ اس سے پوچھا جاتا ہے: تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ تمہارا نبی کون ہے؟ اللہ تعالیٰ اس بندے کو ثابت قدم رکھتے ہیں تو بندہ یہ جواب دیتا ہے میرا رب اللہ ہے، میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس کے بعد اس کی قبر کو وسیع و عریض کر دیا جاتا ہے۔ پھر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے (بطور دلیل) یہ آیت تلاوت فرمائی: "يُكَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ" کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اللہ ان کو اس مضبوط بات (یعنی کلمہ ایمان) کے ذریعے دنیا کی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت کی زندگی میں بھی، اور اللہ ظالم لوگوں کو گمراہ کر دیتا ہے۔

(4): امام ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی (ت 275ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةٍ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَأَتَيْنَاهَا إِلَى الْقَبْرِ وَلَهَا يُلْحَدُ فَجَلَسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ كَأَمَّا عَلَى رُءُوسِنَا الطَّبِيرُ وَفِي يَدِهِ عَوْذُ يَنْكُتُ بِهِ فِي الْأَرْضِ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ: "اسْتَعِيدُوا بِاللَّهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ".

مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا زَادَ فِي حَدِيثِ جَرِيرٍ هَاهُنَا - وَقَالَ: «وَاللَّهِ لَيْسَ سَمْعُ خُفِّ نَعَالِهِمْ إِذَا وَلُّوا مُدِيرِينَ حِينَ يُعَالُ لَهُ: يَا هَذَا مَنْ رَبُّكَ وَمَا دِينُكَ وَمَنْ نَبِيُّكَ». قَالَ هَذَا قَالَ: وَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُولَانِ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ فَيَقُولُ: رَبِّي اللَّهُ. فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا دِينُكَ فَيَقُولُ: دِينِي الْإِسْلَامُ. فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ قَالَ فَيَقُولُ: هُوَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُولَانِ: وَمَا يُدِيرِيكَ فَيَقُولُ: قَرَأْتُ كِتَابَ اللَّهِ فَأَمَنْتُ بِهِ وَصَدَّقْتُ». زَادَ فِي حَدِيثِ جَرِيرٍ: «فَلَيْكَ قَوْلُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ "يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا" الْآيَةَ. ثُمَّ اتَّفَقَا قَالَ: "فَيُنَادِي مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ: أَنْ قَدْ صَدَّقَ عَبْدِي فَأَفْرِشُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ وَالْبِسُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ". قَالَ: «فَيَأْتِيهِ مِنْ رَوْحِهَا وَطِيْبِهَا». قَالَ: «وَيُفْتَحُ لَهُ فِيهَا مَدَبَصِرَةٌ». قَالَ: وَإِنَّ الْكَافِرَ. فَذَكَرَ مَوْتَهُ قَالَ: وَتُعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ وَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُولَانِ: مَنْ رَبُّكَ فَيَقُولُ: هَاهَا هَاهَا هَاهَا لَا أَدْرِي. فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا دِينُكَ فَيَقُولُ: هَاهَا هَاهَا لَا أَدْرِي. فَيَقُولَانِ: مَا هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ فَيَقُولُ: هَاهَا هَاهَا لَا أَدْرِي. فَيُنَادِي مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ: أَنْ كَذَبَ فَأَفْرِشُوهُ مِنَ النَّارِ وَالْبِسُوهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى النَّارِ». قَالَ: «فَيَأْتِيهِ مِنْ حَرِّهَا وَسُمُومِهَا». قَالَ: «وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهُ حَتَّى تَخْتَلِفَ فِيهِ أَضْلَاعُهُ». زَادَ فِي حَدِيثِ جَرِيرٍ قَالَ: «ثُمَّ يُقَيِّضُ لَهُ أَعْمَى أَبْكُمْ مَعَهُ مِنْ رَبَّةٍ مِنْ حَدِيدٍ لَوْ صُرِبَ بِهَا جَبَلٌ لَصَارَ تُرَابًا». قَالَ: «فَيَصْرِبُ بِهَا صَرْبَةً



يَسْمَعُهَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ فَيَصِيرُ تَرَابًا». قَالَ: «ثُمَّ تُعَادُ فِيهِ الرُّوحُ».

سنن ابی داؤد: رقم الحدیث 4753

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری صحابی کے جنازے میں گئے۔ جب قبرستان پہنچے تو قبر ابھی تک تیار نہیں ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے تو ہم بھی آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ ہم اس طرح (خاموش اور بآداب) بیٹھے تھے کہ گویا ہمارے سروں پر پرند بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک تنکا تھا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین کرید رہے تھے۔ اسی اثناء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھایا اور فرمایا: عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرو! یہ جملہ دو یا تین بار فرمایا۔ راوی حدیث جریر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: جب دفن کرنے والے واپس لوٹے ہیں تو میت ان کے قدموں کی آہٹ بھی سنتی ہے جبکہ اس وقت اس سے سوال ہو رہے ہوتے ہیں کہ اے فلاں! تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ اور تمہارا نبی کون ہے؟ راوی حدیث ہناد کے طریق میں الفاظ ہیں: ”پھر میت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں: تمہارا رب کون ہے؟ تو میت جواب دیتی ہے: میرا رب اللہ ہے۔ پھر وہ پوچھتے ہیں: تمہارا دین کیا ہے؟ میت جواب دیتی ہے: میرا دین اسلام ہے۔ پھر وہ پوچھتے ہیں: یہ آدمی کون ہیں جو تم میں مبعوث کیے گئے ہیں؟ تو میت کہتی ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر وہ پوچھتے ہیں: تمہیں اس بات کا علم کیسے ہوا؟ میت جواب دیتی ہے: میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھی، میں اس پر ایمان لایا اور میں نے اس کی تصدیق کی۔“ جریر کی روایت میں مزید یہ الفاظ ہیں: ”یہی (سوال جواب ہی) مصداق ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ”يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا“

وَفِي الْآخِرَةِ "کا۔ پھر روایانِ حدیث؛ جریر اور ہناد اس سے آگے متفق ہیں: فرمایا "پھر آسمان سے منادی کرنے والا ندا دیتا ہے کہ بے شک میرے بندے نے سچ کہا ہے۔ اس کے لیے جنت کا بستر بچھا دو، اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی طرف سے ایک دروازہ کھول دو۔ پھر فرمایا: جنت کی طرف سے وہاں کی ہوائیں اور خوشبوئیں آنے لگتی ہیں اور اس میت کی قبر کو انتہائے نظر تک وسیع کر دیا جاتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر اور اس کی موت کا ذکر کیا تو فرمایا: کافر کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر اس سے پوچھتے ہیں: تمہارا رب کون ہے؟ میت جواب دیتی ہے: ہاہ! ہاہ! مجھے تو کچھ خبر نہیں۔ پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں: تمہارا دین کیا ہے؟ میت جواب دیتی ہے: ہاہ! ہاہ! مجھے تو کچھ خبر نہیں۔ پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں: یہ آدمی کون ہیں جو تم میں مبعوث کیے گئے ہیں؟ میت جواب دیتی ہے: ہاہ! ہاہ! مجھے تو کچھ خبر نہیں۔ تو منادی آسمان سے ندا دیتا ہے کہ اس شخص نے جھوٹ کہا، لہذا اس کے لیے آگ کا بستر بچھا دو، اسے آگ کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جہنم کی جانب سے ایک دروازہ کھول دو۔ پھر جہنم کی جانب سے اس کی تپش اور گرم ہوا آنے لگتی ہے اور اس پر قبر کو تنگ کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں۔ راوی حدیث جریر کی روایت میں مزید الفاظ یہ ہیں: پھر اس پر ایک اندھا گوناگ فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے جس کے پاس ایک بھاری گرز ہوتا ہے۔ (اس گرز کی حالت یہ ہوتی ہے) کہ اگر اسے پہاڑ پر مارا جائے تو وہ بھی مٹی مٹی ہو جائے۔ پھر وہ فرشتہ اسے اس گرز کے ساتھ ایسی ضرب مارتا ہے کہ جس کی آواز جنات اور انسانوں کے علاوہ مشرق و مغرب کے درمیان پائی جانے والی ساری مخلوق سنتی ہے اور پھر وہ میت مٹی ہو جاتا ہے۔ فرمایا: پھر اس میں روح لوٹائی جاتی ہے۔

(5): امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (ت 279ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا قُبِرَ الْمَيِّتُ أَوْ قَالَ أَحَدُكُمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَزْرَقَانِ يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا الْمُنْكَرُ وَالْآخَرُ النَّكِيرُ فَيَقُولَانِ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ فَيَقُولُ مَا كَانَ يَقُولُ هُوَ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَيَقُولَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ هَذَا ثُمَّ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُونَ ذِرَاعًا فِي سَبْعِينَ ثُمَّ يُنَوَّرُ لَهُ فِيهِ ثُمَّ يُقَالُ لَهُ نَمْ فَيَقُولُ أَرْجِعْ إِلَى أَهْلِي فَأُخْبِرْهُمْ فَيَقُولَانِ نَمْ كَنُومَةَ الْعَرُوسِ اللَّيْلِ لَا يُوقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ.

سنن الترمذی: رقم الحديث 1071

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی شخص کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو کالے اور نیلے رنگ کے ہوتے ہیں۔ ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں۔ وہ اس شخص سے پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ بندہ جواب دیتا ہے کہ یہ تو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم تھا کہ تم یہی بات کہو گے۔ پھر اس کی قبر ستر ہاتھ طول و عرض میں کشادہ کر دی جاتی ہے اور اس کو روشن کر دیا جاتا ہے۔ پھر فرشتے اسے کہتے ہیں: سو جا! وہ شخص پوچھتا ہے کہ کیا میں گھر جا کر اپنے ان حالات کی خبر اپنے گھر والوں کو نہ دوں؟ تو فرشتے کہتے ہیں: سو جا جیسے پہلی رات کی دلہن سوتی ہے، جسے گھر والوں میں سے اس کا محبوب (یعنی خاوند) ہی بیدار کرتا ہے۔

(6): امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ وَجَبَتْ

الشَّمْسُ فَسَمِعَ صَوْتًا فَقَالَ: "يَهُودُ تُعَذَّبُ فِي قُبُورِهَا".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1375

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج غروب ہونے کے بعد نکلے۔ آپ نے ایک آواز سنی تو فرمایا: یہودیوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے۔

سوال:

اگر کسی شخص کی میت کو جلادیا گیا یا پانی میں بہا دیا گیا جس سے اس کے اجزاء بکھر گئے یا اس کی لاش کو پرندے کھا گئے یا جانوروں نے نوچ ڈالا اور وہ ان کے معدے میں چلا گیا تو اسے تو قبر نہیں ملی۔ پھر اسے کس طرح ثواب و عذاب ہوگا؟

جواب:

یہ تمام اشکالات قبر کا معنی نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں۔ جہاں میت یا اجزائے میت ہوں وہی اس کی قبر ہے۔ اب اگر جل کر راکھ ہوئی اور اس کے اجزاء پانی میں بکھر گئے یا جانوروں نے کھایا اور ان کے معدے میں اجزاء پہنچ گئے تو یہی اس کی قبر ہے کیونکہ یہاں اجزاء کا احالہ ہوا ہے مگر ازالہ نہیں ہوتا یعنی اجزاء تحلیل ہو کر دوسری شکل اختیار کر لیتے ہیں، بالکل ختم نہیں ہوتے۔ اس لیے انہیں یہیں ثواب و عذاب ہو رہا ہے۔

سوال:

اگر میت کا فر ہو اور اسے کوئی جانور کھالے تو جب اسے عذاب ہوتا ہے تو جانور محسوس کیوں نہیں کرتا؟

جواب:

عام انسان کے معدے میں تکلیف ہو تو معدے کے اوپر والے حصے کو احساس نہیں ہوتا، آنکھ کی تکلیف کو پتلی محسوس نہیں کرتی اور گوشت کی تکلیف کو ہڈی محسوس نہیں کرتی۔ یہ ہمارا روزمرہ کا عام مشاہدہ ہے۔ اس لیے معدے میں موجود میت کے اجزاء کو عذاب ہو اور جانور محسوس نہ کرے تو اس میں کون سامانے ہے؟

سوال:

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قبر عذاب میں تنگی محسوس ہوئی ہے جبکہ ہم اہل السنۃ والجماعۃ کا نظریہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عذاب سے محفوظ ہیں۔

1: عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْرَهُ يَغْنِي سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ فَأَحْتَبَسَ فَلَمَّا خَرَجَ قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا حَبَسَكَ؟ قَالَ: ضَمَّ سَعْدٌ فِي الْقَبْرِ ضَمَّةً، فَدَعَوْتُ اللَّهَ أَنْ يَكْشِفَ عَنْهُ.

صحیح ابن حبان: رقم الحدیث 7234

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر میں داخل ہوئے اور کچھ دیر قبر میں رکے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر سے باہر نکلے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! کس چیز نے آپ کو قبر میں روک رکھا؟ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس وجہ سے وہاں رکے رہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سعد کو قبر میں ہلکا سا دبایا گیا تھا، میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ قبر کو کشادہ کر دیا جائے۔

2: عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ: "إِنَّهُمَا لِيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَنْزِلُ مِنَ الْبُؤُولِ وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ." ثُمَّ أَخَذَ جَرِيدَةً رَطْبَةً فَشَقَّهَا يَصْفَيْنِ فَعَزَّزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً. قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! لِمَ فَعَلْتَ هَذَا؟ قَالَ: "لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَبْسَسَا."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 218

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے قریب گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور ان کو کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا، بلکہ ایک کو تو اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ چغلی کیا کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔ پھر آپ نے کھجور کی ایک تر ٹہنی لی اور اس کے دو ٹکڑے کئے، ان دو ٹکڑوں میں سے ہر ایک کی قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا، پھر ارشاد فرمایا: جب تک یہ خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔

حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت 852ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وَأَمَّا حَدِيثُ الْبَابِ فَالظَّاهِرُ مِنْ جَمُوعِ طُرُقِهِ إِنَّهُمَا كَانَا مُسْلِمَيْنِ.

فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج 1 ص 321 تحت رقم الحدیث 218

ترجمہ: حدیث باب (حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما) کے تمام طرق دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبریں دو مسلمانوں کی تھیں۔

جوابات:

[1]: علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی الشافعی (ت 911ھ) لکھتے

ہیں:

قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ السَّعْدِيُّ: لَا يَنْجُو مَنْ ضَغَطَ الْقَبْرِ صَاحٌّ وَلَا طَالِحٌ غَيْرَ أَنَّ  
الْفَرْقَ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ فِيهَا دَوَامُ الضَّغْطِ لِلْكَافِرِ وَحُصُولُ هَذِهِ الْحَالَةِ  
لِلْمُؤْمِنِ فِي أَوَّلِ نُزُولِهِ إِلَى قَبْرِهِ ثُمَّ يَعُودُ إِلَى الْإِنْفَسَاحِ لَهُ.

حاشیہ علی سنن النسائی: ج 1 ص 289 باب ضمة القبر وضغطته

ترجمہ: امام ابو القاسم السعدی فرماتے ہیں کہ قبر کے جھٹکے سے کوئی بھی محفوظ نہیں  
چاہے نیک ہو یا گناہگار البتہ مومن اور کافر میں یہ فرق ہے کہ مومن کو دفن کے بعد  
جھٹکا لگتا ہے پھر قبر کشادہ ہو جاتی ہے جبکہ کافر کو ہمیشہ عذاب ہوتا رہتا ہے۔

اشکال: جب قبر کا جھٹکا پیش آنا متعین ہے تو پھر پریشان ہونے اور دعا کرنے کی  
ضرورت کیا ہے؟

جواب: قبر کے جھٹکے کا پیش آنا اگرچہ متعین ہے لیکن اس سے خلاصی کی دعا تو کرنی  
چاہیے جیسے بیماری کا آنا متعین ہے کہ بندے پر آتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ  
بندہ پریشان بھی نہ ہو اور شفاء کے لیے دعا بھی نہ کرے۔

[2]: علامہ سیوطی، محمد تیمی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

عَنْ مُحَمَّدٍ الشَّيْبَانِيِّ قَالَ: كَانَ يُقَالُ إِنَّ ضَمَّةَ الْقَبْرِ إِثْمًا أَصْلَهَا أَثْمُهُمْ وَمِنْهَا  
خُلِقُوا فَغَابُوا عَنْهَا الْغَيْبَةُ الطَّوِيلَةُ فَلَمَّا رُذِّإَ إِلَيْهَا أَوْلَدَهَا ضَمَّتُهُمْ ضَمَّةُ الْوَالِدَةِ  
غَابَ عَنْهَا وَلَدُهَا ثُمَّ قَدِمَ عَلَيْهَا فَمَنْ كَانَ يَلِدُ مُطِيعًا ضَمَّتُهُ بِرَأْفَةٍ وَرَفِقٍ وَمَنْ  
كَانَ عَاصِيًا ضَمَّتُهُ بِعُغْفٍ سَخَطًا مِنْهَا عَلَيْهِ لِرَبِّهَا.

حاشیہ علی سنن النسائی: ج 1 ص 290 باب ضمة القبر وضغطته

ترجمہ: انسان کی تخلیق چونکہ مٹی سے ہوئی تو زمین انسان کی ماں کی طرح ہوئی  
انسان دنیا میں کافی عرصہ گزار کر جب قبر میں پہنچتا ہے تو قبر اس کو ایسے دباتی ہے جیسے

ماں بچھڑنے والے بچے کو دباتی ہے۔ پھر یہ مرنے والا اگر اللہ کی بات ماننے والا ہوتا ہے تو قبر اس کو محبت کی وجہ سے دباتی ہے اور اگر نافرمان ہو تو رب کی ناراضگی کی وجہ سے قبر سختی اور نفرت سے دباتی ہے۔

اشکال: یہ جواب بھی اشکال سے خالی نہیں کیونکہ اگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو محبت کی وجہ سے دبایا تو پریشانی کی ضرورت نہ تھی۔

جواب: اس اشکال کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ محبت کی وجہ سے دبایا جائے تب بھی تنگی اور پریشانی کا ہونا ممکن ہے۔ جس طرح ایک دوست دوسرے دوست کو گلے ملتے ہوئے حد درجہ دباتا ہے تو یہ دبانا اگرچہ محبت کی وجہ سے ہے لیکن تکلیف تو بہر حال ہوتی ہے۔

[3]: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی (ت 1396ھ) فرماتے ہیں:

”جن احادیث میں بعض صحابہ کرام پر مرنے کے بعد عذاب کا ذکر آیا ہے وہ عذاب آخرت و عذاب جہنم کا نہیں برزخی یعنی قبر کا عذاب ہے، یہ کوئی بعید نہیں ہے کہ صحابہ کرام میں سے اگر کسی سے کوئی گناہ سرزد ہو اور اتفاقاً توبہ کر کے اس سے پاک ہو جانے کا بھی موقع نہیں ہو اتوان کو برزخی عذاب کے ذریعہ پاک کر دیا جائے گا، تاکہ آخرت کا عذاب ان پر نہ رہے۔“

معارف القرآن: ج 8 ص 299 تحت قولہ تعالیٰ: ”وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنٰی“، سورۃ الحديد: 10

اشکال: یہ جواب بھی اشکال سے خالی نہیں کیونکہ اس صورت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ”محفوظ“ کہنا درست نہ ہوگا۔

جواب: اس اشکال کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ”محفوظ“ کہنا عمومی اور اکثری اعتبار سے ہے۔ لہذا اگرچہ ایک حضرات توبہ نہ کر سکے ہوں تو وہ



اس عمومی اور اکثری اعتبار کے خلاف نہ ہوں گے۔

[4]: بندہ کی رائے میں اس کا بہترین جواب یہ ہے کہ قبر کی زندگی دنیا کی زندگی کا تتمہ اور آخرت کا مقدمہ ہے۔ موت کے وقت کسی کو تکلیف ہونا اس کے فسق کی علامت نہیں جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو موت کے وقت تکلیف ہوئی۔ امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِالْمَوْتِ وَعِنْدَهُ قَدَحٌ فِيهِ مَاءٌ وَهُوَ يُدْخِلُ يَدَهُ فِي الْقَدَحِ ثُمَّ يَمْسَحُ وَجْهَهُ بِالنِّمَاءِ ثُمَّ يَقُولُ: "اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى مُنْكَرَاتِ أَوْ قَالَ سَكْرَاتِ الْمَوْتِ"

شمائل الترمذی: باب ما جاء في وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پانی کا پیالہ رکھا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پیالے میں اپنے ہاتھ مبارک ڈالتے اور چہرہ مبارک پر پھیرتے تھے اور ساتھ یہ دعا بھی فرماتے: اے اللہ! موت کی سختیوں پر میری مدد فرما۔

نیز ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ بھی فرماتی ہیں:

لَا أَغِيْطُ أَحَدًا يَهْوِي مَوْتٍ بَعْدَ الَّذِي رَأَيْتُ مِنْ شِدَّةِ مَوْتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

شمائل الترمذی: باب ما جاء في وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم

ترجمہ: موت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سختی تھی اس کو دیکھ کر اب مجھے کسی شخص کے مرض الموت میں تکلیف نہ ہونے پر رشک نہیں ہوتا۔  
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَبَّيْنا وَجَدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ كُرْبِ الْمَوْتِ مَا وَجَدَ قَالَتْ فَاطِمَةُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا: وَاکْرَبَاةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (لَا

كَرَبَ عَلَىٰ أَيْبِكَ بَعْدَ الْيَوْمِ إِنَّهُ قَدْ حَضَرَ مِنْ أَيْبِكَ مَا لَيْسَ بِتَارِكٍ مِنْهُ أَحَدًا  
الْمُؤَافَاةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

شمال الترمذی: باب ما جاء في وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موت کی سختی محسوس فرما رہے تھے تو آپ کی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہائے میرے ابا جی کی تکلیف! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج کے بعد تیرے والد پر کوئی تکلیف نہیں رہے گی، آج تیرے باپ پر وہ بھاری چیز اتری ہے (یعنی موت) جو کہ قیامت کے دن تک کسی بھی فرد کو نہیں چھوڑے گی۔

اگر موت کے وقت نبی کو تکلیف ہونا عصمت نبوت کے منافی نہیں تو صحابی کو قبر کا جھکا لگنا نہ ہی حفاظت کے منافی ہے اور نہ ہی فسق کی علامت ہے۔

تنقیحات متکلم اسلام

فائدہ نمبر 6:

عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام

مذکورہ گفتگو امت کے متعلق تھی۔ جہاں تک انبیاء علیہم السلام کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں اجماعی عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے اجساد عنصریہ وفات کے بعد اپنی زمینی قبور مبارکہ میں روح کے تعلق کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور مبارکہ میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ قبر پر آکر کوئی درود و سلام پڑھے تو خود سماعت فرماتے ہیں۔ دور سے پڑھا جائے تو فرشتوں کے ذریعے ان کی خدمت میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ ان سے قبور میں سوالات نہیں ہوتے۔ ان کی حیات اتنی قوی ہوتی ہے کہ ان کی ازواج سے ساتھ کسی کو نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا اور ان کا مال بھی میراث میں تقسیم نہیں ہوتا۔

## عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں صفاتِ باری تعالیٰ

وَكُلُّ شَيْءٍ ذَكَرَهُ الْعُلَمَاءُ بِالْفَارِسِيَّةِ مِنْ صِفَاتِ اللَّهِ عَزَّ اسْمُهُ فَجَائِزُ الْقَوْلِ بِهِ  
سِوَى الْيَدِ بِالْفَارِسِيَّةِ وَيَجُوزُ أَنْ يُقَالَ "بِرُوئے خدا" أَيْ عَزَّ وَجَلَّ بِلَا  
تَشْبِيهِ وَلَا كَيْفِيَّةٍ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی ہر وہ صفت جس کا ذکر علماء نے فارسی زبان میں کیا ہے اس کا  
اطلاق (ذاتِ باری تعالیٰ پر) جائز ہے سوائے لفظ ”ید“ کے (یعنی فارسی زبان میں  
”ید اللہ“ کو ”دستِ خدا“ کہنا جائز نہیں) ہاں فارسی میں ”بروئے خدا“ کہنا جائز ہے  
بشرطیکہ بغیر تشبیہ و کیفیت کے کہا جائے۔

### ضابطہ:

اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات کو بیان کرنے کے لیے لغت عرب میں وجہ،  
ید، عین، ساق وغیرہ کلمات استعمال ہوئے ہیں۔ غیر عربی زبان میں اگر صفاتِ باری  
تعالیٰ کو بیان کیا جائے تو کن کلمات کا استعمال جائز ہے اور کن کا استعمال جائز نہیں؟ امام  
اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے  
کہ عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات کو بیان کرنے کے لیے جو الفاظ  
ہوں گے وہ دو قسم کے ہیں:

(1): وہ لفظ غیر عربی زبان میں صرف ”عضو معروف“ ہی کے لیے استعمال ہوتا  
ہو، اس لفظ سے عضو معروف کے علاوہ مجازی طور پر کوئی اور معنی مراد نہ ہو۔ اس قسم  
کے الفاظ کا استعمال ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے جائز نہیں ہے۔ جیسے فارسی میں لفظ  
”دست“ ہے جس کا عربی زبان میں معنی ”ید“ ہے۔ لفظ ”دست“ کو فارسی زبان میں

اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کرتے ہوئے ”دستِ خدا“ کہنا جائز نہیں ہو گا کیونکہ لفظ ”دست“ فارسی زبان میں عضو معروف ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس سے مجازی طور پر کوئی دوسرا معنی مراد نہیں ہوتا۔

(2): وہ لفظ غیر عربی زبان میں ”عضو معروف“ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہو، ساتھ ساتھ اس سے مجازی طور پر کوئی اور معنی بھی مراد لیا جاتا ہو۔ اس قسم کے لفظ کا استعمال ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے جائز ہو گا۔ جیسے فارسی زبان میں لفظ ”رو“ ہے جس کا عربی زبان میں معنی ”وجہ“ ہے۔ لفظ ”رو“ کو فارسی زبان میں اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کرتے ہوئے ”بروئے خدا“ کہنا جائز ہو گا کیونکہ فارسی میں ”بروئے خدا“ مجازی طور پر ”سامنے“ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (یعنی اَمَّاہُ اللہ) اس قسم کے الفاظ کے استعمال کی شرط یہ ہے کہ یہ استعمال بغیر تشبیہ اور کیفیت کے کیا جائے کیونکہ کیفیت؛ اجسام کے لوازمات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ جسم اور لوازماتِ جسم سے پاک ہے۔ اسی طرح مخلوقات کی تشبیہ سے بھی پاک ہے۔

### فائدہ نمبر 1:

اوپر بیان کیا گیا حکم عربی زبان کے علاوہ دیگر زبانوں کے لیے ہے۔ یہ الفاظ چونکہ خود عربی زبان میں منقول ہیں اس لیے عربی زبان میں ان الفاظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر جائز ہے۔

### تنبیہ:

یہ بات واضح رہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں لفظ ”دست“ کا استعمال عضو معروف، ہاتھ کے معنی میں مستعمل تھا، مجازی طور پر اس کا دوسرا معنی مراد نہیں لیا جاتا تھا لیکن اب عرف تبدیل ہو چکا ہے۔ اب فارسی زبان میں ”دست“ کا لفظ مجازاً؛ قوت،

طاقت، سلطنت، دوستی اور معاونت جیسے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے آج لفظ ”دست“ کا استعمال کرتے ہوئے ”دستِ خدا“ کہنا جائز ہے۔ اس حوالے سے چند معروف شعراء کرام کا کلام اور لغات کو پیش کیا جاتا ہے۔ معروف فارسی شاعر نظام الدین ابو محمد الیاس نظامی (ت 600ھ تقریباً) اپنے اشعار میں لفظ ”دست“ کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

چو از دست تو ناید ہیچ کاری

بہ دست دیگران میگیر ماری

ترجمہ: جب ذرا برابر کام کرنا تمہارے بس کی بات نہیں تو دوسروں سے سانپ مت پکڑو! (یعنی خود کچھ نہیں کرتے تو دوسروں کو مشکلات میں مت ڈالو) ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

بہ سختی می گذشتش روزگاری

نمی آمد ز دستش ہیچ کاری

ترجمہ: اس کے شب و روز مشکلات میں گزرتے تھے (اس لیے) اس کے ہاتھ سے کوئی کام بھی سرانجام نہیں پایا (یہاں دست؛ طاقت کے معنی میں استعمال ہوا ہے) شیخ ابو محمد مصلح الدین بن عبد اللہ سعدی شیرازی (ت 691ھ) کے اشعار ملاحظہ ہوں:

خدمتی لایقم از دست نیاید چہ کنم

سر نہ چیز یست کہ در پائے عزیزان بازم

ترجمہ: میں آپ کی شان کے لائق خدمت کرنے سے عاجز ہوں (بلکہ میرا تو عالم یہ ہے کہ) میرا سر اس لائق نہیں کہ دوستوں کے قدموں پہ قربان کر دوں! (یعنی میرے دوستوں کا مقام اس سے بھی بلند تر ہے)

گرت ز دست بر آید چو نخل باش کریم

ورت ز دست نیاید چو سرو باش آزاد

ترجمہ: اگر آپ میں قوت و صلاحیت موجود ہے تو کھجور کے درخت کی طرح کریم بن جائیں اور اگر آپ کے ہاتھ سے کچھ ممکن نہیں (یعنی اگر کام کرنا آپ کی طاقت سے باہر ہے) تو ٹھیک ہے پھر آپ صنوبر کی طرح آزاد ہیں۔

اولاتر آنکہ ہم تو گیری ز لطف خویش

دستی و گرنہ پہچ نیاید ز دست ما

ترجمہ: بہتر تو یہی ہے کہ آپ لطف و کرم فرماتے ہوئے معاونت کریں ورنہ ہمارے بس میں تو کچھ نہیں (یعنی ہم تو اس معاملے میں بے بس ہیں) لغت نامہ دھندا میں دست کا معنی ”قوت و توانائی“ ہے۔ فرہنگ معین میں اس کا معنی ”توانائی و قدرت“ ہے اور فرہنگ عمید میں ”قدرت و سلطہ“ ہے۔

فائدہ نمبر 2:

”لغت فارسی“ کی قید اتفاقی ہے، مراد ہر زبان میں ان الفاظ کا استعمال ہے۔

فائدہ نمبر 3:

اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے لفظ ”خدا“ کا استعمال کرنا کئی ایک اکابر سے ثابت

ہے:

1: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوئی (ت 150ھ) فرماتے ہیں:

"وَيَجُوزُ أَنْ يُقَالَ "بروئے خدا" أَمَّا عَزَّ وَجَلَّ بَلَا تَشْبِيهِ وَلَا كَيْفِيَّةٍ."

ترجمہ: ”بروئے خدا“ کہنا جائز ہے بشرطیکہ بغیر تشبیہ و کیفیت کے کہا جائے۔

2: امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازی الشافعی (ت 606ھ)

لکھتے ہیں:

وَقَوْلُهُمْ بِالْفَارِسِيَّةِ "خُدَاي" مَعْنَاهُ أَنَّهُ وَاجِبُ الوجودِ لِدَاتِهِ لِأَنَّ قَوْلَنَا "خُدَاي" كَلِمَةٌ مُرَكَّبَةٌ مِنْ لَفْظَتَيْنِ فِي الْفَارِسِيَّةِ: إِحْدَاهُمَا: حُودَ، وَمَعْنَاهَا ذَاتُ الشَّيْءِ وَنَفْسُهُ وَحَقِيقَتُهُ وَالثَّانِيَةُ قَوْلُنَا: "آي" وَمَعْنَاهَا جَاءَ، فَقَوْلُنَا: "خُدَاي" مَعْنَاهُ أَنَّهُ بِنَفْسِهِ جَاءَ، وَهُوَ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُ بِنَفْسِهِ وَذَاتِهِ جَاءَ إِلَى الوجودِ لَا بِغَيْرِهِ، وَعَلَى هَذَا الوجودِ فَيصِيرُ تَفْسِيرُ قَوْلِهِمْ: "خُدَاي" أَنَّهُ لِدَاتِهِ كَانَ مَوْجُودًا.

التفسير الكبير: ج 1 ص 136 تفسير سورة الفاتحة مباحث بسم الله الرحمن الرحيم

ترجمہ: اہل فارس جب اللہ تعالیٰ کو ”خدا“ کہتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ذات ہے کیونکہ ہمارا لفظ ”خدا“ یہ دو لفظوں سے مرکب ہے۔ ان میں سے ایک لفظ ”خود“ ہے جس کا معنی کسی چیز کی ذات اور حقیقت ہے۔ دوسرا لفظ ”آ“ ہے جس کا معنی ہے ”آیا“۔ تو ”خدا“ کا معنی ہو گا ایسی ذات جو خود بخود موجود ہو۔ یہ اشارہ اس بات کی طرف کہ اللہ تعالیٰ خود بخود موجود میں آئے ہیں بغیر کسی کے موجود کرنے کے۔ اس تشریح کے مطابق لفظ ”خدا“ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود بخود موجود ہے۔

3: شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی (ت 1394ھ) فرماتے ہیں:

”کسی شے کا وجود ذاتی اور خود بخود نہیں۔ خدا کو خدا اس لیے کہتے ہیں کہ وہ خود بخود ہے اور اس کا وجود ذاتی ہے اس کے سوا جو چیز بھی موجود کہلاتی ہے تو اس کا وجود خدائے واجب الوجود کے سہارے سے ہے۔“

(معارف القرآن ج 6 ص 81 تحت قولہ تعالیٰ: ”كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ“ سورة القصص: 88)

4: شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید (ت 1413ھ) لکھتے ہیں:

”رب“ اسماء حسنیٰ میں شامل ہے اور قرآن و حدیث میں بار بار آتا ہے۔ فارسی اور اردو میں اسی کا ترجمہ ”خدا“ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس لیے ”خدا“ کہنا صحیح ہے اور ہمیشہ سے اکابر امت اس لفظ کو استعمال کرتے آئے ہیں۔

آپ کے مسائل اور ان کا حل: ج 2 ص 565

5: فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی (ت 1416ھ) لکھتے ہیں:

اس صورت میں ان ہی ناموں کو منع کیا جاسکتا ہے جو غیر قوم کا شعار ہیں اور جو شعار نہیں ان کو منع نہیں جاسکتا جیسے خدا، ایزد، یزداں کہ یہ نام کسی مخصوص غیر مسلم کے شعار نہیں بلکہ بکثرت اہل اسلام کی تصانیف میں موجود ہیں۔

فتاویٰ محمودیہ: ج 1 ص 271

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

”خدا ہر جگہ موجود ہے۔“

ملفوظات فقیہ الامت: ج 2 ص 14

6: مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی رحمہ اللہ (ت 1424ھ)

مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ و فاضل دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ وجود اور ذات کے اعتبار سے قریب ہے، علم اور قدرت کے

اعتبار سے بھی خدا تعالیٰ قریب ہے۔“

معالم العرفان فی دروس القرآن: ج 3 ص 200 تحت قولہ تعالیٰ وَ

إِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ: 186

مزید تفصیل کے لیے اس موضوع پر ہمارا مقالہ ”اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا جائز

ہے“ دیکھا جاسکتا ہے۔



## اللہ تعالیٰ کے مخلوق سے قریب اور دور ہونے کا معنی

وَلَيْسَ قُرْبُ اللَّهِ تَعَالَى وَلَا بُعْدُهُ مِنْ طَرِيقِ طُولِ الْمَسَافَةِ وَقَصْرِهَا وَلَكِنْ عَلَى مَعْنَى الْكَرَامَةِ وَالْهَوَانِ وَالْمُطِيعُ قَرِيبٌ مِنْهُ بِلَا كَيْفٍ وَالْعَاصِي بَعِيدٌ مِنْهُ بِلَا كَيْفٍ وَالْقُرْبُ وَالْبُعْدُ الْإِقْبَالُ يَقَعُ عَلَى الْمَنَاجِي وَكَذَلِكَ جَوَارُهُ فِي الْجَنَّةِ وَالْوُقُوفُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِلَا كَيْفٍ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا قرب اور دوری مسافت کی کمی بیشی کے اعتبار سے نہیں بلکہ عزت اور ذلت کے معنی کے اعتبار سے ہے۔ چنانچہ فرمانبردار شخص اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے لیکن یہ قرب بغیر کسی کیفیت کے ہے اور نافرمان شخص اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے لیکن یہ دوری بھی بغیر کیفیت کے ہوتی ہے۔ قریب ہونے، دور ہونے اور متوجہ ہونے کا اطلاق خدا تعالیٰ کے حضور مناجات کرنے والے شخص پر (بھی) ہوتا ہے۔ اسی طرح فرمانبردار شخص کا جنت میں اللہ کے جوار (ہمسائیگی) میں ہونا اور اس کے روبرو کھڑا ہونا بھی بغیر کسی کیفیت کے ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ: وَلَيْسَ قُرْبُ اللَّهِ تَعَالَى وَلَا بُعْدُهُ مِنْ طَرِيقِ طُولِ الْمَسَافَةِ وَقَصْرِهَا وَلَكِنْ عَلَى مَعْنَى الْكَرَامَةِ وَالْهَوَانِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا قرب اور دوری مسافت کی کمی بیشی کے اعتبار سے نہیں بلکہ عزت اور ذلت کے معنی کے اعتبار سے ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مسافت کے اعتبار سے قریب یا دور ہونا اجسام کی صفات ہیں۔ اجسام طول، عرض، عمق رکھتے ہیں اور مکان کو بھی گھیرتے ہیں۔ اس لیے دو جسموں کے درمیان تو حسی طور قریب ہونے یا دور ہونے کا یہ معنی تصور کیا جاسکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ چونکہ جسم اور مکان سے پاک ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے جب قرب یا بعد کے

الفاظ استعمال کیے جائیں تو ان سے حسی اور مکانی فاصلے والا معنی مراد نہیں ہوتا بلکہ اس سے مراد قرب یا بعد معنوی ہوتا ہے یعنی فرمانبردار آدمی کو اللہ تعالیٰ اعزاز و اکرام اور مقام و مرتبہ سے نوازتے ہیں اور گناہگار آدمی کو ذلیل اور رسوا کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ

سورۃ الاعراف: 56

ترجمہ: بے شک اللہ کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہے۔

اس آیت سے جس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نیک لوگوں کے قریب ہونا معلوم ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گناہگار اور فاسق لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہیں۔

دوسری جگہ حضرت صالح علیہ السلام کی بات نقل کرتے ہوئے ارشاد ہے:

إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ

سورۃ ہود: 61

ترجمہ: میرا رب قریب ہے، (دعائیں) قبول کرنے والا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَأٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَأٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ بِشَيْءٍ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذَرَأًا وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذَرَأًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا وَإِنْ أَتَانِي يَمْسِحُ أَتَيْتُهُ هَرَوَلَةً."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 7405

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق اس سے معاملہ کرتا ہوں۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ چنانچہ اگر وہ

مجھے اکیلا یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اکیلا یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے محفل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس سے بہتر (فرشتوں کی) محفل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے ایک بالشت برابر قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اس سے دو ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔

اس حدیث میں ”وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَىٰ بَشِيرٍ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذَرَأًا“ کے الفاظ ہیں کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ سے قریب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے قریب ہوتے ہیں۔  
عَنْ أَبِي بَنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "مَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ أَوْ أَحَدَهُمَا ثُمَّ دَخَلَ النَّارَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَأَبْعَدَهُ اللَّهُ."

مسند احمد: ج 14 ص 359 رقم الحدیث 18928

ترجمہ: حضرت ابی بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے والدین کو یا دونوں میں سے کسی ایک کو پایا لیکن (ان کی خدمت کر کے جنت میں جانے کے بجائے) جہنم میں چلا گیا تو ایسے آدمی کو اللہ تعالیٰ دور فرمادیتے ہیں۔

ان آیات اور احادیث میں قرب اور بعد کے الفاظ مروی ہیں لیکن ان کا حقیقی معنی حسی طور پر قریب ہونا مراد نہیں بلکہ ان سے مراد فرمانبردار اور نیک شخص کو عزت دینا اور نافرمان اور گنہگار شخص کو ذلیل و رسوا کرنا ہے۔

قَوْلُهُ: وَالْمُطِيعُ قَرِيبٌ مِنْهُ بِلَا كَيْفٍ وَالْعَاصِي بَعِيدٌ مِنْهُ بِلَا كَيْفٍ  
ترجمہ: فرمانبردار شخص اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے لیکن یہ قرب بغیر کسی کیفیت کے ہے اور نافرمان شخص اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے لیکن یہ دوری بھی بغیر کیفیت کے ہوتی ہے۔

قرب اور بعد کا اجمالی معنی (اعزاز و اکرام، ذلیل و رسوا کرنا) بیان کرنے کے بعد امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت میں عقیدہ تفویض کا اظہار فرما رہے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ تشابہات کو تاویل اجمالی کے ساتھ بیان کر کے اس کا حقیقی معنی اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے تو یہ درست ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے قرب اور بعد سے متعلق یہ کہنا چاہیے کہ ”فرمانبردار شخص اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے اور نافرمان شخص اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے لیکن یہ قربت اور دوری بغیر کسی کیفیت کے ہے۔“

فائدہ نمبر 1: صفات تشابہات کے بارے میں متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف ”تفویض“ کا ہے کہ ہمیں ان صفات کا حتمی معنی معلوم نہیں، ہم ان کے معانی و مفہیم کو اس اعتقاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ صفات ثابت ہیں لیکن مخلوق کی مشابہت سے پاک ہیں۔ البتہ متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ سے تاویل اجمالی بھی ثابت ہے۔ تاویل اجمالی کو بیان کرنا ان صفات تشابہات کے قطعی معنی کے ہرگز منافی نہیں ہے جیسے قیامت کا قطعی علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے کہ کب آئے گی لیکن اس کی اجمالی علامات کا علم ہو جانا جو محض ظن کا فائدہ دیتی ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے قطعی علم کے منافی نہیں ہے۔

چند متقدمین اکابرین کے حوالہ جات پیش ہیں جنہوں نے صفات تشابہات کا تاویلی معنی بیان کیا ہے:

1: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (ت 68ھ)

حافظ ابو الفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت 852ھ) لکھتے ہیں:  
وَأَمَّا السَّاقِ فَجَاءَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى "يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ" قَالَ: عَنْ شِدَّةٍ مِنَ الْأَمْرِ.

فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج 13 ص 524، باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناظرۃ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے فرمان "يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ" کہ جس دن ساق کھول دی جائے گی میں لفظ "ساق" کا معنی بیان کرتے ہوئے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (ت 68ھ) فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ جس دن سخت معاملہ رونما ہو گا۔

2: امام مجاہد بن جبر المکی (ت 103ھ)

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) فرماتے ہیں:

وَقَالَ مُجَاهِدٌ "اسْتَوَى" عَلَا عَلَى الْعَرْشِ.

صحیح البخاری: کتاب التوحید، باب دکان عرشہ علی الماء

ترجمہ: امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اسْتَوَى" کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر غالب ہوا۔

3: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی (ت 150ھ) فرماتے ہیں:

قَوْلُهُ: وَلَيْسَ قُرْبُ اللَّهِ تَعَالَى وَلَا بُعْدُهُ مِنْ طَرِيقِ طَوْلِ الْمَسَافَةِ وَقَصْرِهَا وَلَكِنْ عَلَى مَعْنَى الْكَرَامَةِ وَالْهَوَانِ.

الفقہ الاکبر

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا قرب اور دوری مسافت کی کمی بیشی کے اعتبار سے نہیں بلکہ عزت اور ذلت کے معنی کے اعتبار سے ہے۔

4: امام ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن یحییٰ بن مبارک اللغوی النخوی (ت 237ھ) لکھتے ہیں:

"الْكَرْحَمْنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى" اسْتَوَى: اسْتَوَى.

غریب القرآن وتفسیرہ: ص 243

ترجمہ: "اللہ عرش پر مستوی ہوا" کا معنی ہے کہ عرش کا مالک بنا۔

فائدہ نمبر 2: الفقہ الاکبر کی مذکورہ عبارت "وَلَيْسَ قُرْبُ اللَّهِ تَعَالَى وَلَا

بُعْدُهُ مِنْ طَرِيقِ طَوْلِ الْمَسَافَةِ وَقَصْرُهَا وَلَكِنْ عَلَى مَعْنَى الْكَرَامَةِ وَالْهَوَانِ “ان نسخوں میں موجود ہے:

- 1: متن الفقہ الاکبر مخطوط، مکتبہ ازہریہ، مصر
- 2: متن الفقہ الاکبر مخطوط، شاہ سعود یونیورسٹی
- 3: شرح الفقہ الاکبر مخطوط، للامام الیاس بن ابراہیم السینوبی الشیبانی الحنفی (ت 891ھ)
- 4: شرح الفقہ الاکبر مخطوط و مطبوع، لابی المنتہی شہاب الدین احمد بن محمد المَغْنِیْسَاوِی الرومی الحنفی (ت 1000ھ)
- 5: متن الفقہ الاکبر مطبوع، مطبع مجلس دائرۃ المعارف حیدر آباد ہند (طبع 1399ھ)
- 6: متن الفقہ الاکبر مطبوع، مع ترجمہ مولانا صوفی عبد الحمید سواتی، مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ (ت 1424ھ)
- 7: متن الفقہ الاکبر مرتبہ مفتی محمد ابراہیم تیموری سلمہ اللہ، انگلینڈ (طبع 1442ھ)

اس عبارت کے مطابق ماقبل میں تشریح کر دی گئی ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے صفات متشابہات کا اجمالاً تاویلی معنی بیان فرما کر ”تفویض“ کا قول بھی فرما دیا ہے۔ البتہ بعض نسخوں میں عبارت کچھ یوں ہے:

”وَلَيْسَ قُرْبُ اللَّهِ تَعَالَى وَلَا بُعْدُهُ مِنْ طَرِيقِ طَوْلِ الْمَسَافَةِ وَقَصْرُهَا وَلَا عَلَى مَعْنَى الْكَرَامَةِ وَالْهَوَانِ وَلَكِنَّ الْمُطِيعَ قَرِيبٌ مِنْهُ بِلَا كَيْفٍ وَالْعَاصِيَ بَعِيدٌ مِنْهُ بِلَا كَيْفٍ“

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا قرب اور دوری مسافت کی کمی بیشی کے اعتبار سے نہیں اور نہ ہی

عزت اور ذلت کے معنی کے اعتبار سے ہے البتہ فرمانبردار شخص اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کیفیت کے قریب ہوتا ہے اور نافرمان شخص اللہ تعالیٰ سے بغیر کیفیت کے دور ہوتا ہے۔

یہ عبارت ان نسخوں میں موجود ہے:

1: القول الفصل شرح الفقہ الاکبر مطبوع، شیخ محی الدین محمد بن بہاؤ الدین (ت 956ھ)

2: شرح الفقہ الاکبر مطبوع، ملا علی القاری (ت 1014ھ)

3: احسن الفوائد شرح الفقہ الاکبر مطبوع، سید حسن شاہ (ت 1391ھ)

4: الدر الاذہر فی شرح الفقہ الاکبر مطبوع، ابو محمد عبد القادر بن محمد ادریس بن محمد محمود العمری الخفنی السہتی

اس عبارت کے مطابق تشریح یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ یہاں مسلک تفویض ہی کو ترجیح دے رہے ہیں کہ قرب اور بعد صفات متشابہات میں سے ہیں اس لیے بغیر تاویل اور کیفیت کے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بولے جائیں گے۔ ان سے مراد حقیقی معنی؛ قرب و بعد حسی اور مکانی نہیں کیونکہ یہ ان اشیاء کی صفات ہیں جو جسم اور مکان رکھتی ہیں۔ نیز ان کا مجازی معنی اعزاز و اکرام سے نوازا یا ذلیل و رسوا کرنا بھی مراد نہیں کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی تاویل ہے، گو اجمالی ہی ہو لیکن بہر حال تاویل ضرور ہے۔ تو کمال تنزیہ یہی ہے کہ ان صفات کا اجمالاً تاویلی معنی بھی مراد نہ لیا جائے بلکہ تاویل کے بجائے قرب و بعد بلا کیف مراد لیا جائے۔ اس لیے اب یوں کہا جائے:

”وَلَكِنَّ الْمُطِيعَ قَرِيبٌ مِنْهُ بِلَا كَيْفٍ وَالْعَاصِيَ بَعِيدٌ مِنْهُ بِلَا كَيْفٍ“ کہ فرمانبردار شخص بغیر کسی کیفیت کے اللہ تعالیٰ سے قریب ہوتا ہے اور نافرمان شخص بغیر کیفیت کے اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ: وَالْقُرْبُ وَالْبُعْدُ وَالْإِقْبَالُ يَقَعُ عَلَى الْمَنَاجِي.

ترجمہ: قریب ہونے، دور ہونے اور متوجہ ہونے کا اطلاق خدا تعالیٰ کے حضور مناجات کرنے والے شخص پر (بھی) ہوتا ہے۔

شارح فقہ اکبر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت کی مراد یہ بیان کرتے

ہیں:

(وَالْقُرْبُ وَالْبُعْدُ وَالْإِقْبَالُ يَقَعُ عَلَى الْمَنَاجِي) أَيْ يُطْلَقُ أَيْضاً عَلَى الْعَبْدِ الْمُتَضَرِّعِ إِلَى اللَّهِ، الْمُتَذَلِّلِ لَدَيْهِ طَالِباً لِرِضَاؤِهِ.

شرح الفقہ الاکبر لعلی القاری: ص 215

ترجمہ: قریب ہونے، دور ہونے اور متوجہ ہونے کا اطلاق مناجات کرنے والے شخص پر بھی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی عاجزی کا اظہار کر رہا ہو اور اس کی رضامندی کا طلب گار ہو۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ قرب، بعد، اقبال وغیرہ کا اطلاق جس طرح اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے اسی طرح بندے پر بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جب یہ الفاظ بولے جائیں تو ان کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن بندے کو عزت سے نوازتے ہیں، کافر بندے کو ذلیل اور رسوا کرتے ہیں اور اپنی طرف رجوع کرنے والے پر اپنی رحمت فرماتے ہیں۔ جبکہ بندے کے لیے جب یہ الفاظ بولے جائیں تو ان کا معنی اور ہوتا ہے۔ چنانچہ ”بندہ اللہ سے قریب ہے“ کا معنی یہ ہے کہ بندہ عبادت کی حالت میں انتہائی عاجزی کا اظہار کر رہا ہے جیسا کہ ان نصوص میں ملتا ہے:

وَأَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ

سورۃ العلق: 19

ترجمہ: اپنے رب کو سجدہ کرو اور قریب ہو جاؤ!



عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ، فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ".

صحیح مسلم: رقم الحدیث 482

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ حالت جس میں بندہ اپنے رب کے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے وہ سجدے کی حالت ہوتی ہے، اس لیے سجدے میں خوب دعا مانگا کرو!

اسی طرح بندے کے اللہ تعالیٰ سے دور ہونے کا معنی یہ ہے کہ بندہ کوئی ایسا گناہ کر رہا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی سے دور ہو رہا ہے جیسا کہ اس حدیث مبارک میں ہے:

عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَحْضَرُوا الْمُنْبِرَ فَخَضَرْنَا، فَلَمَّا ارْتَفَى دَرَجَةٌ قَالَ: آمِينَ، فَلَمَّا ارْتَفَى الدَّرَجَةُ الثَّانِيَةُ قَالَ: آمِينَ، فَلَمَّا ارْتَفَى الدَّرَجَةُ الثَّالِثَةُ قَالَ: آمِينَ، فَلَمَّا فَرَغَ نَزَلَ مِنَ الْمُنْبِرِ قَالَ: فَقُلْنَا لَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَقَدْ سَمِعْنَا الْيَوْمَ مِنْكَ شَيْئًا لَمْ نَكُنْ نَسْمَعُهُ قَالَ: إِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَرَّضَ لِي فَقَالَ: بَعْدَ مَنْ أَذْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ فَقُلْتُ: آمِينَ فَلَمَّا رَفِيتُ الثَّانِيَةَ قَالَ: بَعْدَ مَنْ ذُكِرَتْ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ فَقُلْتُ: آمِينَ، فَلَمَّا رَفِيتُ الثَّالِثَةَ قَالَ: بَعْدَ مَنْ أَذْرَكَ وَالِدِيهِ الْكَبِيرَ عِنْدَهُ أَوْ أَحَدَهُمَا، فَلَمْ يُدْخِلْهُ الْجَنَّةَ - أَظْنَعُ قَالَ - فَقُلْتُ: آمِينَ •

شعب الایمان للبیہقی: ج 2 ص 215 رقم الحدیث 1572

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منبر کے قریب ہو جاؤ۔ ہم لوگ (قریب قریب) حاضر ہو گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کے پہلے زینہ پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین۔ جب دوسرے زینہ پر قدم رکھا تو پھر فرمایا: آمین، جب تیسرے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا

آمین۔ جب آپ علیہ السلام خطبہ سے فارغ ہو کر نیچے تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا کہ ہم نے آج آپ سے ایسی بات سنی ہے جو پہلے کبھی نہیں سنی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت جبرئیل میرے پاس آئے تھے۔ جب میں نے پہلے درجہ پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا: ہلاک ہو جائے وہ شخص جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا اور پھر بھی اس کی مغفرت نہیں ہوئی، میں نے کہا: آمین، پھر جب میں دوسرے درجے پر چڑھا تو انہوں نے کہا: ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے آپ کا ذکر مبارک ہو اور وہ درود نہ بھیجے، میں نے کہا: آمین، جب میں تیسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا: ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کی حالت میں آئیں اور وہ اس کو جنت میں داخل نہ کرائیں، میں نے کہا: آمین۔ اس طرح بندے کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ یہ بندہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کر رہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح یہ الفاظ (قرب، بعد اور اقبال) اللہ تعالیٰ کے لیے بولے جاتے ہیں اسی طرح بندے کے لیے بھی بولے جاتے ہیں البتہ بندے کے حق میں ان الفاظ کا مجازی معنی مراد ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم، مکان اور جہت سے پاک ہے۔ نیز یہ قرب و بعد بھی بغیر کسی کیفیت کے ہے جیسا کہ مسئلہ تفویض کے بیان میں گزرا۔

قَوْلُهُ: وَكَذَلِكَ جَوَازُهُ فِي الْجَنَّةِ وَالْوُقُوفُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِلَا كَيْفٍ.

ترجمہ: اسی طرح فرمانبردار شخص کا جنت میں اللہ کے جوار (ہمسائیگی) میں ہونا اور اس کے روبرو کھڑا ہونا بھی بغیر کسی کیفیت کے ہوتا ہے۔

ما قبل میں چونکہ دو نسخوں کا ذکر کیا گیا ہے اس لیے امام صاحب کی عبارت ”وَكَذَلِكَ“ کے مشار الیہ میں بھی دو احتمال ہیں۔ ان دونوں کے مطابق ”وَكَذَلِكَ

جَوَادٌ فِي الْجَنَّةِ وَالْوُقُوفُ بَيْنَ يَدَيْهِ بَلَا كَيْفٍ“ کے بھی دو مفہوم ہو سکتے ہیں:

مفہوم اول:

”وَكَذَلِكَ“ سے مراد اول نسخہ کی عبارت ہو (تاویل اجمالی مع عقیدہ تفویض) ہو تو اس صورت میں اس عبارت کا معنی یہ ہو گا کہ جس طرح ”قرب“ کا معنی اعزاز و اکرام اور ”بعد“ کا معنی اذلال ہے اسی طرح وہ آیات و احادیث جن میں بندے کا اللہ تعالیٰ کی ہمسائیگی میں جنت میں ہونے یا اس کے سامنے کھڑا ہونے کا ذکر ہے ان سے مراد بھی حقیقی معنی نہیں ہے بلکہ مجازی معنی بلا کیف مراد ہے۔ چنانچہ آیت

يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ

سورة المطففين: 6

ترجمہ: جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔  
میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے سے مراد حساب کتاب کے لیے حاضر ہونا ہے اور یہ حاضری بلا کیف ہے۔

فِي مَقْعَدٍ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ

سورة القمر: 55

ترجمہ: (پرہیز گار لوگ) پاک مقام میں قادرِ مطلق بادشاہ کے پاس ہوں گے۔  
”عِنْدَ“ (پاس ہونا) سے مراد ”عندیت مکان“ (جگہ کے اعتبار سے قریب ہونا) نہیں بلکہ ”عندیت مکانہ“ (اللہ کے ہاں مقام و مرتبہ والا ہونا) مراد ہے اور یہ عندیت بھی بلا کیف ہے۔

اسی طرح حدیث مبارک میں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَرْفَعُهُ قَالَ: خَلَقَ اللَّهُ جَنَّةً عَدْنٍ يَبِيدُهُ، وَدَلَّى فِيهَا ثَمَارَهَا، وَشَقَّ فِيهَا أُنْهَارَهَا، ثُمَّ نَظَرَ إِلَيْهَا فَقَالَ: "قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ"

قَالَ: وَعِزَّتِي لَا يُجَاوِرُنِي فِيكَ بَخِيلٌ.

الجمع الكبير للطبرانی: ج 6 ص 96 رقم الحديث 12555

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت ہے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) کہ اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا، پھر اس میں پھل پیدا فرمائے، اس میں نہریں جاری فرمائیں، پھر اس کی طرف دیکھا اور فرمایا: بے شک مومن لوگ کامیاب ہو گئے۔ پھر (جنت کو مخاطب کر کے) فرمایا: میری عزت کی قسم! ایسا نہیں ہو سکتا کہ بخیل آدمی تمہارے اندر رہ کر میری جوار (ہمسائیگی) کا حق دار ہو سکے!

اس حدیث میں ”لَا يُجَاوِرُنِي“ سے مراد جنت میں رحمت الہی کے سایہ میں ہونا ہے لیکن یہ جوار بھی بلا کیف ہو گا۔

مفہوم ثانی:

”وَكَذَلِكَ“ سے مراد ثانی نسخہ کی عبارت ہو (فقط عقیدہ تفویض) ہو تو اس صورت میں عبارت کا معنی یہ ہو گا کہ جس طرح ”قرب“ اور ”بعد“ سے حسی اور مکانی مسافت والا معنی مراد نہیں اور نہ ہی اعزاز و اکرام اور رسوا اور ذلیل کرنے والا مجازی معنی مراد ہے بلکہ وہاں قرب و بعد بلا کیف مراد ہے بالکل اسی طرح وہ آیات اور احادیث جن میں بندے کا اللہ تعالیٰ کی ہمسائیگی میں یا اس کے سامنے کھڑا ہونے کا ذکر ہے ان سے مراد بھی بلا کیف جوار (ہمسائیگی) میں ہونا اور بلا کیف اس کے روہر و کھڑا ہونا ہے۔

## قرآن کریم کی تعریف اور آیات قرآن کی فضیلت

وَالْقُرْآنُ مُنْزَّلٌ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوبٌ وَأَيَّاتُ الْقُرْآنِ فِي مَعْنَى الْكَلَامِ كُلُّهَا مُسْتَوِيَةٌ فِي الْفَضِيلَةِ وَالْعَظَمَةِ إِلَّا أَنَّ لِبَعْضِهَا فَضِيلَةً الذِّكْرِ وَفَضِيلَةً الْمَذْكُورِ مِثْلَ آيَةِ الْكَرْسِيِّ لِأَنَّ الْمَذْكُورَ فِيهَا جَلَالُ اللَّهِ تَعَالَى وَعَظَمَتُهُ وَصِفَاتُهُ فَاجْتَمَعَتْ فِيهَا فَضِيلَتَانِ ؛ فَضِيلَةُ الذِّكْرِ وَفَضِيلَةُ الْمَذْكُورِ وَلِبَعْضِهَا فَضِيلَةُ الذِّكْرِ فَحَسِبْ مِثْلَ قِصَّةِ الْكُفَّارِ وَلَيْسَ لِلْمَذْكُورِ فِيهَا فَضْلٌ وَهُمْ الْكُفَّارُ وَكَذَلِكَ الْأَسْمَاءُ وَالصِّفَاتُ كُلُّهَا مُسْتَوِيَةٌ فِي الْعَظَمَةِ وَالْفَضْلِ لَا تَفَاوُتَ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور مصاحف میں لکھا گیا۔ قرآن کریم کی تمام آیات کلام اللہ ہونے کی بناء پر فضیلت و عظمت میں تو باہم مساوی ہیں البتہ ذکر و مذکور کے اعتبار سے بعض آیات خصوصی فضیلت کی حامل ہیں۔ جیسے آیت الکرسی کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے جلال، عظمت اور صفات کا تذکرہ ہے۔ یوں اس میں دو فضیلتیں جمع ہو جاتی ہیں: ایک ذکر کی فضیلت اور دوسری مذکور کی فضیلت۔ بعض آیات کو فقط ذکر ہونے کے اعتبار سے فضیلت حاصل ہے جیسے وہ آیات جن میں کفار کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان آیات میں جو مذکور ہیں (یعنی کفار) وہ فضیلت کے حامل نہیں۔ اسی طرح وہ آیات جن میں باری تعالیٰ کے اسماء و صفات کا ذکر ہے وہ بھی عظمت اور فضیلت میں باہم مساوی ہیں، (باعتبار فضیلت) ان میں کوئی فرق نہیں۔

کلام کی فضیلت میں بنیادی طور پر دو باتیں ملحوظ ہوتی ہیں:

(1): یہ دیکھا جائے کہ کس ذات کا کلام ہے؟ متکلم ذات جتنی بلند مرتبہ کی حامل

ہوگی اس کے کلام میں اتنی ہی فضیلت پائی جائے گی۔ عرب کا ایک مقولہ ہے: ”کَلَامُ الْمُلُوكِ مُلُوكُ الْكَلَامِ“ کہ بادشاہوں کا کلام تمام کلاموں کا بادشاہ ہوا کرتا ہے۔

(2): یہ دیکھا جائے کہ کلام میں کس چیز کا تذکرہ کیا جا رہا ہے؟ مذکور ذات کی عظمت سے بھی کلام کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ معروف صحابی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

مَا إِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِي لَكِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِي بِمُحَمَّدٍ

روح المعانی: ج 4 ص 497 تحت الآیہ ”إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ“ سورة المائدة: 44 ترجمہ: میں اپنے شعر سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف نہیں کرتا بلکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ سے میری بات قابلِ تعریف ہو جاتی ہے۔ اس اصول کے پیش نظر قرآن کریم کی آیات کی بھی دو قسمیں ہیں۔

1: بعض آیات ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان، جاہ و جلال، کبریائی اور صفاتِ عالیہ کا تذکرہ ہے۔ یہ آیات دوہری فضیلت کی حامل ہیں۔ ایک فضیلتِ خود ذکر ہونے کی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور دوسری فضیلتِ مذکور کی کہ مذکور اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات ہیں۔

2: بعض آیات ایسی ہیں جن میں کفار کے حالاتِ مذکور ہیں جیسے فرعون، ابلیس، دشمنانِ خدا اور دشمنانِ پیغمبر لوگ وغیرہ۔ یہ آیات اکہری فضیلت کی حامل ہیں اور وہ ذکر اللہ ہونے کی فضیلت ہے کہ یہ آیات اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں۔ ان آیات کو دوسری یعنی مذکور کی فضیلت حاصل نہیں ہے کیونکہ مذکورِ عظمت والا نہیں ہے۔

فائدہ:

”وَكَذَلِكَ الْأَسْمَاءُ وَالصِّفَاتُ كُلُّهَا مُسْتَوِيَةٌ فِي الْعِظَمَةِ وَالْفَضْلِ لَا

تَغَاوَتْ بَيْنَهُمَا“ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء و صفات فضیلت و عظمت میں باہم برابر ہیں۔ کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ جس طرح قرآن کریم کی بعض آیات کو بعض دوسری آیات پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بعض اسماء و صفات کو بعض دوسرے اسماء و صفات پر فضیلت ہے، ایسا نہیں ہے کہ بلکہ تمام اسماء و صفات کی فضیلت و عظمت باہم برابر ہے۔

## ایمان والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

وَوَالِدَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَاتَا عَلَى الْكُفْرِ.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی وفات حالت کفر پر نہیں ہوئی۔

### فائدہ نمبر 1:

الفقہ الاکبر کے کئی نسخے منقول ہیں۔ ان میں اس مقام کی عبارت باہم مختلف

ہے:

۱: وَوَالِدَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَاتَا عَلَى الْكُفْرِ.

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا انتقال حالت کفر میں ہوا۔

۲: وَوَالِدَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَاتَا عَلَى الْفِطْرَةِ.

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا انتقال حالت فطرت پر ہوا۔

۳: وَوَالِدَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَاتَا عَلَى الْكُفْرِ.

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا انتقال حالت کفر میں نہیں ہوا۔

اول نسخہ جس میں حالت کفر پر وفات کی بات کی گئی ہے یہ نسخہ عام طور پر ملتا ہے۔ باقی

دو نسخوں کا تذکرہ علامہ زاہد بن الحسن الکوثری (ت 1371ھ) نے کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

وَفِي بَعْضِ النُّسخِ الْمَحْطُوطَةِ: "وَأَبَوَا النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَا عَلَى الْفِطْرَةِ". وَ"الْفِطْرَةُ" سَهْلَةٌ الشَّحْرِيفُ إِلَى "الْكُفْرِ" فِي الْحِطِّ الْكُوفِيِّ وَفِي أَكْثَرِهَا "مَا مَاتَا عَلَى الْكُفْرِ"، كَانَ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ يُرِيدُ بِهِ الرَّدَّ عَلَى مَنْ يَزَوِّجُ حَدِيثَ "أَبِي وَأَبُوكَ فِي النَّارِ" وَيَزِي كُتُوبَهُمَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ، لِأَنَّ أَنْزَالَ الْمَرْءَ فِي النَّارِ لَا يَكُونُ إِلَّا بِدَلِيلٍ يَقِينٍ، وَهَذَا الْمَوْضُوعُ لَيْسَ بِمَوْضُوعٍ عَلَيَّ حَتَّى يُكْتَفَى فِيهِ بِالْأَدْلِيلِ الظَّاهِرِيِّ. وَيَقُولُ الْحَافِظُ مُحَمَّدُ الْمُزَنِّي شَارِحُ الْإِحْيَاءِ وَالْقَامُوسِ فِي رِسَالَتِهِ "الْإِنْصَارَافُ إِلَى الْبَيْتِ الْمَخْتَارِ" وَكُنْتُ رَأَيْتُهَا بِحِطِّهِ عِنْدَ شَيْخِنَا أَحْمَدَ بْنَ مُصْطَفَى الْعُمَرِيِّ الْحَلَبِيِّ مَفْتِي الْعُسْكِرِ الْعَالِمِ الْمُبْعَرِّ مَا مَعْنَاهُ: إِنَّ النَّاسِخَ لَمَّا رَأَى تَكَرَّرَ "مَا" فِي "مَا مَاتَا" ظَنَّ أَنَّ إِحْدَاهُمَا زَائِدَةٌ فَحَذَفَهَا فَذَاعَتْ نُسَخَتُهُ الْخَاطِئَةُ، وَمِنْ الدَّلِيلِ عَلَى ذَلِكَ سِيَاقُ الْخَبَرِ لِأَنَّ أَبَا طَالِبٍ وَالْأَبَوَيْنِ لَوْ كَانُوا أَجْمَعًا عَلَى حُلَّةٍ وَاحِدَةٍ لَجَبَّحُ الثَّلَاثَةِ فِي الْحُكْمِ بِجُمْلَةٍ وَاحِدَةٍ لَا بِجُمْلَتَيْنِ مَعَ عَدَمِ التَّخَالُفِ بَيْنَهُمَا فِي الْحُكْمِ وَهَذَا رَأْيٌ وَجِيهٌ مِنْ الْحَافِظِ الرَّبِيعِيِّ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ رَأَى النُّسخَةَ الَّتِي فِيهَا "مَا مَاتَا" وَإِنَّمَا حَكَى عَمَّنْ رَأَاهَا وَإِنِّي بِمُحَمَّدٍ اللَّهِ رَأَيْتُ لَفْظَ "مَا مَاتَا" فِي نُسَخَتَيْنِ بِدَارِ الْكُتُبِ الْبَصْرِيَّةِ كَمَا رَأَيْتُ بَعْضَ أَصْدِقَائِي لَفْظَ "مَا مَاتَا" وَ"عَلَى الْفِطْرَةِ" فِي نُسَخَتَيْنِ قَدِيمَتَيْنِ بِمَكْتَبَةِ شَيْخِ الْإِسْلَامِ الْمَذْكُورَةِ، وَعَلَى الْقَارِئِ بَنَى شَرْحَهُ عَلَى النُّسخَةِ الْخَاطِئَةِ وَأَسَاءَ الْأَدَبِ، سَأَلْتُهُ اللَّهُ.

مقدمہ الکوثری علی کتاب العالم والتعلم لابن حنیفہ: ص 7 ص 8

ترجمہ: بعض منطوط نسخوں میں یہ الفاظ ہیں "وَأَبَوَا النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَا عَلَى الْفِطْرَةِ"۔ لفظ "الْفِطْرَةُ" خط کوئی میں آسانی کے ساتھ لفظ "الْكُفْرِ" میں



تبدیل ہو سکتا ہے۔ اکثر نسخوں میں ”مَا مَاتَا عَلَى الْكُفْرِ“ کے الفاظ ہیں۔ گویا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں کی تردید کرنا چاہتے ہیں جو ”أَبَى وَأَبْوَكَ فِي النَّارِ“ والی حدیث نقل کر کے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین جہنمی ہیں۔ (ان لوگوں کا یہ موقف درست نہیں) اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی شخص کے بارے میں جہنمی ہونے کا عقیدہ رکھنا دلیل یقینی سے ہی ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ یہ عملی موضوع نہیں کہ جس میں دلیل ظنی کافی ہو جائے۔ حافظ محمد مرتضیٰ زبیدی شارح احیاء العلوم اور صاحب قاموس اپنے رسالہ ”الْإِنْتِصَارُ لِوَالِدَيِ النَّبِيِّ الْمُخْتَارِ“ میں لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ احمد بن مصطفیٰ العمری الجلبی جو عسکر العالم کے مفتی ہیں اور معمر عالم شخصیت ہیں، ان کے ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر دیکھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نسخہ لکھنے والے نے جب یہ دیکھا کہ ”مَا مَاتَا“ میں لفظ ”مَا“ دو مرتبہ ہے تو اس نے یہ سمجھا کہ ایک ”مَا“ زائد ہے اس لیے اس نے ایک ”مَا“ حذف کر دیا۔ پھر یہی غلط نسخہ عام ہو گیا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس عبارت کے سیاق میں ابوطالب کا تذکرہ ہے۔ اگر ابوطالب اور والدین مصطفیٰ کا حکم ایک جیسا ہو تا تو باوجودیکہ دونوں کے حکم میں کوئی فرق نہیں سب کو ایک جملہ میں ہی نقل کیا جاتا نہ کہ دو جملوں میں۔ حافظ زبیدی کی یہ رائے بہت عمدہ ہے انہوں نے بھی ”مَا مَاتَا“ کا نسخہ خود نہیں دیکھا تھا بلکہ جنہوں نے اصل نسخہ دیکھا تھا حافظ زبیدی نے ان سے نقل کیا ہے۔ لیکن الحمد للہ میں نے ”مَا مَاتَا“ کے دو نسخے دارالکتب المصریہ میں دیکھے ہیں جس طرح میرے بعض دوستوں نے ”مَا مَاتَا“ اور ”عَلَى الْفِطْرَةِ“ کے دو قدیم نسخے مکتبہ شیخ الاسلام مصر میں دیکھے ہیں۔ ملا علی قاری نے اپنی شرح اسی خطا والے نسخے کی بنیاد پر لکھی ہے اور مقام ادب کا لحاظ نہ رکھ سکے۔ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائے۔

## فائدہ نمبر 2:

ہمارے سامنے شارح الفقہ الاکبر امام ابو المُنْتَهِی شہاب الدین احمد بن محمد  
 المَغْنِیْسَاوِی الرُّومِی الحنفی (ت 1000ھ) کی شرح ”الکتاب الاغر الجامع  
 للفوائد التي لا تحصر“ کا ایک مخطوط نسخہ ہے۔ اس میں متن کی عبارت یوں ہے:  
 وَوَالِدَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَأْتِي فِي فِتْرَةِ الْوُجْهِ.  
 کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا انتقال فترت وحی کے زمانہ میں ہوا۔  
 اس نسخہ میں صراحتاً کفر پر وفات کا ذکر نہیں۔

## فائدہ نمبر 3:

ملا علی بن سلطان محمد القاری الهروی الحنفی (ت 1014ھ) کا پہلے یہ خیال تھا  
 کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں یہ موقف  
 رکھتے ہیں کہ ان کی وفات حالت کفر میں ہوئی تھی۔ اس پر انہوں نے ایک کتاب بھی  
 لکھی تھی جس کا نام ”ادلۃ معتقد ابی حنیفۃ“ رکھا۔ بعد میں اس موقف سے رجوع کر لیا۔  
 چنانچہ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وفات سے تین سال قبل سن 1011ھ میں  
 قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ (ت 544ھ) کی ”کتاب الشفاء“ کی شرح لکھی تو اس  
 میں اپنے پہلے موقف سے رجوع فرما لیا۔ شرح الشفاء میں لکھتے ہیں:  
 وَأَمَّا إِسْلَامُ أَبِيهِ فَفِيهِ أَقْوَالٌ، وَالْأَصَحُّ إِسْلَامُهَا عَلَى مَا اتَّفَقَ عَلَيْهِ الْأَجَلَّةُ  
 مِنَ الْأُمَّةِ كَمَا بَيَّنَّهُ السُّيُوطِيُّ فِي رَسَائِلِهِ الثَّلَاثِ الْمُؤَلَّفَةِ.

شرح الشفاء لعلی القاری: ج 1 ص 601

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے اسلام کے بارے میں کئی اقوال  
 ہیں۔ صحیح ترین قول یہ ہے کہ وہ مسلمان تھے کیونکہ جلیل القدر ائمہ کا یہی موقف ہے

جیسا کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے اپنے تین رسائل میں اس موقف کو بیان کیا ہے۔

فائدہ نمبر 4:

ایمان والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتب

[1]: علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی (ت 911ھ) نے اس مسئلہ پر چھ رسائل تحریر فرمائے ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کو ثابت کیا ہے۔ رسائل یہ ہیں:

۱: الْمَقَامَةُ السُّنْدُوسِيَّةُ فِي النَّسَبَةِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ

۳: الدَّرَجُ الْمُنِيفَةُ فِي الْأَبَاءِ الشَّرِيفَةِ

۳: مَسَائِلُ الْخُتَفَاءِ فِي الْوَالِدِي الْمُصْطَفَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۴: نَشْرُ الْعُلَمَاءِ الْمُنِيفِينَ فِي أَحْيَاءِ الْأَبَوَيْنِ الشَّرِيفَيْنِ

۵: التَّعْظِيمُ وَالْمِنَّةُ فِي أَنَّ أَبَوَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنَّةِ

۶: السُّبُلُ الْجَلِيلَةُ فِي الْأَبَاءِ الْعُلِيِّ

یہ چھ رسائل ”الکتابۃ العصریۃ بیروت“ سے ایک جلد میں شائع ہو چکے ہیں۔

[2]: علامہ سید محمد بن محمد الحسینی الزبیدی المعروف مرتضیٰ الزبیدی

(ت 1205ھ) نے ایمان ثابت کرنے کے لیے ایک رسالہ لکھا جس کا نام

”الْإِنْصَارُ لَوَالِدِي النَّبِيِّ الْمُخْتَارِ“ ہے۔

[3]: علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی (ت 1225ھ) نے رسالہ لکھا: ”تَقْدِيسُ

وَالِدِي الْمُصْطَفَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“

یہ عربی رسالہ اردو ترجمہ بنام ”تقدیس والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم“

کے ساتھ شاہ نفیس اکیڈمی لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

[4]: مولانا عبد الخالق ملتانى (ت 1386ھ) [تقسیم ہند سے قبل مدرس دارالعلوم دیوبند، تقسیم کے بعد مدرس جامعہ عباسیہ بہاولپور، بعدہ شیخ الحدیث قاسم العلوم ملتان، بعدہ بانی، صدر المدرسین و شیخ الحدیث دارالعلوم کبیر والا] نے رسالہ لکھا: ”رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین جنتی ہیں“  
ملکتہ حقانیہ ملتان سے شائع ہو چکا ہے۔

فائدہ نمبر 5:

مذکورہ نسخوں کے پیش نظر ہم نے بھی رائج متن یہی لکھا ہے: ”وَوَالِدَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَآمَنَاتَا عَلَى الْكُفْرِ“

فائدہ نمبر 6:

اگر کسی مسئلہ میں اکابرین امت کا اختلاف ہو تو وہ رائے عام کی جائے جو امت کے لیے زیادہ مفید ہو۔

## جناب ابوطالب کی وفات

وَأَبُو طَالِبٍ عَمَّتْهُ مَاتَ كَافِرًا.

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کافر ہونے کی حالت میں فوت ہوئے ہیں۔

جناب ابوطالب؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور حضرت علی المرتضیٰ

رضی اللہ عنہ کے والد تھے۔ کفار جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے کی کوشش کرتے تو ابوطالب آپ کی حمایت کرتے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت مدد کی۔ دادا کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہی کی کفالت میں رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے بہت احسانات ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے بارے میں صحیح عقیدہ یہی ہے کہ ان کا اسلام لانا ثابت نہیں۔ یہ موقف دلائل سے ثابت ہے۔ البتہ اس قول کے علاوہ ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے اور سوئے ادبی سے پرہیز کیا جائے۔

چند دلائل ملاحظہ ہوں:

(1): عَنْ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ أَبَا طَالِبٍ لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ دَخَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ أَبُو جَهْلٍ فَقَالَ أَيْ عَمَّ قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ يَا أَبَا طَالِبٍ تَرَعْبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَمْ يَزَلْ لَا يُكَلِّمَانِي حَتَّى قَالَ آخِرَ شَيْءٍ كَلَّمَهُمْ بِهِ عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْهُ فَتَزَلْتُ "مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَى قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ" وَتَزَلْتُ "إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ"

صحیح البخاری: رقم الحدیث 3884

ترجمہ: حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت ان کے پاس ابو جہل بھی بیٹھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا:

اے میرے چچا! لا الہ الا اللہ کلمہ پڑھ لیجیے تاکہ میں اس کلمے کے ذریعے اللہ کے ہاں آپ کے حق میں گواہی دے سکوں۔ اس پر ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ کہنے لگے: اے ابوطالب! کیا آپ عبد المطلب کے دین سے منحرف ہو جائیں گے؟ وہ یہ بات مسلسل کہتے رہے حتیٰ کہ ابوطالب نے اپنی آخری بات یہ کہی کہ میں عبد المطلب کے دین پر ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے جب تک روکا نہ گیا تو اس وقت تک میں اللہ تعالیٰ سے آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی: (ترجمہ یہ ہے کہ) نبی اور ایمان لانے والوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔

(2): عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دُكِرَ عِنْدَهُ عَنْهُ أَبُو طَالِبٍ فَقَالَ: لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيَجْعَلُ فِي خَضَّاحٍ مِنْ نَارٍ يَبْلُغُ كَعْبِيَّهِ، يَغْلِي مِنْهُ دِمَاغُهُ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 210

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ابوطالب کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید قیامت کے دن میری شفاعت سے انہیں نفع پہنچے گا تو انہیں مقام خضاح میں لے جایا جائے گا جہاں آگ میں ان کے پاؤں ہوں گے جس سے ان کا دماغ کھولے گا۔ ان نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوطالب کی وفات حالت ایمان میں نہیں ہوئی۔

اشکال:

قرآن کریم کی آیت "خُلِدِينَ فِيهَا" لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا

هُمْ يُنْظَرُونَ (سورة البقرة: 162) سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی جبکہ صحیح مسلم کی حدیث مذکور (رقم الحدیث 210) سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ابوطالب کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔

اسی طرح ابو لہب کے بارے میں صحیح البخاری میں موجود ہے:

قَالَ عُرْوَةُ: وَتُؤَيَّبَةُ مَوْلَاةٌ لِأَبِي لَهَبٍ كَانَ أَبُو لَهَبٍ أَعْتَقَهَا فَأَرْضَعَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا مَاتَ أَبُو لَهَبٍ أُرِيَهُ بَعْضُ أَهْلِهِ بِشَرِّ حَبِيبَةٍ قَالَ لَهُ: مَاذَا لَقِيتِ؟ قَالَ أَبُو لَهَبٍ: لَمْ أَلْقَ بَعْدَكُمْ غَيْرَ آتِي سُقَيْتُ فِي هَذِهِ بَعَثَاتِي تُوَيَّبَةُ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 5101

ترجمہ: حضرت عروہ کہتے ہیں: ثویبہ ابو لہب کی باندی تھی جسے ابو لہب نے آزاد کر دیا تھا۔ ثویبہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔ جب ابو لہب فوت ہوا تو اس کے اہل خانہ میں سے کسی کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ انتہائی بری حالت میں ہے۔ خواب دیکھنے والے نے اس سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ تو ابو لہب نے جواب دیا: جب سے میں تم سے جدا ہوا ہوں (یعنی فوت ہوا ہوں) تو مجھے کبھی بھی آرام نہیں ملا، ہاں البتہ ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے مجھے اتنی سی مقدار (یعنی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان گڑھا کی مقدار کے برابر پانی) پلایا جاتا ہے۔

بظاہر یہ دونوں روایتیں اس آیت کے خلاف ہیں۔

جواب:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو عذاب جس جہنمی کے حق میں متعین ہو جائے اس میں کمی نہیں ہوگی اور ابوطالب اور ابو لہب کے حق میں اتنا ہی عذاب متعین ہے، لہذا اس میں کمی نہیں ہوگی۔ چنانچہ امام ابو عبد اللہ محمد بن محمد ابن عرقۃ المالکی (ت 803ھ) ابوطالب اور ابو لہب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(الْعَذَابُ) الَّذِي اسْتَحَقَّهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَنَزَلَ بِهِ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُ مِنْهُ.

تفسیر ابن عرفہ: ج 2 ص 481 تحت قولہ تعالیٰ ”لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ“ سورة البقرة: 162  
ترجمہ: جس عذاب کی تخفیف نہیں ہوگی اس سے مراد وہ عذاب ہے جو ان دونوں  
(ابوطالب اور ابولہب) کے حق میں متعین ہو چکا ہے اور انہیں مل رہا ہے اس میں کمی  
نہیں کی جائے گی۔

### اولادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَقَاسِمٌ وَطَاهِرٌ وَإِبْرَاهِيمُ كَانُوا ابْنَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَاطِمَةُ  
وَرُقَيْيَةُ وَزَيْنَبُ وَأُمُّ كُلثُومٍ كُنَّ بِجَمِيعَا بَنَاتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ.

ترجمہ: قاسم، طاہر اور ابراہیم؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں اور فاطمہ،  
رقیہ، زینب اور ام کلثوم یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاد کی نعمت سے نوازا تھا۔ آپ کے  
تین بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ ان کے مختصر حالات یہ ہیں:  
قاسم:

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بیٹے ہیں۔ نبوت ملنے سے پہلے پیدا  
ہوئے تھے۔ رائج قول کے مطابق سترہ ماہ کے ہو کر فوت ہوئے۔ اسی کی طرف نسبت  
کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ”ابو القاسم“ تھی۔

طاہر:

آپ دوسرے بیٹے ہیں۔ آپ قاسم کے بعد پیدا ہوئے۔ انہیں ”عبد اللہ“



اور ”طیب“ بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا انتقال بھی بچپن ہی میں دو سال کی عمر میں ہوا۔  
ابراہیم:

تیسرے بیٹے ابراہیم ہیں۔ ان کی پیدائش مدینہ منورہ میں سنہ 8 ہجری میں ہوئی۔ ان کی پیدائش پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت زیادہ خوش ہوئے۔ ان کا انتقال بھی سولہ یا سترہ ماہ کی عمر میں مدینہ میں ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی وفات پر سخت دکھ کا اظہار فرمایا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا:

آپ سب سے بڑی بیٹی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے دس سال پہلے ان کی پیدائش ہوئی۔ ان کی پیدائش کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تیس سال تھی۔ ان کی شادی حضرت ابو العاص لقیط بن الربیع رضی اللہ عنہ سے ہوئی جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت ہالہ بنت خویلد کے بیٹے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی تو حضرت زینب ایمان لائیں لیکن ان کے خاوند ایمان نہ لائے۔ جب جنگ بدر ہوئی تو ابو العاص اس میں گرفتار ہو کر مدینہ آئے۔ حضرت زینب باوجود مسلمان ہوتے ہوئے ابھی تک مکہ مکرمہ ہی میں مقیم تھیں۔ ابو العاص نے مدینہ سے ان کے پاس ایک قاصد بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیج دیں تاکہ یہ اس کے بدلے آزاد ہو سکیں۔ حضرت زینب کے پاس ایک قیمتی ہار تھا جو انہیں ان کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دیا تھا۔ حضرت زینب نے فدیہ کی رقم کے ساتھ وہ ہار بھی اپنے گلے سے اتار کر مدینہ بھیج دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر جب اس ہار پر پڑی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد تازہ ہو گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم آبدیدہ ہو گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اگر تم لوگوں کی مرضی ہو تو میں اپنی بیٹی کو اس کی ماں کی یاد گاریہ ہار واپس کر دوں۔ یہ سن کر تمام صحابہ رضی اللہ عنہ نے سر تسلیم

خم کیا اور یہ ہار حضرت زینب کے پاس واپس مکہ بھیج دیا گیا۔ ابو العاص کی رہائی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے وعدہ لیا کہ مکہ پہنچ کر میری بیٹی کو میرے پاس مدینہ منورہ بھیج دیں! انہوں نے وعدہ کے مطابق حضرت زینب کو اپنے بھائی کنانہ کی حفاظت میں مدینہ بھیج دیا۔ بالآخر حضرت ابو العاص نے بھی 7 ہجری میں اسلام قبول کیا اور مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ آپ رضی اللہ عنہا کا انتقال سن 12 ہجری میں ہوا۔

### حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا:

آپ دوسری بیٹی ہیں۔ آپ عمر میں حضرت زینب سے تین سال چھوٹی ہیں۔ اعلان نبوت سے سات سال قبل پیدا ہوئیں۔ ان کی ولادت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 33 سال تھی۔ ان کا پہلا نکاح عتبہ بن ابی لہب سے ہوا تھا۔ جب سورت ”تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ“ نازل ہوئی تو ابو لہب اس پر غصہ ہوا۔ اس نے بیٹے کو حکم دیا تو اس نے حضرت رقیہ کو طلاق دے دی۔ یہ صرف نکاح ہوا تھا، رخصتی ابھی نہ ہوئی تھی۔ بعد میں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو ان کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا گیا۔ دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی۔ آپ کا ایک بیٹا بھی پیدا ہوا تھا جس کا نام عبد اللہ تھا، بچپن میں ہی اس کا انتقال ہو گیا تھا۔ سن 2 ہجری میں آپ کی وفات ہوئی۔

### حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا:

آپ تیسری بیٹی ہیں۔ حضرت رقیہ سے ایک سال چھوٹی ہیں۔ اعلان نبوت سے 6 سال پہلے پیدا ہوئیں۔ ان کی ولادت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 34 سال تھی۔ ان کا پہلا نکاح ابو لہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا تھا لیکن اس نے طلاق دے دی تھی۔ یہ بھی صرف نکاح ہوا تھا، رخصتی نہ ہوئی تھی۔ دوسرا نکاح حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔

سن 9 ہجری میں آپ کی وفات ہوئی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا:

آپ سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ بعثت کے پانچویں سال میں مکہ مکرمہ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فاطمہ میری جان کا حصہ ہے، پس جس نے اسے ناراض کیا تو گویا اس نے مجھے ناراض کیا۔ آپ کے ہاں دو بیٹے؛ حسن اور حسین اور دو بیٹیاں؛ زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے چھ ماہ بعد انتقال فرما گئیں۔

## علم توحید کے مسائل سمجھنے میں دشواری کا حل

وَإِذَا أَشْكََلَ عَلَى الْإِنْسَانِ شَيْءٌ مِنْ دَقَائِقِ عِلْمِ التَّوْحِيدِ فَإِنَّهُ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَعْتَقِدَ فِي الْحَالِ مَا هُوَ الصَّوَابُ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى إِلَى أَنْ يَجِدَ عَالِمًا فَيَسْأَلَهُ وَلَا يَسْعَهُ تَأْخِيرُ الظَّلَبِ وَلَا يُعْذَرُ بِالْوَقْفِ فِيهِ وَيُكْفِّرُ إِنْ وَقَفَ فِيهِ.

ترجمہ: انسان کو اگر علم توحید کے مسائل (جو ذات و صفات باری تعالیٰ سے متعلق ہیں) سمجھنے میں دشواری پیش آئے تو اسے چاہیے کہ فی الحال تو یہ عقیدہ رکھے کہ اس مسئلہ میں جو بات اللہ تعالیٰ کے ہاں درست ہے بس میرا بھی وہی عقیدہ ہے تا وقتیکہ اسے کوئی عالم مل جائے تو اس سے صحیح عقیدہ معلوم کر لے۔ اس کے لیے ان مسائل میں کسی قسم کی تاخیر کی گنجائش نہیں۔ اگر کوئی شخص ان مسائل میں توقف اختیار کرے تو اس کا یہ عذر قابل قبول نہیں ہو گا بلکہ اس بارے میں توقف کرنے والے شخص پر فتویٰ کفر لگایا جائے گا۔

عقائد؛ دین کی بنیاد ہیں۔ انہی پر اسلام کی عمارت کا دار و مدار ہے۔ اگر بنیاد موجود نہ ہو تو عمارت کا وجود ممکن نہیں۔ اسی طرح اگر عقائد موجود نہ ہوں تو اسلام کی عمارت بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ لہذا عقائد کو اہمیت کے ساتھ سیکھنا ہر شخص پر لازم ہے۔ اگر کبھی ایسا معاملہ پیش آجائے کہ انسان کو عقائد خصوصاً توحید کا کوئی دقیقہ سمجھ میں نہ آ رہا ہو تو اسے چاہیے کہ اس عقیدہ کے متعلق اجمالاً یہ اعتقاد رکھے کہ جو موقف اس بارے میں حق و صواب ہے میں وہی اختیار کرتا ہوں۔ ساتھ ساتھ اس دقیقہ کو حل کرنے کے لیے کسی عالم کی طرف رجوع کرنا بھی لازم ہے۔ عقائد کے معاملہ میں کسی قسم کی تاخیر برداشت نہیں۔ اس لیے اگر کوئی شخص عقائد ضروریہ کے معاملہ میں سستی سے کام لے یا عقائد سمجھنے میں توقف و تاخیر کا مظاہرہ کرے تو ایسے شخص کو کافر قرار دیا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ توقف کرنے سے اس عقیدہ میں شک پیدا ہو گا کہ آیا صحیح موقف کیا ہے! اور شک کرنا انکار کے مترادف ہے۔ اس لیے عقائد کے باب میں خوب توجہ سے کام لینا چاہیے۔

## معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان

وَحَبْرُ الْمِعْرَاجِ حَقٌّ مَنْ رَدَّكَ فَهُوَ مُبْتَدِعٌ ضَالٌّ.

ترجمہ: واقعہ معراج ہر حق ہے۔ جو شخص اس کا انکار کرے وہ بدعتی اور گمراہ ہے۔

### واقعہ معراج:

معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز بھی ہے اور اعجاز بھی ہے۔ اعزاز اس لیے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بعد کائنات کی سب سے بڑی ہستی ہیں

اور ابو جہل اس کائنات کا سب سے گھٹیا انسان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا بڑا ہونے کے باوجود کائنات کے سب سے چھوٹے شخص کی زیادتی کو اللہ تعالیٰ کے لیے برداشت کیا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس قربانی کا بدلہ یہ دیا کہ عرش جس کے اوپر کوئی اور مکان نہیں، تک لے جا کر آپ کو عزت دی ہے۔ یہ اعزاز ہے۔

معراج: اعجاز بھی ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی نشانی ہے جس نے دوسروں کو اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز کر دیا ہے۔

سفر معراج نبوت کے گیارہویں سال میں ہوا۔ راجح قول کے مطابق رجب کی 27 ویں تاریخ تھی۔

### سفر معراج کے حصے:

یہ سفر دو حصوں پر مشتمل ہے:

- 1: مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، اسے ”اسراء“ کہتے ہیں۔
- 2: بیت المقدس سے لے کر ملا اعلیٰ تک، اسے ”معراج“ کہتے ہیں۔

پہلے حصے کا ذکر قرآن مجید میں ہے (سورۃ الاسراء: 1) اور دوسرے حصے کا ذکر احادیث متواترہ میں ہے۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر براق کے ذریعے ہوا اور بیت المقدس سے آگے تک کا سفر سیڑھی کے ذریعے ہوا۔

اس سفر کا آغاز یوں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی کے گھر آرام فرما رہے تھے کہ یکایک چھت پھٹی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ کو جگایا اور مسجد حرام کی طرف لے گئے۔ وہاں جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حطیم کعبہ میں لیٹے اور سو گئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیدار کیا اور زمزم کے کنویں پر لے گئے۔ وہاں لٹا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ

کو چاک کیا اور قلب مبارک کو نکالا اور زمزم کے پانی سے دھویا۔ ایک سونے کا تشت لایا گیا جس میں ایمان و حکمت بھرا ہوا تھا۔ اس ایمان و حکمت سے آپ کے مبارک سینے کو بھر دیا گیا اور پھر سینہ کو سی دیا گیا۔ بعد ازاں براق لایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر سوار کیا گیا۔ براق پر سفر شروع ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ سے بیت المقدس پہنچے۔ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ، مدین، طور سیناء اور بیت اللحم اترے اور جبرائیل امین علیہ السلام کے کہنے پر ان مقامات میں دو دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

اس زمینی سفر میں کئی واقعات پیش آئے۔ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معراج کی رات میرا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہوا، میں نے دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ اسی راستہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانے کے تھے اور وہ ان ناخنوں کے ساتھ اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ غیبت کرنے والے لوگ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو نہر میں تیر رہا تھا اور پتھروں کو لقمہ بنا بنا کر کھا رہا تھا۔ پوچھنے پر حضرت جبرائیل امین نے بتایا کہ یہ سود خور ہے۔ غرض اس طرح کے کئی واقعات پیش آئے۔

بیت المقدس پہنچنے پر دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھی۔ تمام انبیاء علیہم السلام پہلے ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں موجود تھے۔ ایک مؤذن نے اذان دی، پھر اقامت کہی۔ تمام انبیاء علیہم السلام صف باندھ کر انتظار میں کھڑے تھے کہ کون امامت کرے گا؟! حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھایا۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز

ادا کی۔ انبیاء علیہم السلام کی یہ نماز روح مع الجسد تھی۔

اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام اور دیگر ملائکہ کے ہمراہ آسمانوں کی طرف عروج فرمایا۔ آسمانوں پر مختلف انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی۔ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام، دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا جو ساتویں آسمان پر ایک بیری کا درخت ہے۔ زمین سے جو چیز اوپر جاتی ہے وہ سدرۃ المنتہیٰ پر جا کر رک جاتی ہے پھر وہاں سے اوپر اٹھائی جاتی ہے اور ملا اعلیٰ سے جو چیز اترتی ہے وہ سدرۃ المنتہیٰ پر آکر ٹھہر جاتی ہے، پھر وہاں سے نیچے اترتی ہے۔ اس مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل امین کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق جل مجدہ کے عجیب و غریب انوارات و تجلیات کا مشاہدہ کیا اور بے شمار فرشتے اور سونے کے پتنگے دیکھے جو سدرۃ المنتہیٰ کو گھیرے ہوئے تھے۔ سدرۃ المنتہیٰ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت اور جہنم دکھائی گئی۔ اس کے بعد مقام صریف الاقلام پر پہنچے۔ لکھنے کے وقت قلم کی جو آواز پیدا ہوتی ہے اسے صریف الاقلام کہتے ہیں۔ ملائکہ امور الہیہ کی کتابت کر رہے تھے اور احکام خداوندی کو لوح محفوظ سے نقل کر رہے تھے۔

مقام صریف الاقلام سے آگے چل کر حجاب طے کرتے ہوئے بارگاہ قدس میں پہنچے، یہاں دیدار خداوندی اور بلا واسطہ ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا۔ یہ زیارت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے کی ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں تحفہ دیں: (۱) پانچ وقت کی نمازیں، (۲) خواتیم سورۃ

البقرۃ یعنی سورۃ البقرہ کی آخری آیتوں کا مضمون اور (۳) یہ کہ آپ کی امت میں سے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے تو اللہ تعالیٰ اس کے کبیرہ گناہوں سے درگزر فرمائے گا یعنی کبیرہ گناہوں کے مرتکب کو کفار کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہ ڈالے گا بلکہ اپنے فضل و کرم سے سزا دیے بغیر یا قانونِ عدل سے سزا دے کر جنت میں داخل فرمادے گا۔

اس کے بعد آسمانوں سے واپسی ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اولاً بیت المقدس میں اترے۔ وہاں سے براق پر سوار ہو کر صبح ہونے سے پہلے ہی مکہ پہنچ گئے۔ صبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ واقعہ قریش کے سامنے بیان کیا تو لوگ حیران ہو گئے، بعض نے تالیاں بجائیں اور ازراہِ تعجب کہا کہ ایک رات میں اتنا لمبا سفر کیسے طے ہو سکتا ہے؟! جن لوگوں نے بیت المقدس دیکھا ہوا تھا تو وہ اس کے متعلق سوال کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے حجابات اٹھا کر بیت المقدس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں کے سامنے کر دیا اور آپ نے ان لوگوں کے سوالات کے صحیح صحیح جوابات دیے۔

## معراج کے منکر کا حکم:

سفر معراج کے دو حصے ہیں:

- 1: بیت اللہ سے لے کر بیت المقدس تک
- 2: بیت المقدس سے لے کر آسمانوں تک

پہلا حصہ نص قرآنی سے ثابت ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔ دوسرا حصہ خبر مشہور سے ثابت ہے اور اس کا منکر کافر نہیں بلکہ مبتدع اور گمراہ ہے۔

✽ علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید سکندری الحنفی المعروف

ابن الہمام (ت 861ھ) لکھتے ہیں:



وَمَنْكَرُ الْمِعْرَاجِ إِنْ أَنْكَرَ الْإِسْرَاءَ إِلَى بَيْتِ الْمُقَدَّسِ فَكَافِرٌ وَإِنْ أَنْكَرَ الْمِعْرَاجَ مِنْهُ مُبْتَدِعٌ أَنْتَهَى مِنَ الْخِلَاصَةِ.

فتح القدیر لابن الہام: ج 1 ص 350 کتاب الصلاة. فصل فی القراۃ ترجمہ: معراج کے منکر کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ (بیت اللہ سے لے کر) بیت المقدس تک کے سفر کا منکر ہے تو ایسا شخص کافر ہے اور اگر معراج (یعنی بیت المقدس سے لے کر آسمانوں تک کے سفر) کا منکر ہے تو بدعتی ہے۔ خلاصۃ الفتاویٰ میں بھی یہی مذکور ہے۔

✽ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وَمَنْ أَنْكَرَ الْمِعْرَاجَ يُنْظَرُ إِنْ أَنْكَرَ الْإِسْرَاءَ مِنْ مَكَّةَ إِلَى بَيْتِ الْمُقَدَّسِ فَهُوَ كَافِرٌ وَإِنْ أَنْكَرَ الْمِعْرَاجَ مِنْ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ لَا يَكْفُرُ.

فتاویٰ عالمگیری: ج 841 کتاب الصلاة الباب الخامس فی الامامة ترجمہ: معراج کا منکر اگر مکہ سے لے کر بیت المقدس تک کے سفر کا منکر ہے تو کافر ہے اور اگر بیت المقدس سے آگے (آسمانوں تک) کے سفر کا منکر ہے تو کافر نہیں ہے (بلکہ مبتدع اور فاسق ہے)۔

فائدہ نمبر 1:

بعض حضرات نے معراج کے تین حصے بیان فرمائے اور ہر ایک کا حکم الگ بیان فرمایا۔

✽ شیخ احمد بن ابی سعید بن عبد اللہ بن عبد الرزاق الحنفی المعروف ”ملا جیون“ (ت 1130ھ) لکھتے ہیں:

قَالَ أَهْلُ السُّنَّةِ بِأَجْمَعِهِمْ: إِنَّ الْمِعْرَاجَ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى قَطْعٌ ثَلَاثٌ بِالْكِتَابِ وَإِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا ثَابِتٌ بِالْخَبَرِ الْمَشْهُورِ وَإِلَى مَا فَوْقَهُ مِنَ السَّمَاوَاتِ

ثَابِتٌ بِالْأَحَادِ فَمُنْكَرُ الْأَوَّلِ كَافِرٌ أَلْبَتَّةَ وَمُنْكَرُ الثَّانِي مُبْتَدِعٌ مُضِلٌّ وَمُنْكَرُ الثَّلَاثِ فَاسِقٌ.

التفسيرات الاحمدية: ص 503 تفسیر سورۃ بنی اسرائیل

ترجمہ: تمام اہل السنۃ کا موقف یہ ہے کہ (بیت اللہ سے) بیت المقدس تک سفر معراج کتاب اللہ سے، وہاں سے آسمان دنیا تک سفر کرنا خبر مشہور سے اور وہاں سے آگے آسمانوں تک سفر کرنا خبر آحاد سے ثابت ہے۔ اس لیے جو پہلی قسم کا منکر ہو وہ کافر ہے، جو دوسری قسم کا منکر ہو وہ بدعتی ہے اور جو تیسری قسم کا منکر ہو وہ فاسق و گناہگار ہے۔

❁ فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی (ت 1416ھ) فرماتے ہیں:

”معراج جسمانی مسجد اقصیٰ تک بحالت یتنہ نص قطعی سے ثابت ہے اس کا انکار کفر ہے اور سماء دنیا تک خبر مشہور سے ثابت ہے اس کا منکر مضل اور مبتدع ہے اور سماء دنیا سے آگے جنت و عرش وغیرہ تک خبر واحد سے ثابت ہے اس کا منکر فاسق ہے۔“

فتاویٰ محمودیہ: ج 1 ص 395 باب ما يتعلق بالانبياء وآتباعهم

فائدہ نمبر 2:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے معراج کے ایک حصہ کا حکم بیان فرمایا، باقی کا بیان نہیں فرمایا۔

## علامات قیامت کا بیان

وَحُرُوجُ الدَّجَالِ وَيَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَطُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَنُزُولُ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ السَّمَاءِ وَسَائِرُ عَلَامَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ عَلَى مَا وَرَدَتْ بِهِ الْأَخْبَارُ الصَّحِيحَةُ حَقٌّ كَائِنٌ.

ترجمہ: دجال اور یاجوج ماجوج کا نکلنا، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا، اسی طرح باقی علامات قیامت جو صحیح روایات میں وارد ہوئی ہیں برحق ہیں اور ضرور واقع ہوں گی۔

علامات قیامت دو قسم کی ہیں؛ علامات صغریٰ اور علامات کبریٰ۔

”علامات صغریٰ“ سے مراد وہ علامتیں ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے لے کر حضرت مہدی علیہ الرضوان کی آمد تک وقوع پذیر ہوں گی۔ ان میں سے کچھ علامات ظاہر ہو چکی ہیں اور کچھ باقی ہیں۔

”علامات کبریٰ“ سے مراد وہ علامتیں ہیں جو حضرت مہدی علیہ الرضوان کی آمد سے لے کر نفع اولیٰ تک ظاہر ہوں گی۔

علامات صغریٰ: کئی احادیث مبارکہ میں ان کا ذکر موجود ہے۔ دو احادیث ملاحظہ ہوں:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: لَا حَدِيثَ ثَنَكُمُ حَدِيثًا لَا يُحَدِّثُكُمْ بِهِ أَحَدٌ بَعْدِي سَمِعْتُهُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا تَقُومُ السَّاعَةُ - وَإِنَّمَا قَالَ: مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ - أَنْ يَرْفَعَ الْعِلْمُ وَيُظْهَرَ الْجَهْلُ وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ وَيُظْهَرَ الزِّنَا وَيَقْلَ الرِّجَالُ وَيَكْثُرَ النِّسَاءُ حَتَّى

يَكُونُ لِلْخَمْسِينَ أَمْرًا الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ".

صحیح البخاری: رقم الحدیث 6708

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کروں گا کہ میرے بعد اسے کوئی نہیں بیان کرے گا۔ میں نے یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی یا یوں فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ علم ختم ہو جائے گا اور جہالت پھیل جائے گی، شراب پی جانے لگے گی اور زنا عام ہو جائے گا، مرد کم ہو جائیں گے اور عورتوں کی تعداد زیادہ ہو جائے گی حتیٰ کہ پچاس عورتوں کی خبر گیری لینے والا ایک ہی مرد رہ جائے گا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا اتَّخَذَ الْفَقِيرُ دُولًا وَالْأَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزُّكُوةُ مَغْرَمًا وَتُعَلِّمَ لِغَيْرِ الدِّينِ وَأَطَاعَ الرَّجُلُ أَمْرًا تَهُ وَعَقَى أُمَّهُ وَأَذْنَى صَدِيقَهُ وَأَقْضَى أَبَاهُ وَظَهَرَتِ الْأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ وَسَادَ الْقَبِيلَةَ فَاسْقَهُمْ وَكَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ وَأَكْرَمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ وَظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَارِفُ وَشَرِبَتِ الْخُمُورُ وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَوْلَهَا فَلْيَرْتَقِبُوا عِنْدَ ذَلِكَ رِيحًا حَمْرَاءَ وَزَلْزَلَةً وَخَسْفًا وَمَسْعًا وَقَذْفًا وَأَيَاتٍ تَتَابَعُ كِنَظَامٍ بِأَلٍ قُطِعَ سِلْكُهُ فَتَتَابَعُ".

جامع الترمذی: رقم الحدیث 2211

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مال فتنے کو ذاتی دولت، امانت کو مال غنیمت، زکوٰۃ کی ادائیگی کو تاوان سمجھا جائے، دین کی تعلیم کسی اور مقصد کے لیے حاصل کی جائے، آدمی اپنی بیوی کی فرمانبرداری کرے اور اپنی والدہ کی نافرمانی کرے، دوست کو قریب کرے اور اپنے والد کو دور کرے، مساجد میں آوازیں بلند ہونے لگیں، قبیلہ کا بدکار آدمی قوم کی

سرداری کرے، قوم کا ذمہ دار ان کا مکینہ شخص ہو، آدمی کی عزت اس کے شر کے خوف سے کی جائے، گانے والی عورتیں اور باجے عام ہو جائیں، شراب بکثرت پی جائے اور اس امت کے آخری دور کے لوگ اپنے سے پہلے والوں پر لعنت بھیجیں تو اس وقت تم سرخ آندھی، زلزلے، زمین میں دھنسنے، صورتیں مسخ ہونے، آسمان سے پتھر برسنے اور ان نشانیوں کا انتظار کرنا جو اس ہار کی لڑی کی طرح مسلسل ظاہر ہوں گی جس کا دھاگہ ٹوٹ گیا ہو اور اس کے دانے پے درپے گرنے لگیں۔

ان روایات سے قیامت کی علامات صغریٰ یہ معلوم ہوتی ہیں:

- 1: علم کا ختم ہو جانا اور جہالت کا پھیل جانا
- 2: شراب کا بکثرت پیا جانا
- 3: زنا کا عام ہونا
- 4: مردوں کی تعداد کم جبکہ عورتوں کی تعداد کا زیادہ ہونا
- 5: مال غنیمت کو ذاتی مال سمجھنا
- 6: امانت میں خیانت کرنا
- 7: زکوٰۃ کی ادائیگی کو تاوان اور بوجھ سمجھنا
- 8: دینی تعلیم کو دنیوی مقصد کے لیے حاصل کرنا
- 9: بیوی کی بات ماننا اور والدہ کی نافرمانی کرنا
- 10: دوست کو قریب کرنا اور والد سے دوری اختیار کرنا
- 11: مساجد میں شور و غل کی آوازیں بلند ہونا
- 12: قبیلہ کی سرداری بدکار آدمی کے ہاتھ آنا
- 13: مکینوں کا قوم کا ذمہ دار بننا
- 14: شریر لوگوں کی عزت ان کے شر سے بچنے کے لیے کیا جانا

15: گانے اور موسیقی کے آلات کا عام ہونا

16: امت کے آخری دور کے لوگوں کا پہلے دور کے لوگوں پر لعنت کرنا

علامات کبریٰ:

قیامت کی علامات کبریٰ دس ہیں۔ اختصار سے ذکر کی جاتی ہیں:

1: حضرت مہدی علیہ الرضوان کی آمد

حضرت مہدی علیہ الرضوان کی آمد قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے پہلی نشانی ہے۔ آپ کا نام محمد اور والد کا نام عبد اللہ ہو گا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے ہوں گے۔ سیرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہوں گے یعنی ان کے اخلاق و اطوار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہوں گے البتہ صورت اور شکل و شبہت میں مشابہ نہیں ہوں گے۔ مدینہ منورہ کے رہنے والے ہوں گے۔ مکہ مکرمہ میں ان کا ظہور ہو گا، شام اور عراق کے اولیاء اور ابدال بیت اللہ کے طواف کے دوران انہیں پہچان لیں گے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ پہلے ان کی حکومت عرب میں ہو گی پھر ساری دنیا میں پھیل جائے گی۔ ان کے دور حکومت میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہو گا۔ آپ کا عمل شریعت محمدیہ کے مطابق ہو گا۔ آپ کے زمانہ میں دجال نکلے گا اور انہی کے زمانہ بادشاہت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے جامع مسجد دمشق کے مشرقی منارہ پر فجر کی نماز کے قریب نازل ہوں گے اور امام مہدی کے پیچھے نماز ادا فرمائیں گے۔ امام مہدی؛ عیسائیوں سے جہاد کریں گے اور قسطنطنیہ کو فتح کریں گے۔ بیت المقدس میں آپ کا انتقال ہو گا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کی نماز جنازہ پڑھائیں گے اور آپ بیت المقدس ہی میں دفن ہوں گے۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ رَحِمَهُ اللَّهُ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا

فَقَدْ أَكْرَمَنَا الْمَهْدِيُّ، فَقَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:  
"الْمَهْدِيُّ مِنْ وَلَدِ فَاطِمَةَ"

سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث 4086

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر تھے کہ حضرت مہدی کا تذکرہ ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ مہدی میری بیٹی فاطمہ کی اولاد میں سے ہوں گے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتَّى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِي".

سنن الترمذی: رقم الحدیث 2230

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک کہ میرے اہل بیت سے ایک شخص عرب پر حکومت نہ کر لے، اس شخص کا نام میرے نام کی طرح ہوگا۔  
عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "يَكُونُ اخْتِلَافٌ عِنْدَ مَوْتِ خَلِيفَةٍ فَيَخْرُجُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ هَارِبًا إِلَى مَكَّةَ فَيَأْتِيهِ نَاسٌ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ فَيُخْرِجُونَهُ وَهُوَ كَارِهٌ فَيَبَايَعُونَهُ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ وَيُبْعَثُ إِلَيْهِ بَعْثٌ مِنَ الشَّامِ فَيُخَسَفُ بِهِمْ بِالْبَيْدَاءِ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ فَإِذَا رَأَى النَّاسُ ذَلِكَ أَتَاهُ أَهْدَالُ الشَّامِ وَعَصَائِبُ أَهْلِ الْعِرَاقِ فَيَبَايَعُونَهُ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ ثُمَّ يَنْشَأُ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ أَحْوَالُهُ كُلُّهُ فَيُبْعَثُ إِلَيْهِمْ بَعْثًا فَيُظْهِرُونَ عَلَيْهِمْ وَذَلِكَ بَعْثٌ كُلُّهُ وَالْحَبِيبَةُ لَمَنْ لَمْ يَشْهَدْ غَنِيمَةً كُلِّهَا فَيَقْسِمُ الْمَالُ وَيَعْمَلُ فِي النَّاسِ بِسُنَّةِ نَبِيِّهِمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُلْقَى الْإِسْلَامُ بِحِجْرَانِهِ إِلَى الْأَرْضِ فَيَلْبَسُ سَبْعَ سِنِينَ ثُمَّ يُتَوَفَّى

وَيُصَلِّي عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ".

سنن ابی داؤد: رقم الحدیث 4286

ترجمہ: حضرت ام سلمہ زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک خلیفہ کی وفات کے وقت امت میں اختلاف ہو گا (کہ کس کو خلیفہ بنائیں) تو ایک شخص مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف بھاگ نکلے گا تو مکہ والوں میں سے کچھ لوگ ان کے پاس آئیں گے انہیں باہر لائیں گے (یعنی وہ کسی گھر میں ہوں گے تو لوگ وہاں سے ان کو باہر لائیں گے) حالانکہ یہ بات انہیں ناپسند ہو گی۔ یہ لوگ ان کے ہاتھ پر مقام ابراہیم اور حجر اسود کے درمیان بیعت کریں گے۔ (بیعت کے بعد) ان کی طرف شام سے ایک لشکر روانہ ہو گا لیکن اسے مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام بیداء میں دھنسا دیا جائے گا۔ جب لوگ یہ منظر دیکھیں گے تو پھر ان کے پاس ابدال شام اور اہل عراق کی جماعتیں آنا شروع ہوں گی اور رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان ان سے بیعت کریں گی۔ پھر قریش میں سے ایک شخص نکلے گا جس کا انھیال قبیلہ بنو کلب ہوں گے، وہ شخص ان کی طرف ایک لشکر بھیجے گا تو یہ (یعنی امام مہدی کا لشکر) ان پر غالب آئیں گے۔ یہی بنی کلب کا لشکر ہو گا۔ ناکام رہے وہ شخص جو بنو کلب کے مال غنیمت میں حاضر نہ ہو! وہ شخص (یعنی امام مہدی) مال غنیمت تقسیم کریں گے اور لوگوں میں ان کے نبی کی سنت کو جاری کریں گے۔ اس وقت اسلام اپنی گردن زمین میں ڈال دے گا (یعنی جس طرح اونٹ جب سکون سے بیٹھتا ہے تو اپنی گردن زمین پہ بچھا دیتا ہے، اسی طرح یہ دور بھی اسلام کے لیے امن و سکون کا دور ہو گا) وہ (یعنی امام مہدی) سات سال تک حکمرانی کریں گے۔ پھر وفات پا جائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَيْفَ



أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ."

صحیح مسلم: رقم الحدیث 155

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری خوشی کا اس وقت کیا عالم ہو گا جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تم میں نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہو گا۔ (یعنی امام مہدی کی اقتداء کریں گے)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

”وَسَيَخْرُجُ مِنْ صُلْبِهِ رَجُلٌ يُسَمَّى بِاسْمِ نَبِيِّكُمْ يُشَبِّهُهُ فِي الْخُلُقِ وَلَا يُشَبِّهُهُ فِي الْخُلُقِ“

سنن ابی داؤد: رقم الحدیث 4290

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ایسا شخص پیدا ہو گا جس کا نام تمہارے پیغمبر کے نام جیسا ہو گا۔ وہ اخلاق و اطوار میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہو گا لیکن شکل و شبہت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہیں ہو گا۔

## 2: دجال کا نکلنا

دجال کا نکلنا دوسری بڑی علامت ہے جو احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ ”دجال“ ایک خاص کافر شخص کا نام ہے جو قوم یہود سے ہو گا اور ”مسح“ اس کا لقب ہو گا۔ اس کی ایک آنکھ میں انگور کے دانے کے برابر ناخنو نہ ہو گا، دونوں آنکھوں کے درمیان ”ک ف ر“ لکھا ہو گا۔

دجال کا خروج اس زمانے میں ہو گا جب امام مہدی علیہ الرضوان نصاریٰ سے جہاد کرتے ہوئے قسطنطنیہ کو فتح فرما کر شام واپس آئیں گے اور شہر دمشق میں مقیم ہو کر مسلمانوں کے انتظام میں مصروف ہوں گے۔ اس وقت دجال شام اور عراق کے

درمیان سے نکلے گا اور نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ پھر اصفہان آئے گا۔ وہاں ستر ہزار یہودی اس کے تابع ہو جائیں گے۔ بعد ازاں وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور زمین میں فساد پھیلاتا پھرے گا۔ حق تعالیٰ بندوں کے امتحان کے لیے اس کے ہاتھ سے قسم کے کرشمے اور شعبدے ظاہر فرمائیں گے۔ یمن سے ہو کر مکہ مکرمہ کا رخ کرے گا مگر مکہ مکرمہ پر فرشتوں کا پہرہ ہو گا اس لیے دجال مدینہ منورہ کا ارادہ کرے گا۔ مدینہ منورہ کے دروازوں پر بھی فرشتوں کا پہرہ ہو گا اس لیے دجال مدینہ منورہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ بالآخر پھر پھر اگر شام واپس آئے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کی جامع مسجد کے شرقی منارہ پر فجر کی نماز کے وقت دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے آسمان سے نازل ہوں گے اور اس لعین کو قتل کریں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں کھڑے ہو

کر ارشاد فرمایا:

"أَنْذَرْتُكُمْ الْمَسِيحَ وَهُوَ مَمْسُوحُ الْعَيْنِ" - قَالَ أَحْسِبُهُ قَالَ الْيُسْرَى - يَسِيرُ مَعَهُ جِبَالُ الْخُبَرِ وَأَمْهَارُ الْمَاءِ عَلَامَتُهُ يَمُكُّكَ فِي الْأَرْضِ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا يَنْلُغُ سُلْطَانُهُ كُلَّ مَنَهْلٍ لَا يَأْتِي أَرْبَعَةَ مَسَاجِدَ الْكُعْبَةِ وَمَسْجِدَ الرَّسُولِ وَالْمَسْجِدَ الْأَقْصَى وَالطُّورَ.

مسند احمد: ج 16 ص 520 رقم الحدیث 22984

ترجمہ: میں نے تمہیں مسیح دجال سے ڈرایا تھا۔ اس کی ایک آنکھ خراب ہے، جو برابر کر دی گئی ہے یعنی مسیح کی ہوئی آنکھ والا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بائیں آنکھ کے متعلق ارشاد فرمائی تھی۔ اور اس کے ساتھ روٹیوں کے پہاڑ اور پانی کی نہریں چل رہی ہوں گی۔ دجال کی علامت یہ ہوگی کہ وہ زمین میں چالیس دن رہے گا اور ہر جگہ جائے گا سوائے چار مسجدوں کے۔ وہ چار

مسجدیں یہ ہیں؛ کعبہ، مسجد رسول، مسجد اقصیٰ اور مسجد طور۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثًا طَوِيلًا عَنِ الدَّجَالِ فَكَانَ فِيهِمَا حَدَّثَنَا بِهِ أَنْ قَالَ يَأْتِي الدَّجَالُ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْهِ أَنْ يَدْخُلَ نِقَابَ الْمَدِينَةِ بَعْضُ السَّبَاخِ الَّتِي بِالْمَدِينَةِ فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ يَوْمَئِذٍ رَجُلٌ هُوَ خَيْرُ النَّاسِ أَوْ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ فَيَقُولُ: أَشْهَدُ أَنَّكَ الدَّجَالُ الَّذِي حَدَّثَنَا عَنْكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثَهُ فَيَقُولُ الدَّجَالُ: أَرَأَيْتَ إِنْ قَتَلْتُ هَذَا ثُمَّ أَحْيَيْتُهُ هَلْ تَشْكُونُ فِي الْأَمْرِ؟ فَيَقُولُونَ: لَا! فَيَقْتُلُهُ ثُمَّ يُحْيِيهِ فَيَقُولُ حِينَ يُحْيِيهِ: وَاللَّهِ مَا كُنْتُ قَطُّ أَشَدَّ بَصِيرَةً مِنِّي الْيَوْمَ. فَيَقُولُ الدَّجَالُ: أَقْتُلُهُ فَلَا أُسَلِّطَ عَلَيْهِ.

صحیح البخاری: رقم الحدیث 1882

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے متعلق ایک طویل حدیث بیان فرمائی۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ دجال مدینہ منورہ کی ایک کھاری زمین تک پہنچے گا لیکن اس پر مدینے میں داخل ہونا حرام ہو گا۔ اس دن ایک شخص اس دجال کی طرف نکل کر اس کے سامنے آئے گا۔ یہ شخص لوگوں میں سب سے بہترین شخص ہو گا یا (یہ فرمایا کہ) یہ شخص بزرگ ترین لوگوں میں سے ہو گا۔ یہ شخص دجال سے کہے گا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کے متعلق ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ دجال لوگوں کو کہے گا: کیا میں اسے قتل کر کے پھر زندہ کر دوں تو تم لوگوں کو میرے بارے میں کوئی شک و شبہ باقی رہ جائے گا؟ لوگ (جو اس کے حواری ہوں گے) کہیں گے: ہمیں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہے گا۔ اس وقت دجال اس شخص کو قتل کر کے پھر زندہ کر دے گا۔

جب دجال اسے زندہ کرے گا تو وہ شخص کہے گا: قسم بخدا! اب تو مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ تو ہی دجال ہے۔ دجال کہے گا: لاؤ! میں اسے پھر قتل کرتا ہوں لیکن اس مرتبہ وہ اس پر قادر نہ ہو سکے گا۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ أَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ فَإِذَا رَجُلٌ أَكْدَمَ سَبْطُ الشَّعْرِ يَنْطُفُ أَوْ يَهْرَأُ رَأْسُهُ مَاءً قُلْتُ مَنْ هَذَا قَالُوا ابْنُ مَرْيَمَ ثُمَّ ذَهَبَتْ أَلْتَفْتُ فَإِذَا رَجُلٌ جَسِيمٌ أَحْمَرُ جَعْدُ الرَّأْسِ أَعْوَرُ الْعَيْنِ كَأَنَّ عَيْنَهُ عَنَبَةً طَافِيَةً قَالُوا هَذَا الدَّجَالُ أَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا ابْنُ قُطَيْنٍ رَجُلٌ مِنْ خُرَاعَةَ."

صحیح البخاری: رقم الحدیث 7128

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ایک بار سو رہا تھا کہ خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک گندمی رنگ کا آدمی ہے، جس کے سیدھے بال ہیں، سر سے پانی ٹپک رہا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ تو جواب دینے والوں نے جواب دیا کہ یہ ابن مریم علیہ السلام ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک بھاری بھر کم جسم، سرخ رنگت، گھٹکھریالے بال اور ایک آنکھ سے نابینا شخص ہے اور اس کی آنکھ لٹکے ہوئے انگور کے دانے جیسی ہے۔ مجھے بتانے والوں نے بتایا کہ یہ دجال ہے۔ دجال کی شکل ابن قطن سے ملتی جلتی ہے جو بنو خزاعہ کا ایک شخص ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَهُوَ أَعْوَرُ وَإِنَّ رَبَّكُمْ لَيَسَّ بِأَعْوَرَ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ لَكَ فَرُّ مُهْجَاةٌ يَفْرُوهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ كَاتِبٌ وَغَيْرُ كَاتِبٍ.

مسند احمد: ج 12 ص 33 رقم الحدیث 14895

ترجمہ: دجال کا نام ہو گا جبکہ تمہارا رب کا نام نہیں ہے۔ دجال کی دونوں آنکھوں کے

در میان کافر ”ک، ف، ر“ لکھا ہو گا جو ہر مومن پڑھ لے گا خواہ وہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔

### 3: عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا

تیسری علامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا ہے۔ کانے دجال کا خروج ہو چکا ہو گا اور امام مہدی دمشق کی جامع مسجد میں نماز فجر کے لیے تیاری میں ہوں گے۔ یکایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کے شرقی منارہ پر دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے نزول فرمائیں گے اور نماز سے فراغت کے بعد امام مہدی کی معیت میں دجال پر چڑھائی کریں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس میں یہ تاثیر ہوگی کہ کافر اس کی تاب نہ لاسکے گا، اس کے پہنچتے ہی مر جائے گا اور دجال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی ایسا پگھلنے لگے گا جیسے چربی پگھلتی ہے۔ (بعض روایات میں آیا ہے کہ ایسے پگھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کا تعاقب کریں گے اور ”باب لد“ پر جا کر اس کو اپنے نیزے سے قتل کریں گے اور اس کا خون مسلمانوں کو دکھائیں گے۔ اس کے بعد لشکر اسلام دجال کے لشکر کا مقابلہ کرے گا۔ اس لشکر میں جو یہودی ہوں گے مسلمانوں کا لشکر ان کو خوب قتل کرے گا۔ اس طرح زمین دجال اور یہود کے ناپاک وجود سے پاک ہو جائے گی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ مِنَ السَّمَاءِ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ."

کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ج 2 ص 166 باب قول اللہ عزوجل "إني متوفيك"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری خوشی کا اس وقت کیا عالم ہو گا جب حضرت عیسیٰ بن

مریم علیہ السلام تم میں آسمان سے نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہو گا۔ (یعنی امام مہدی کی اقتداء کریں گے)

اس حدیث میں لفظ ”مِن السَّمَاءِ“ کی صراحت ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان دو الگ الگ شخصیتیں ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: يَنْزِلُ الْمَسِيحُ بْنُ مَرْيَمَ، فَإِذَا رَأَاهُ الدَّجَالُ ذَابَ كَمَا تَذُوبُ الشَّجَرَةُ، قَالَ: فَيَقْتُلُ الدَّجَالُ.

مصنف ابن ابی شیبہ: ج 15 ص 144 رقم الحدیث 38649

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام نازل ہوں گے۔ جب دجال ان کو دیکھے گا تو (ڈر کی وجہ سے) ایسے پگھلنے لگے گا جیسے چربی پگھلتی ہے۔ فرمایا: پھر وہ دجال کو قتل کر دیں گے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "وَالَّذِي نَفْسُ أَبِي الْقَاسِمِ بِيَدِهِ لَيَنْزِلَنَّ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ إِمَامًا مُقْسِطًا وَحَكَمًا عَدْلًا، فَلْيَكْسِرَنَّ الصَّلِيبَ، وَلْيَقْتُلَنَّ الْخُزَيْرَ، وَلْيُضِلَّحَنَّ ذَاتَ الْبَيْنِ، وَلْيَذْهَبَنَّ الشَّحَنَاءُ، وَلْيَعْرِضَنَّ عَلَيْهِ الْمَالُ فَلَا يَقْبَلُهُ، ثُمَّ لَيَنْ قَامَ عَلَى قَبْرِى فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! لَأَجِيبَنَّكَ."

مسند ابی یعلیٰ الموصلی: ص 1149 رقم الحدیث 6577

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں ابو القاسم کی جان ہے عیسیٰ بن مریم ایک عادل حکمران بن کر ضرور نازل ہوں گے، صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، باہمی عداوتیں جو پیدا ہو چکی

ہوں گی انہیں ختم کریں گے، آپس کا بغض ختم ہو جائے گا، اس وقت کوئی مال دے گا تو قبول کرنے والا کوئی نہ ہو گا۔ پھر وہ میری قبر پہ آئیں گے اور یا محمد! کہیں گے تو میں ضرور جواب دوں گا۔

#### 4: یاجوج ماجوج کا نکلنا

حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ

سورۃ الانبیاء: 96

ترجمہ: یہاں تک کہ یاجوج ماجوج کھول دیے جائیں گے اور وہ ہر بلند جگہ سے پھسلنے نظر آئیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور دجال کی ہلاکت کے کچھ عرصہ بعد امام مہدی انتقال فرما جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی نماز جنازہ پڑھائیں گے۔ بیت المقدس میں ان کا انتقال ہو گا اور وہیں مدفون ہوں گے۔ امام مہدی کی وفات کے بعد مسلمانوں کی قیادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سپرد ہوگی اور زمانہ نہایت سکون اور راحت سے گزر رہا ہو گا کہ یکایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہو گا کہ اے عیسیٰ! تم میرے بندوں کو کوہ طور کے پاس لے جاؤ! میں اب ایک ایسی قوم کو نکالنے والا ہوں کہ جس کے ساتھ لڑنے کی کسی کو طاقت نہیں۔ وہ قوم یاجوج ماجوج کی قوم ہے جو یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہے۔

شاہ ذو القرنین نے دو پہاڑوں کے درمیان ایک نہایت مستحکم آہنی دیوار قائم کر کے ان کا راستہ بند کر دیا تھا۔ قیامت کے قریب وہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور یہ غارت گر قوم ٹڈی دل کی طرح ہر طرف سے نکل پڑے گی اور دنیا میں فساد پھیلانے لگی۔ اس کا ذکر قرآن کریم کی ان آیات میں موجود ہے:

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا

(۹۳) قَالُوا لَئِنْ الْفَرَزَيْنِ لَإِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَى أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا (۹۴) قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا (۹۵) ائْتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوا حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ ائْتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا (۹۶) فَمَا اسْطَاعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا (۹۷) قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِنْ رَبِّي فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا (۹۸)

سورۃ الکہف: 93 تا 98

ترجمہ: یہاں تک کہ جب وہ (ذوالقرنین) دو پہاڑوں کے درمیان جا پہنچا تو اسے پہاڑوں سے پہلے چند لوگ ملے جو بات کو مشکل سے سمجھتے تھے۔ انہوں نے کہا: اے ذوالقرنین! یا جوج اور ماجوج زمین میں بہت فساد پھیلاتے رہتے ہیں۔ تو کیا ہم آپ کو کچھ رقم دیں جس کے عوض آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی دیوار بنادیں! ذوالقرنین نے کہا: اللہ نے مجھے جس حکومت سے نوازا ہے وہی میرے لیے بہتر ہے۔ البتہ تم لوگ محنت سے میری مدد کرو تو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنادوں گا۔ تم لوگ مجھے لوہے کے تختے دے دو! یہاں تک کہ جب اس نے پہاڑوں کا درمیانی حصہ برابر کر دیا تو کہا کہ اب آگ دہکاؤ یہاں تک کہ جب اس دیوار کو آگ کی طرح کر دیا تو کہا کہ اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لے آؤ تاکہ میں اسے اس پر ڈال دوں۔ بالآخر (دیوار ایسی مضبوط قائم ہو گئی کہ) یا جوج ماجوج نہ اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ ہی اس میں کوئی سوراخ کر سکتے تھے۔ ذوالقرنین نے فرمایا: یہ میرے رب کی رحمت سے ہوا ہے۔ پھر جب میرے رب کے وعدے کا وقت آئے گا تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔

اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کو لے کر کوہ طور کی طرف



چلے جائیں گے۔ بارگاہ خداوندی میں یا جوج ماجوج کے حق میں طاعون کی ہلاکت کی دعا کریں گے جب کہ باقی لوگ اپنے اپنے طور پر قلعہ بند اور محفوظ مکانوں میں چھپ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ یا جوج ماجوج کو طاعون کی وباء سے ہلاک کرے گا اور اس بلائے آسمانی سے سب مر جائیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ لمبی گردن والے پرندے بھیجے گا جو بعض کو توکھا جائیں گے اور بعض کو اٹھا کر سمندر میں ڈال دیں گے۔ پھر بارش ہوگی جس کے سبب ان مرداروں کی بدبو سے نجات ملے گی اور زندگی نہایت راحت اور آرام سے گزرے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس یا پینتالیس سال زندہ رہ کر مدینہ منورہ میں انتقال فرمائیں گے اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بعد ایک قحطانی شخص کو اپنا خلیفہ مقرر کر جائیں گے جس کا نام ”ہجہاہ“ ہوگا، خوب اچھی طرح عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرے گا مگر ساتھ ہی شر اور فساد پھیلنا شروع ہو جائے گا۔

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَيَبْعَثُ اللَّهُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ فَيَمُرُّ أَوَائِلَهُمْ عَلَى بُحَيْرَةِ طَبْرِئَةَ فَيَشْرَبُونَ مَا فِيهَا وَيَمُرُّ آخِرَهُمْ فَيَقُولُونَ لَقَدْ كَانَ يَهْدِيهِمْ مَرَّةً مَاءٌ وَيُخَصِّرُ نَبِيُّ اللَّهِ عِيسَى وَأَصْحَابُهُ حَتَّى يَكُونَ رَأْسُ الثَّوْرِ لِأَحَدِهِمْ خَيْرًا مِنْ مِائَةِ دِينَارٍ لِأَحَدِكُمْ الْيَوْمَ فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللَّهِ عِيسَى وَأَصْحَابُهُ فَيُرْسِلُ اللَّهُ عَلَيْهِمُ النَّعْفَ فِي رِقَابِهِمْ فَيَضْبَحُونَ فَرْلَى كَمَوْتِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ يَهْبِطُ نَبِيُّ اللَّهِ عِيسَى وَأَصْحَابُهُ إِلَى الْأَرْضِ فَلَا يَجِدُونَ فِي الْأَرْضِ مَوْضِعَ شِبْرٍ إِلَّا مَلَأَهُ زَهْمُهُمْ وَنَفَثُهُمْ فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللَّهِ عِيسَى وَأَصْحَابُهُ إِلَى اللَّهِ فَيُرْسِلُ اللَّهُ طَيْرًا كَأَعْنَاقِ الْبُخْتِ فَتَحْبِلُهُمْ فَتَطْرَحُهُمْ حَيْثُ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ يُرْسِلُ اللَّهُ مَطَرًا لَا يَكُنْ مِنْهُ

بَيِّتٌ مَدْرٍ وَلَا وَبَرٍ فَيَغْسِلُ الْأَرْضَ حَتَّى يَتْرُكَهَا كَالزَّلْفَةِ ثُمَّ يُقَالُ لِلْأَرْضِ  
 أَنْبِئِي مَمَرَتِكَ وَرِدِّي بَرَكَتَكَ فَيَوْمَئِذٍ تَأْكُلُ الْعِصَابَةُ مِنَ الرُّمَانَةِ وَيَسْتَظِلُّونَ  
 بِقِحْفِهَا وَيُبَارِكُ فِي الرِّسْلِ حَتَّى أَنَّ اللَّفْحَةَ مِنَ الْإِبِلِ لَتَكْفِيَ الْفِئَامَ مِنَ النَّاسِ  
 وَاللَّفْحَةَ مِنَ الْبَقَرِ لَتَكْفِيَ الْقَبِيلَةَ مِنَ النَّاسِ وَاللَّفْحَةَ مِنَ الْعُغْمِ لَتَكْفِيَ  
 الْفِغْذَ مِنَ النَّاسِ فَبَيَّنَّا هُمْ كَذَلِكَ إِذْ بَعَثَ اللَّهُ رِجَالًا طَيِّبَةً فَنَاقَظُهُمْ تَحْتَ  
 أَبْطَاهِمُ فَتَقْبِضُ رُوحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَكُلِّ مُسْلِمٍ وَيَبْقَى شَرَارُ النَّاسِ يَتَهَارَجُونَ  
 فِيهَا تَهَارُجُ الْحُمُرِ فَعَلَيْهِمْ تَقُومُ السَّاعَةُ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 5228

ترجمہ: اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو بھیجے گا اور وہ ہر بلند جگہ سے پھسل رہے ہوں گے۔  
 یاجوج ماجوج کے لشکر کا پہلا حصہ بحیرہ طبریہ سے گزرے گا تو اس کا سارا پانی پی جائے  
 گا۔ پھر جب لشکر کا دوسرا حصہ وہاں سے گزرے گا تو وہ کہے گا: اس جگہ کبھی پانی ہوا  
 کرتا تھا۔ اس دوران اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہا السلام اور ان کے ساتھی  
 گھرے ہوئے ہوں گے اور (قطعات ساخت ہو گا کہ) اس وقت بیل کی ایک سری ان کے  
 لیے سودینار سے بہتر سمجھی جائے گی۔ پھر عیسیٰ بن مریم اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ کی  
 طرف متوجہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کر دے  
 گا جس کی وجہ سے وہ سارے کے سارے یکدم مرجائیں گے جس طرح ایک جان مرقی  
 ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی (پہاڑ سے) اتر آئیں گے لیکن نیچے  
 ایک بالشت بھی ایسی جگہ نہ ہوگی جو ان کی لاشوں کی گندگی، بدبو اور خون سے بھری  
 ہوئی نہ ہو۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ کی طرف متوجہ ہوں گے  
 تو (ان کی دعا کو قبول کرتے ہوئے) اللہ تعالیٰ اتنے بڑے بڑے پرندوں کو بھیجے گا جن  
 کی گردنیں بختی اونٹوں کی گردنوں کی طرح لمبی لمبی ہوں گی۔ وہ پرندے ان لاشوں کو

اٹھا کر وہاں پھینک دیں گے جہاں اللہ تعالیٰ چاہیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے لیے ایسی بارش برسائے گا جو ہر کچے پکے گھر تک پہنچے گی۔ یہ بارش زمین کو اس طرح صاف ستھرا دھو دے گی کہ وہ آئینے کی طرح صاف شفاف ہو جائے گی۔ پھر زمین کو حکم دیا جائے گا کہ پھل پھول اور اپنی برکات واپس لا۔ چنانچہ اس وقت (برکت اتنی ہو جائے گی کہ) ایک انار ایک جماعت کے لیے کافی ہو گا۔ اس کے چھلکے سے یہ جماعت سایہ حاصل کرے گی۔ نیز دودھ میں ایسی برکت ہو گی کہ لوگوں کی ایک بڑی جماعت کے لیے ایک دودھ دینے والی اونٹنی کافی ہو گی اور دودھ دینے والی ایک گائے لوگوں کے ایک قبیلے کے لیے کافی ہو جائے گی۔ اسی طرح دودھ دینے والی ایک بکری لوگوں میں سے ایک چھوٹے گھرانے کو کافی ہو گی۔ لوگ اسی حال میں (خیر و برکت کے ساتھ ایک عرصہ میں) رہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہوا بھیجیں گے جس سے مسلمانوں کی بغل میں پھوڑا نکلے گا اور یوں سارے مسلمانوں کی ارواح کو قبض کر لے گی اور باقی لوگ گدھوں کی طرح کھلے عام زنا کریں گے۔ انہی لوگوں پر قیامت پہا ہو گی۔

### 5: سورج کا مغرب سے نکلنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے وقوع سے پہلے سورج مغرب سے نکلے گا اور یہ وہ وقت ہو گا جب توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اس وقت ایمان لانا مفید ثابت نہ ہو گا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 4870

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے پہلے توبہ کر

لی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمائے گا۔

حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت جس میں قیامت کی دس علامات کا ذکر ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں:

طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا.

سنن ابی داؤد: رقم الحدیث 4311

ترجمہ: (کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک دس علامات ظاہر نہ ہو جائیں، ان میں سے ایک) سورج کا مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہونا ہے۔

## 6: دابة الارض کا نکلنا

قیامت کی ایک بڑی نشانی زمین سے دابة الارض کا نکلنا ہے، جو نص قرآنی سے ثابت ہے:

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ  
كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ

سورة النمل: 82

ترجمہ: اور جب ہماری بات پوری ہونے کا وقت ان لوگوں کے پاس آ پہنچے گا (یعنی قیامت قریب ہوگی) تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا (یہ جانور ہم اس لیے نکالیں گے) کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔

جس روز آفتاب مغرب سے طلوع ہو گا اس کے چند روز بعد مکہ مکرمہ کے ”صفا“ پہاڑ سے یہ عجیب الخلق جانور نکلے گا۔ جس طرح اللہ نے اپنی قدرت سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو پتھر سے نکالا تھا اسی طرح اپنی قدرت سے قیامت کے قریب زمین سے یہ جانور نکالیں گے جو لوگوں سے کلام کرے گا اور قیامت کی

خبر دے گا۔ مومنین کے چہروں پر ایک نورانی نشانی لگائے گا جس سے ان کے چہرے روشن ہو جائیں گے اور کافروں کی آنکھوں کے درمیان ایک مہر لگائے گا جس سے ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔ حسب ارشاد باری تعالیٰ "وَ اٰمَنَّا بِمَا نَزَّلَ الْيَوْمَ اَيْهَا الْمُجْرِمُونَ" (اے مجرم لوگو! آج الگ ہو جاؤ) مسلم اور مجرم کا امتیاز اس طرح شروع ہو جائے گا اور پورا امتیاز حساب و کتاب کے بعد ہو گا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "تَخْرُجُ الدَّابَّةُ وَمَعَهَا خَاتَمٌ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ، وَعَصَا مُوسَى بْنِ عِمْرَانَ، عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، فَتَجْلُو وَجْهَ الْمُؤْمِنِ بِالْعَصَا، وَتَخْطُمُ أَنْفَ الْكَافِرِ بِالْخَاتَمِ حَتَّى أَنْ أَهْلَ الْجَوَائِزِ لَيَجْتَمِعُونَ، فَيَقُولُ: هَذَا يَأْمُؤُ مِنِّي وَيَقُولُ هَذَا يَأْيَا كَافِرٌ".

سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث 4066

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دابۃ الارض جب نکلے گا تو اس کے پاس حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کا عصا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی۔ وہ عصا کے ذریعے مسلمانوں کے چہروں کو روشن کرے گا اور انگوٹھی کے ذریعے کافروں کے چہروں پر نشان لگائے گا یہاں تک کہ جب ایک محلہ کے لوگ جمع ہوں گے تو ایک شخص کہے گا: اے مومن! اور دوسرا شخص کہے گا: اے کافر!

مطلب یہ ہے کہ دابۃ الارض کے نشانات لگانے کی وجہ سے مومن اور کافر میں واضح امتیاز محسوس ہو گا کہ لوگ مومن کا نشان دیکھ کر اسے "اے مومن!" کہہ کر پکاریں گے اور کافر کا نشان دیکھ کر اسے "اے کافر!" کہہ کر پکاریں گے۔ یعنی کفر و ایمان اب چھپ نہ سکے گا بلکہ اب ظاہر ہو جائے گا۔

## 7: ٹھنڈی ہوا کا چلنا

دابۃ الارض کے نکلنے کے کچھ عرصے بعد ایک ٹھنڈی ہوا چلے گی جس سے تمام اہل ایمان اور اہل خیر مر جائیں گے یہاں تک کہ اگر کوئی مؤمن کسی غاریا پہاڑ میں چھپا ہوا ہو گا تو وہاں بھی یہ ہوا پہنچے گی اور وہ شخص اس ہوا سے مر جائے گا۔ نیک لوگ سب مر جائیں گے تو نیکی اور بدی میں فرق کرنے والا بھی کوئی باقی نہ رہے گا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثُمَّ يَرْسِلُ اللَّهُ رِيحًا بَارِدَةً مِنْ قِبَلِ الشَّأْمِ فَلَا يَبْقَى عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ أَوْ إِيْمَانٍ إِلَّا قَبَضَتْهُ حَتَّى لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ دَخَلَ فِي كَبِدِ جَبَلٍ لَدَخَلَتْهُ عَلَيْهِ حَتَّى تَقْبِضَهُ.

صحیح مسلم: رقم الحدیث 5233

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ ملک شام کی جانب سے ٹھنڈی ہوا چلائیں گے تو یہ ہوا ہر اس شخص کی روح قبض کر لے گی جس کے دل میں ذرہ برابر خیر یا ایمان ہو گا حتیٰ کہ اگر کوئی مسلمان پہاڑ کے کسی غار میں چھپا ہو گا تو یہ ہوا اس کو بھی پہنچ کر اس کی روح کو بھی قبض کر لے گی۔

## 8: حبشیوں کا غلبہ اور خانہ کعبہ کو گرانا

بعد ازاں حبشہ کے کافروں کا غلبہ ہو گا اور زمین پر ان کی سلطنت ہو گی۔ ظلم اور فساد عام ہو گا۔ بے شرمی اور بے حیائی کھلم کھلا ہو گی۔ چوپایوں کی طرح لوگ سڑکوں پر جماع کریں گے۔ حبشی لوگ خانہ کعبہ کو شہید کر دیں گے۔

حدیث شریف میں ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اَثْرُكُمَا الْحَبَشَةُ مَا تَرَكُو كُمْ فَإِنَّهُ لَا يَسْتَخْرِجُ كَنْزَ الْكَعْبَةِ إِلَّا ذُو السُّوَيْقَتَيْنِ مِنَ الْحَبَشَةِ".

سنن ابی داؤد: رقم الحدیث 4309

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حبشہ والوں کو چھوڑے رہو جب تک وہ تمہیں چھوڑے ہوئے ہیں خانہ کعبہ کے جمع ہونے والے خزانے کو چھوٹی چھوٹی پنڈلیوں والا ایک حبشی شخص ہی نکالے گا۔

### 9: آگ کا نکلنا

قیامت کی آخری نشانی یہ ہے کہ وسطِ عدن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو گھیر کر ملک شام کی طرف ہانک کر لائے گی جہاں مرنے کے بعد حشر ہو گا (یعنی قیامت میں جو نئی زمین بنائی جائے گی اس کا وہ حصہ جو موجودہ زمین کے ملک شام کے مقابل ہو گا) یہ آگ لوگوں سے دن رات میں کسی وقت جدا نہ ہو گی اور جب صبح ہو گی اور آفتاب بلند ہو جائے گا تو یہ آگ لوگوں کو ہانک لے جائے گی۔ جب لوگ ملک شام میں پہنچ جائیں گے تو یہ آگ غائب ہو جائے گی۔

عَنْ حُدَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ الْغِفَارِيِّ قَالَ كُنَّا قُعُودًا نَتَحَدَّثُ فِي ظِلِّ غُرْفَةٍ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْنَا السَّاعَةَ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُنَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَنْ تَكُونَ - أَوْ لَنْ تَقُومَ - السَّاعَةُ حَتَّى يَكُونَ قَبْلَهَا عَشْرُ آيَاتٍ طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَخُرُوجُ الدَّابَّةِ وَخُرُوجُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَالذُّجَالُ وَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَالذَّخَانُ وَثَلَاثُ خُسُوفٍ خَسَفَ بِالْمَغْرِبِ وَخَسَفَ بِالْمَشْرِقِ وَخَسَفَ بِحَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَآخِرُ ذَلِكَ تَخْرُجُ نَارٌ مِنْ

الْيَمِينَ مِنْ قَعْرِ عَدَنَ تَسُوقُ النَّاسِ إِلَى الْمَحْشَرِ".

سنن ابی داؤد: رقم الحدیث 4311

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمرے کے سائے میں باتیں کر رہے تھے تو ہم نے قیامت کا تذکرہ کیا۔ ہماری آوازیں بلند ہوئیں (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سن لیا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک دس علامات ظاہر نہ ہو جائیں: ۱.... سورج کا مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہونا، ۲.... دابة الارض کا نکلنا، ۳.... یاجوج ماجوج کا نکلنا، ۴.... دجال کا نکلنا، ۵.... حضرت عیسیٰ علیہ السلام (کا آسمان سے نازل ہونا)، ۶.... دھویں کا نکلنا، ۷.... ۸، ۹.... تین خسوف ہوں گے یعنی لوگ زمین میں دھنسا شروع ہو جائیں گے، ایک خسوف مغرب میں، ایک مشرق میں اور ایک جزیرۃ العرب میں اور آخری ۱۰.... علامت یہ ہوگی کہ وسط عدن سے ملک یمن میں ایک آگ نکلے گی جو پوری انسانیت کو گھیرنا شروع کر دے گی، لوگ جہاں سونا چاہیں گے وہاں آگ رک جائے گی، جہاں کھائیں گے رک جائے گی، یہ آگ لوگوں کو میدانِ محشر سر زمینِ شام کی طرف لائے گی۔

اس کے کچھ عرصہ بعد کفر اور بت پرستی پھیل جائے گی اور زمین پر کوئی خدا کا نام لینے والا باقی نہ ہو گا۔ اس وقت قیامت قائم ہوگی اور حضرت اسرافیل کو صور پھونکنے کا حکم ہو گا۔

## اختتام کتاب

وَاللّٰهُ تَعَالٰی يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے صراطِ مستقیم پر گامزن فرما دیتا ہے۔



## دعائے اختتام

بحمد اللہ تعالیٰ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ”الفقہ الاکبر“ کی شرح بخیر و عافیت تکمیل کو پہنچی۔ ہم اس پر اللہ تعالیٰ کے بے حد شکر گزار ہیں جس نے ہمیں اس شرح کی تحریر کی توفیق بخشی۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق اسی طرح شامل حال رہی تو ان شاء اللہ باقی متون۔ جو ہمارے پیش نظر ہیں۔ کا بھی ترجمہ و نشر تک پیش کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ اس ”شرح الفقہ الاکبر“ کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، عوام و خواص کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور اسے میری، میرے اہل خانہ، مرکز اہل السنۃ والجماعۃ کے اساتذہ و عملہ اور خانقاہ حنفیہ کے متعلقین کی نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم و صلی اللہ علیہ و علی آلہ و اصحابہ و أزواجه و اهل بیتہ أجمعین۔

محتاج دعا

محمد ریاض لکھنؤ

استنبول، ترکی

جمعۃ المبارک؛ 7- ربیع الثانی 1442ھ 12- نومبر 2021ء